بسم اللہ الرحمن الرحیم

عشرہ مبشرہؓ اور آئمہ اربعہؒ

مرتب

الفقیر اِلی اللہ تعالیٰ

بلقیس اظہر

جماعت عائشہؓ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عشرہ مبشرہؓ اور آئمہ اربعہؒ

مرتب:
الفقیر اِلی اللہ تعالیٰ
بلقیس اظہر
جماعت عائشہؓ

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ نمبر

1 عشرہ مبشرہ 3
2 حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ 4
3 حضرت عمر بن خطاب (فاروق اعظم) رضی اللہ تعالیٰ عنہ 11
4 حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ 20
5 حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (فاتح خیبر) 28
☆ خوارج 37
6 حضرت ابوعبیدہ بن الجرح (رضی اللہ تعالیٰ عنہ (امین الامت) 41
7 حضرت سعدؓ بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ (شاہ سوارِ اسلام) 44
8 حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ثالث بالخیر) 47
9 حضرت طلحہ بن عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (صاحب اُحد) 51
10 حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حواری رسول خاتم النبیین ﷺ) 54
11 حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مستجاب الدعوات) 57

آئمہ اربعہ

1 آئینہ حق 60
2 حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ 61
3 حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ 77
4 حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ 83
5 حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ 89

عشرہ مبشرہ

وہ دس صحابہ کرامؓ جن کو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں جنت کی بشارت دی تھی۔

1۔ حضرت ابوبکر (صدیق اکبر) رضی اللہ تعالیٰ عنہ

2۔ حضرت عمر بن خطاب (فاروق اعظم) رضی اللہ تعالیٰ عنہ

3۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

4۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

5۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجرح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

6۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

7۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ

8۔ حضرت طلحہ بن عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

9۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

10۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جامع ترمذی، جلد 3، حدیث نمبر 3748)

****

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابو بکر صدیقؓ عام الفیل سے اڑھائی سال بعد 573ء میں قریش میں پیدا ہوئے، آپؓ کا تعلق قبیلہ تیم سے تھا جو قریش کے چھوٹے قبیلوں میں سے ایک تھا۔ حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ آپؓ سے اڑھائی برس بڑے تھے کیونکہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ عام الفیل سے 52 دن بعد پیدا ہوئے، آپؓ کے والد کا نام عثمانؓ اور والدہ کا نام سلمیٰ (امِ الخیر) تھا، آپؓ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے مل جاتا ہے، آپؓ کے والدین کے ہاں اولاد نہیں بچتی تھی، اس لیے آپؓ کی والدہ آپؓ کو پیدائش کے بعد خانہ کعبہ لے گئیں، اور آپؓ کو کعبہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

''اے اللہ یہ بچہ موت کے پنجہ سے بچ گیا ہے، اب تو اسے آزاد کر دے اور مجھے دے دے''۔

لہٰذا اس قت سے انہیں عتیق (آزاد) کہا جانے لگا، قبول اسلام کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ نے ان کا نام عبداللہ رکھا، لیکن عتیق کا لقب جاری رہا، عتیق نام کے بارے میں بہت سی روایات ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ

ایک دن آپ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں بہت سے صحابہ کرامؓ حاضر تھے، کہ ابو بکرؓ آتے دکھائی دیئے، آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا! عتیق (دوزخ کی آگ سے آزاد) کو دیکھنا ہو تو وہ آنے والے شخص کو دیکھ لو، تب سے لوگ ابو بکرؓ کو عتیق کہنے لگے۔ جوان ہوئے تو کنیت ابو بکرؓ پڑ گئی۔ بکر "جوان اونٹ" کو کہتے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ اونٹوں کی پرورش میں بہت مہارت رکھتے تھے، اس لیے لوگوں نے آپؓ کو ابو بکرؓ (یعنی اونٹوں سے محبت کرنے والا) کہنا شروع کر دیا، آپؓ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے، آپؓ نے اٹھارہ سال کی عمر میں تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔ آپؓ کی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے بچپن ہی سے دوستی تھی، آپؓ وحی کے اعلان کے بعد پہلی ہی ملاقات میں اسلام لے آئے اور ہمیشہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ساتھ دیا۔

صدیق اس کو کہتے ہیں جو سچائی کی تصدیق کرے، چونکہ حضرت ابو بکرؓ صدیق نے واقعہ معراج کی سب سے پہلے تصدیق کی۔ اس لیے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے انہیں صدیق کا لقب عطا فرمایا جو بعد میں ان کے نام کا حصہ بن گیا۔ علما کے قول کے مطابق صدیق اس کو بھی کہتے ہیں جو اسلام کے بارے میں سنتے ہی فوراً بلا تعمل پورے اخلاص سے اسلام قبول کر لے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ایسا ہی کیا تھا۔ اسی وجہ سے انہیں صدیق کا خطاب ملا۔ صدیق کا مقام شہید سے بلند ہے۔ صدیق ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ طلوع اسلام سے پہلے حضرت ابو بکرؓ کو محمد خاتم النبیین ﷺ سے بڑا انس تھا اور آپ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے جگری دوستوں میں سے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اسلام متعارف ہوتے ہی فوراً! اسلام قبول کر لیا اور اپنا تن من دھن اسلام کے فروغ کے لیے وقف کر دیئے۔ کئی جلیل القدر صحابہ نے آپ کی تعلیم و تبلیغ سے اسلام قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ کو رسول اکرم خاتم النبیین ﷺ سے حضرت ابو بکرؓ کی رفاقت بہت پسند آئی۔ یہاں تک کہ رسول اکرم خاتم النبیین ﷺ کی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کے دوران بھی حضرت ابو بکرؓ ہی آپ خاتم النبیین ﷺ کے رفیق تھے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 40 میں فرماتا ہے:

ترجمہ: ''اگر تم پیغمبر کی مدد نہ کرو گے تو اللہ اس کا مددگار ہے (وہ وقت تم کو یاد ہوگا) جب ان کو کافروں نے گھروں سے نکال دیا تھا (اس وقت) دو میں سے دوسرا (دو ہی شخص تھے جن میں ایک حضرت ابو بکرؓ تھے اور دوسرے خود رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ) جبکہ وہ دونوں غار (ثور) میں تھے۔ اس وقت پیغمبر اپنے رفیق کو تسلی دے رہے تھے کہ ''غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے''۔ تو اللہ نے ان پر تسکین نازل کی اور ان کو ایسے لشکروں سے مدد دی جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے اور کافروں کی بات کو پست کر دیا۔ اور بات تو اللہ ہی کی بلند ہے اور اللہ زبردست (اور) حکمت والا ہے''۔

بخاری شریف میں درج ہے کہ کئی صحابہ کرامؓ کے دروازے مسجد نبوی میں کھلتے تھے، آپ خاتم النبیین ﷺ نے حکم دیا ''سب صحابہ کرامؓ کے گھروں کے مسجد میں کھلنے والے دروازے بند کر دیئے جائیں سوائے حضرت ابو بکرؓ کے دروازے کے''۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے خطبہ میں فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو دنیا اور آخرت کے رہنے میں اختیار دیا (کہ وہ جس کو چاہے اختیار کرے) بندے نے وہ پسند کیا جو اللہ کے پاس ہے یعنی آخرت''۔ یہ سن کر ابو بکر رضی اللہ عنہ رونے لگے، میں نے اپنے دل میں کہا ''اگر اللہ نے اپنے کسی بندے کو دنیا اور آخرت میں سے کسی کو اختیار کرنے کو کہا اور اس بندے نے آخرت پسند کر لی تو اس میں ان بزرگ کے رونے کی کیا وجہ ہے؟ لیکن یہ بات تھی کہ بندے سے مراد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ہی تھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ جاننے والے تھے''۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ان سے فرمایا ''ابو بکر آپ روئیے مت۔ اپنی صحبت اور اپنی دولت کے ذریعہ تمام لوگوں سے زیادہ مجھ پر احسان کرنے والے آپ ہی ہیں اور اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا۔ لیکن (جانی دوستی تو اللہ کے سوا کسی سے نہیں ہو سکتی) اس کے بدلہ میں اسلام کی برادری

اور دوستی کافی ہے۔ مسجد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف کے دروازے کے سوا تمام دروازے بند کر دیئے جائیں''۔ (بخاری شریف، حدیث نمبر 466، 3654)
یہ ایک طرح کی پیشن گوئی تھی کہ حضرت ابوبکرؓ پہلے خلیفہ بنیں گے۔ جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ بنے تو بعض لوگوں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے ان سے جہاد کرنا چاہا تو بعض صحابہ کرام نے کہا" کیا آپ ان کو قتل کرنا چاہتے ہیں، جو صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں"؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا" جو لوگ زکوٰۃ کے منکر ہیں وہ یقینا دائرہ اسلام سے خارج ہیں، زکوٰۃ ادا کئے بغیر نماز بھی معلق رہتی ہے"۔ پس آپؓ نے منکرین زکوٰۃ سے قتال کیا اور غیر اسلامی رجحانات کا قلع قمع کر دیا۔ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی بیماری کے دوران حضرت ابوبکرؓ کو ہی امام مقرر کیا گیا۔ یہ بھی آپ کے پہلا خلیفہ بننے کی پیشن گوئی تھی۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی وفات اور حضرت ابوبکر صدیقؓ:-

سورۃ النصر اور سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 3 اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ کے نزولِ وحی کے بعد اور کچھ دوسرے اشارات سے آپ خاتم النبیین ﷺ کو معلوم ہو گیا تھا کہ رخصت کا وقت قریب آ گیا ہے۔ چنانچہ حج کے موقع پر آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ'' مجھ سے حج کے مسائل سیکھ لو، میں نہیں جانتا کہ اس حج کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت آئے'' اس کے بعد 18 یا 19 صفر کو آپ خاتم النبیین ﷺ جنت البقیع گئے اور دیر تک مدفون لوگوں کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہے، گھر پہنچنے کے بعد طبیعت خراب ہوگئی، علالت کے ابتدائی دنوں میں امامت نماز فرماتے رہے جب مرض نے شدت اختیار کی اور ضعف کا غلبہ بڑھ گیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نماز پڑھانے کے لیے کہا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یہ کہہ کر حضرت عمر فاروقؓ کا نام تجویز کیا کہ ابوبکرؓ بہت رقیق القلب ہیں اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی جگہ پر کھڑے ہونے کا تحمل نہیں فرما سکیں گے۔ حضرت عائشہؓ کے کہنے پر حضرت حفصہؓ (حضرت عمرؓ کی بیٹی) نے بھی آپ خاتم النبیین ﷺ سے درخواست کی کہ حضرت عمر فاروقؓ کو نماز پڑھانے کے لیے نامزد فرمائیں لیکن آپ خاتم النبیین ﷺ نے قدرے سختی سے تاکید فرمائی'' ابوبکرؓ اور صرف ابوبکرؓ ہی نماز پڑھائیں''۔

چنانچہ آپ خاتم النبیین ﷺ کی رحلت تک حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سترہ نمازیں پڑھائیں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے وصال کی خبر قیامت بن کر لوگوں کے دلوں پر پڑی، غمزدہ اور پریشان لوگ ادھر ادھر پھرنے لگے، حضرت عمر فاروقؓ نے تلوار ہاتھ میں اٹھالی اور لوگوں سے کہا کہ'' خبردار کسی نے یہ کہا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ وفات پا گئے ہیں'' اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تحمل سے کام لیا اور کہا عمرؓ بیٹھ جاؤ لیکن حضرت عمرؓ نہ بیٹھے۔ بڑا مشکل اور نازک وقت تھا صحابہ کرامؓ کے دل و دماغ انتہا کی رنج و غم اور فکر و تشویش کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔ اگر اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ انتہائی تدبر سے کام نہ لیتے تو معلوم نہیں تاریخ کیا رخ اختیار کرتی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک اونچی جگہ پر کھڑے ہو گئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا'' اے لوگو! جو محمد خاتم النبیین ﷺ کو پوجتا ہے وہ جان لے کہ محمد خاتم النبیین ﷺ فوت ہو گئے ہیں، لیکن جو اللہ کو پوجتا ہے وہ جان لے کہ اللہ حی و قیوم ہے اور کبھی نہیں مرے گا''۔ اس کے بعد انہوں نے سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 144 پڑھی۔

ترجمہ:'' محمد (خاتم النبیین ﷺ) ایک پیغمبر کے سوا کچھ نہیں۔ ان سے پہلے بھی پیغمبر گزر چکے ہیں، اس لیے اگر وہ مر جائیں یا مار ڈالے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں پر اُلٹا پھرے گا تو اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں کرے گا اور اللہ شکر گزاروں کو اچھا بدلہ دے گا''۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زبان سے یہ آیت سن کر مجمع کو یاد آیا کہ قرآن میں یہ آیت موجود ہے۔ اس آیت مبارکہ کو سنتے ہی حضرت عمرؓ زمین پر گر گئے انہیں یقین آ گیا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ واقعی فوت ہو گئے ہیں۔ لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ اب رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی وفات کا یقین سب کو ہو گیا۔ اس کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ کی تکفین اور تدفین کا سوال پیدا ہوا، غسل کون دے گا اور دفن کہاں کیا جائے؟ یہ دونوں مسئلے بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خوش تدبیری سے حل ہوئے، انہوں نے فرمایا'' اہل بیت غسل دیں گے اور جہاں آپ خاتم النبیین ﷺ نے انتقال فرمایا ہے وہیں دفن کئے جائیں گے، چنانچہ حضرت علیؓ اور حضرت فضلؓ بن عباسؓ نے غسل دیا اور حضرت اسامہؓ بن زیدؓ اور حضرت شقرانؓ نے ان کی مدد کی۔ دفن کا انتظام حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے حجرے مبارک میں کیا اس کے لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک حدیث کا حوالہ دیا کہ'' پیغمبر کا جہاں انتقال ہوتا ہے وہیں دفن کیا جاتا ہے'' سب نے ان سے اتفاق کیا ورنہ ممکن تھا کہ دونوں مسئلے ہی جھگڑا بن جاتے۔

آپ خاتم النبیین ﷺ کی تدفین کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنی ذاتی رائے سے اجتہاد فرمایا اور فیصلہ کیا کیونکہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں اپنی علالت کے دوران امامتِ صغریٰ (نماز پڑھانے) کا حکم صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دیا تھا اس لیے اب امامتِ کبریٰ (خلافت) کا حق بھی انہیں کا ہے

، حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہ ؓ کا نام پیش کیا لیکن ان دونوں نے کہا کہ آپ ؓ سب سے افضل ہیں، آپ ثانی اثنین ہیں اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے مقرر کردہ امام ہیں، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہ ؓ نے آگے بڑھ کر آپ ؓ کی بیعت کر لی۔ اس کے بعد باقی مجمع بیعت کے لیے ٹوٹ پڑا۔

حضرت ابوبکرؓ کے دور خلافت میں جہاد میں کئی حفاظ شہید ہو رہے تھے اس لیے آپ ؓ نے قرآن پاک کو ایک کتابی صورت میں جمع کروایا۔ جو کہ بہت دور اندیشی اور غیر معمولی کارنامہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ اسلام کی مالی معاونت کے لیے ہمیشہ ہی سرفہرست رہے۔ جب نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ایک مرتبہ راہ حق کے لیے مالی معاونت کا اعلان کروادیا تو حضرت ابوبکرؓ نے اپنے گھر کی ایک ایک چیز لا کر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے سامنے رکھ دی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ابوبکر گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے تو حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا۔ اللہ اور اس کا رسول گھر والوں کے لیے کافی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں کئی صحابہ کرام سے مشورہ کیا اور ان کی رائے کی روشنی میں حضرت عمرؓ کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا۔ اس سلسلے میں حضرت ابوبکرؓ اور صحابہ کرامؓ کے مکالمات بہت دلچسپ ہیں مثلاً

1۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ سے پوچھا "اگر میرے بعد حضرت عمرؓ کو خلیفہ بنایا جائے تو اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے "؟ حضرت عبدالرحمن نے جواب دیا "وہ اس منصب کے لیے سب سے موزوں ہیں لیکن سخت مزاج ہیں "۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا "وہ سخت مزاج اس لیے ہیں کیونکہ وہ مجھے نرم مزاج پاتے ہیں۔ جب وہ خلیفہ بنیں گے تو خود بخود سختی کو چھوڑ دیں گے''۔

2۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عثمانؓ کی رائے دریافت کی تو انہوں نے جواب دیا "مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ کا باطن ان کے ظاہر سے بہت اچھا ہے۔ درحقیقت ہم میں سے کوئی بھی ان کا ہمسر نہیں ہے "۔

3۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت اسید بن حفیرؓ سے بھی ان کی رائے پوچھی۔ تو انہوں نے جواب دیا "میرا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ آپ کے بہترین جانشین ہوں گے۔ کیونکہ وہ خوش ہونے والی باتوں پر خوش ہوتے ہیں اور ناراض ہونے والی باتوں پر ناراض ہوتے ہیں، ان کا باطن ان کے ظاہر سے بھی بہتر ہے "۔

اسی طرح کئی اور مہاجرین اور انصار سے بھی مشورہ کیا۔ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ جب حضرت طلحہ بن عبداللہؓ کو پتہ چلا کہ حضرت عمرؓ کو خلیفہ مقرر کرنے کے لیے نہایت سنجیدگی سے غور و غوض ہو رہا ہے تو آپ حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے اور فرمایا "آپ کو معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ نہایت سخت مزاج ہیں۔ اس کے باوجود بھی آپ اُن کو اپنا جانشین بنانا چاہتے ہیں۔ آپ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو اس کا کیا جواب دیں گے "؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "میں اللہ تعالیٰ سے کہوں گا کہ ''یا اللہ میں نے تیرے بندوں پر ایک بہترین بندے کو خلیفہ مقرر کیا ہے "۔

ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی وفات سے پہلے پوچھا "جب سے میں خلیفہ بنا ہوں کون سی نئی چیز میری ملکیت میں آئی ہے "؟ انہوں نے بتایا کہ مندرجہ ذیل تین اشیاء کا اضافہ ہوا ہے۔

1۔ ایک اونٹ جو کہ پانی لانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

2۔ ایک غلام جو نہ صرف بچوں کی دیکھ بھال کرتا ہے بلکہ مجاہدین کی تلواروں کو بھی تیز کرتا ہے۔

3۔ کپڑے کا ایک ٹکڑا جس کی قیمت ایک درہم سے بھی کم ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے حکم دیا کہ میری وفات کے بعد تینوں چیزیں نئے خلیفہ کے حوالے کر دی جائیں۔ جب حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد یہ تینوں چیزیں وصول ہوئیں تو وہ زاروقطار رونے لگے اور یہ کہتے جاتے تھے ''یا حضرت ابوبکرؓ آپ نے ایسی بے نظیر مثال قائم کر کے اپنے جانشین کا کام بہت مشکل کر دیا ہے''۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر ایک وسیع و بلیغ خطبہ دیا۔ جس کی چند سطور یہاں درج ہیں۔

''اے حضرت ابوبکرؓ اللہ آپ پر رحم کرے، آپ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے محبوب، محرم راز اور مشیر تھے۔ آپ ؓ نہ صرف سب سے پہلے اسلام لائے، بلکہ سب سے مخلص مومن تھے۔ آپ رفیق نماز تھے، جب لوگ زکوٰۃ کے مرتد ہوئے تو آپ نے خلافت کا حق ادا کیا اور مرتد عاجز آ گئے۔ پس اللہ آپ کو آپ کے نبی سے ملا دے''۔ جونہی حضرت علیؓ نے خطبہ ختم کیا تو لوگ زاروقطار رونے لگے اور سب نے بیک زبان کہا ''ہاں بے شک اے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے داماد آپ ؓ نے سچ فرمایا "۔ قرآن پاک میں سورہ النساء آیت نمبر 69 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ترجمہ: ''اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، وہ قیامت کے روز ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے بڑا فضل کیا، یعنی انبیاء، صدیقین اور شہداء

اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی محبوب ہے''۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمات، جانثاری اور اخلاص فی الاسلام کا اعتراف خود نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے کیا مثلاً

1۔ ابوبکرؓ کے مال سے مجھے سب سے زیادہ پہنچا ہے۔

2۔ میں نے سب کے احسانوں کا بدلہ چکا دیا مگر ابوبکرؓ کے احسانات مجھ پر باقی ہیں۔

3۔ پیغمبروں کے سوا ابوبکرؓ سے بہتر کسی شخص پر سورج طلوع نہیں ہوا۔

4۔ اگر میں اللہ کے سوا انسانوں میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا۔

5۔ اللہ اور مومنین ابوبکرؓ کی امامت کے سوا کسی اور کی امامت کو قبول نہیں کریں گے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ فوراً ہی امور سلطنت کی انجام دہی کے لیے مصروف ہو گئے۔ اپنی حیات مبارکہ میں آپؓ نے انصاف اور عدالت کے کام حضرت عمر فاروقؓ کے سپرد کر دیئے۔ بیت المال کا سربراہ حضرت ابوعبیدہؓ کو مقرر کر دیا۔ اس وقت مسلمانوں میں کامل اتحاد اور یکجہتی کا دور دورہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں بے شمار فتنے اٹھے مثلاً

1۔ منکرین زکوٰۃ 2۔ مرتدین 3۔ جھوٹے مدعیان نبوت

آپؓ نے اور آپؓ کے رفقائے کار نے ان تمام بغاوتوں کا خاتمہ کر دیا۔ پھر باب فتوحات کھلا، عراق کی فتح، شام، فلسطین کی فتح، جمع القران، حج اور پھر اپنے جانشین کے طور پر حضرت عمرؓ کی نامزدگی۔

فتح مکہ کے بعد حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے پہلے حج کے لیے امیر حضرت ابوبکرؓ کو بنا کر بھیجا اور اس سے اگلے سال آپ خاتم النبیین ﷺ کی معیت اور سربراہی میں سوا لاکھ مسلمانوں نے فریضہ حج ادا کیا۔ اسلام کے بعد یہ آپ خاتم النبیین ﷺ کا پہلا اور آخری حج تھا۔ یہ اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہد کا پہلا امیر حج حضرت عمرؓ کو مقرر فرمایا اور دوسرے سال خود امیر حج کے فرائض ادا کیے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے عہد کے حجوں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد کے حجوں میں یہ ایک عجیب معنی خیز مماثلت ہے۔ اسی طرح حضرت ابوبکرؓ نے دوران علالت نماز کی امامت بھی حضرت عمرؓ کو دی۔

حضرت ابوبکرؓ کی تعریف میں قرآنی آیات:۔

(1) آیت: ثَانِیَ اثۡنَیۡنِ اِذۡ هُمَا فِی الۡغَارِ اِذۡ یَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَکِیۡنَتَهٗ عَلَیۡهِ (سورۃ التوبہ 9:40)

ترجمہ: "یعنی جب دونوں غار میں تھے تو رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) نے اپنے ہم نشین سے کہا غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن پر تسکین نازل فرمائی"۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں "رسول پاک خاتم النبیین ﷺ سے سکینہ کبھی زائل نہ ہوئی۔ پس اس آیت میں جس پر سکینہ نازل ہوئی وہ ابوبکر صدیقؓ ہیں"۔

(2) بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا گیا ہے کہ والد محترم نے کبھی قسم کھا کر اِس کے خلاف نہیں کیا یہاں تک کہ قسم کے کفارے کی آیت نازل ہوئی۔

(3) بزاز ابن عساکرؒ نے ابن اسید بن صفوانؒ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ میں حضرت علیؓ کی صحبت میں موجود تھا کہ حضرت علیؓ نے اس طرح قسم کھائی:۔

"قسم ہے اُس اللہ کی جس نے محمد خاتم النبیین ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا اور ابوبکرؓ سے اس رسالت کی تصدیق کروائی"۔ تو یہ آیت نازل ہوئی:۔

آیت:۔ وَالَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ۝ (سورۃ الزمر 39:33)

ترجمہ: "اور جو سچے دین کو لائے اور جس نے اس کی تصدیق کی یہی لوگ پارسا ہیں"۔

(4) عبداللہ بن ابی حمیدؒ نے مجاہدؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب آیت

آیت:۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡهِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ۝ (سورۃ الاحزاب 33:56)

ترجمہ:۔ ''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر اے ایمان والو تم بھی درود بھیجو اور خوب سلام بھی ادب کے ساتھ''۔

تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ سے عرض کیا" یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ایسی کوئی نیک بات آپ خاتم النبیین ﷺ کے لئے نازل نہیں ہوئی جس میں ہم کوشامل نہ کیا گیا ہو۔لیکن اس آیت میں ہم شامل نہیں ہیں" تو یہ آیت:۔هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓىِٕكَتُهٗ ۔سورۃ احزاب آیت نمبر 43 نازل ہوئی۔اور یہ آیت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شان میں ہے۔

(5) حضرت بن عساکرؒ حضرت علی بن حسینؓ سے روایت ہیں کہ:

آیت:۔ وَنَزَعْنَا مَافِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ (سورۃ الحجر 15:47)

ترجمہ:''اورآمنے سامنے بچھے ہوئے تختوں پر بھائی بھائی بیٹھے ہوں گے۔ہم نے ان کے دلوں سے ان کی باہمی کدورت کو نکال دیا ہے''۔

(6) ابن عساکر نے ابن عنیہؒ سے روایت کیا ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے سلسلے میں تمام مسلمانوں کو سوائے حضرت ابوبکرؓ کے اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا ہے۔

آیت:۔ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ (سورۃ التوبہ 9:40)

ترجمہ:''اگر تم نے ان کی مدد نہ کی تو اللہ نے ان کی مدد کی جب کہ کافرون نے انہیں گھر سے نکالا - دو میں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے''۔

<u>وہ احادیث مبارکہ جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فضیلت اور شان میں وارد ہوئیں:</u>

1۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جنت کے آٹھوں دروازے ابوبکرؓ کو''مرحبا'' کہیں گے"۔(بخاری، حدیث نمبر 7097،3674،3666-مسلم، حدیث نمبر 2371 نسائی، حدیث نمبر 2441،3185)

2- بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابودرداؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے اور کہا "میرے اور عمرؓ کے درمیان کچھ رنجش ہوگئی ہے۔میں نے اس پر افسوس کیا اور معذرت چاہی ہے۔لیکن انہوں نے معذرت قبول کرنے سے انکار کردیا ہے"۔یہ سن کر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''اے ابوبکرؓ اللہ تم کو معاف کرے''۔یہ جملہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا۔اور حضرت ابوبکرؓ کے جانے کے بعد حضرت عمرؓ کو احساس ندامت ہوا۔پس وہ حضرت ابوبکرؓ کے دولت کدہ پر تشریف لے گئے۔لیکن وہ گھر پر نہیں تھے۔لہذا حضرت عمرؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ان کو دیکھتے ہی حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کا رنگ متغیر ہوگیا۔یہ صورتحال دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عمرؓ پر شفقت آئی۔رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کو رنجیدہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر عرض کیا۔''اے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ میں ان سے دوگنا قصوروار ہوں''۔یہ سن کر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''جب اللہ تعالیٰ نے مجھے تم میں معبوث فرمایا تو تم نے جھٹلایا۔لیکن ابوبکرؓ نے میری تصدیق کی۔اور اپنی جان و مال سے میری مدد کی آج تم میرے ایسے مخلص دوست کو چھوڑ رہے ہو۔تم مجھے میرے دوست کے بارے میں دکھ مت پہنچاؤ"۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے یہ جملہ تین مرتبہ فرمایا۔اس کے بعد پھر کبھی ایسی صورت حال پیش نہ آئی۔(بخاری)

3- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ مسجد میں داخل ہوئے تو ان کے دائیں جانب حضرت ابوبکرؓ اور بائیں جانب حضرت عمرؓ تھے۔اس وقت حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ان دونوں کے ہاتھ پکڑ کر فرمایا''ہم قیامت میں اس طرح اٹھیں گے''۔ (بخاری، حدیث نمبر 4416)

4- نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''ابوبکرؓ سے بڑھ کر میرے اوپر کسی کا احسان نہیں ہے''۔(بخاری شریف، حدیث نمبر 466)

5- نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''اگر ابوبکرؓ کا ایمان ایک پلڑے میں رکھا جائے اور میری تمام امت کا دوسرے پلڑے میں تو ابوبکرؓ کا پلڑا بھاری ہوگا''۔(امام احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ-ترمذی-بیہقی-شعب الایمان)

6- نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو دیکھ کر فرمایا''یہ دونوں میرے کان اور آنکھیں ہیں''۔(صدیق اکبر مرتب مولانا سعید احمد 62-3)

7- حضرت انسؓ بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ مہاجرین اور انصار کی مجلس میں تشریف لے جاتے اور وہاں پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو موجود پاتے تو پوری مجلس میں کوئی شخص نظر جما کر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔سوائے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے۔یہ حضرات روئے مبارکہ کا مشاہدہ کرتے تبسم فرماتے اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ بھی ان کی طرف دیکھتے اور تبسم فرماتے۔(ترمذی)

8-حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ مسجد میں داخل ہوئے تو آپ خاتم النبیین ﷺ کے دائیں اور بائیں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تھے۔اس وقت حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے دونوں اصحاب کے ہاتھ پکڑ کر فرمایا ''ہم قیامت میں اس طرح اٹھیں گے''۔(ترمذی۔حاکم)

9-حضرت برابن عازبؓ سے اور ابن سعد نے ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ ان دونوں حضرات سے کسی نے پوچھا "حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے عہد مبارک میں فتویٰ کون دیا کرتا تھا"؟ انہوں نے جواب دیا کہ ''یہ خدمت حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر بن خطابؓ انجام دیا کرتے تھے''۔(طبرانی)

10-حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ہر نبی کی امت میں کچھ خاص لوگ ہوتے ہیں۔میری امت کے خاص لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ ہیں''۔(طبرانی)

11-نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''میں نے سب کے احسانات کا معاوضہ دے دیا لیکن ابوبکرؓ کا باقی ہے۔قیامت کے دن اللہ تعالیٰ خود ان کا اجر ادا کرے گا''۔(جامع الترمذی، جلد3، حدیث نمبر 3661)

12-عبداللہ بن حصین تمیمی سے روایت ہے کہ رسول اکرم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''میں نے جس کسی کو اسلام کی دعوت دی اس نے کچھ نہ کچھ تردد، ہچکچاہٹ اور تامل کا اظہار ضرور کیا سوائے ابوبکر کے کہ اس نے بغیر کسی تردد و تامل کے فوراً میری دعوت قبول کر لی''۔(ابن کثیر، البدایہ والنھایہ، 27:3-ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم)

13-حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' اے اللہ تو نے ابوبکر کو غار میں میرا رفیق بنایا تھا پس میں اسے جنت میں اپنا رفیق بناتا ہوں''۔(عسقلاني، لسان الميزان، 418:5-ذهبي، ميزان الاعتدال، 361:6)

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی شان میں احادیث مبارکہ:

(1) حدیث: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''ہر نبی کے دو آسمانی اور دو زمینی وزیر ہوتے ہیں۔میرے آسمانی وزیر حضرت جبرائیلؑ اور حضرت میکائیلؑ ہیں اور میرے زمینی وزیر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر بن خطابؓ ہیں''۔(جامع ترمذی، جلد3 حدیث نمبر 3680)

(2) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ پر رحم کرے۔انہوں نے اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کیا اور مجھے ''دار ہجرت'' یعنی مدینے تک پہنچایا۔اللہ تعالیٰ عمرؓ پر رحم کرے۔وہ حق کہنے میں کبھی نہیں چوکتے۔اگرچہ کتنی ہی کڑوی سے کڑوی بات کہنی پڑے۔اللہ تعالیٰ عثمانؓ پر رحم کرے۔وہ اتنے حیاءدار ہیں کہ فرشتے بھی ان سے حیاء کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ علیؓ پر رحم کرے جہاں علیؓ ہیں وہاں حق ہے"۔(مشکوۃ المصابیح، جلد3 حدیث نمبر 6134)

(3) سیدنا ابوجحیفہؓ سے مروی ہے کہ سیدنا علیؓ نے کہا ''کیا میں تمہیں نہ بتلاؤں کہ اس امت میں نبی کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ وہ سیدنا ابوبکرؓ ہیں، کیا میں تمہیں یہ بھی بتلادوں کہ اس امت میں سیدنا ابوبکرؓ کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ وہ سیدنا عمرؓ ہیں''۔(مسند احمد، جلد 11، حدیث نمبر 12154)

(4) حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''میں نہیں جانتا کہ میں تم میں کتنی دیر باقی رہوں گا، میرے بعد تم ابوبکر اور عمر دونوں کی اقتدا کرنا''(مشکوۃ المصابیح، جلد3 حدیث نمبر 6061)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فرمودات:-

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ''اندھیرے پانچ ہیں اور ان کے چراغ بھی پانچ ہیں:

(1) دنیا کی محبت اندھیرا ہے اور اس کا چراغ پرہیزگاری ہے۔
(2) گناہ اندھیرا ہے اور اس کا چراغ توبہ ہے۔
(3) قبر اندھیرا ہے اور اس کا چراغ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ ہے۔
(4) آخرت اندھیرا ہے اور اس کا چراغ یقین عمل صالح ہے۔
(5) پل صراط اندھیرا ہے اور اس کا چراغ یقین ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا آٹھ چیزیں آٹھ چیزوں کے لیے زینت ہیں:

(1) شکر نعمت کی زینت ہے۔
(2) صبر مصیبت کی زینت ہے۔
(3) حلم علم کی زینت ہے۔
(4) عاجزی متواضع کی زینت ہے۔
(5) روزوں کی کثرت خوف کی زینت ہے۔
(6) احسان کا نہ جتلانا احسان کی زینت ہے۔

(7) نیاز مندی (خشوع) نماز کی زینت ہے۔ (8) پرہیزگاری فقیری کی زینت ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تین پسندیدہ چیزیں :

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ''مجھے دنیا میں تین چیزیں پسند ہیں۔

(1) یہ کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے چہرے مبارک کو دیکھتا رہوں۔ (2) یہ کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ پر اپنا مال خرچ کرتا رہوں۔

(3) یہ کہ میری بیٹی آپ خاتم النبیین ﷺ کے نکاح میں رہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زندگی میں مصروفیات کے باوجود زہد عبادت کی یہ کیفیت تھی کہ راتیں قیام اور سجود میں اور دن روزوں میں گزارتے تھے، حافظ قرآن تھے تلاوت کرتے وقت آنکھوں سے آنسو جاری رہتے تھے۔ دنیا کا ذرہ ذرہ ان کے لیے سامان عبرت رکھتا تھا۔ سبز درختوں کو دیکھ کر ٹھنڈی آہ بھرتے اور کہتے کہ'' کاش میں ایک درخت ہوتا اور آخرت کے خطروں اور جوابدہی سے بچ جاتا'' چڑیوں کو دیکھتے تو سرد آہ بھر کر کہتے'' تم کتنی خوش قسمت ہو دنیا میں چگتی پھرتی ہو اور درختوں پر جھومتی ہو، تمہیں قیامت کے محاسبے کا کوئی خطرہ نہیں، کاش میں بھی تمہاری طرح ہوتا''

آپؓ رحم دلی اور صلہ رحمی میں ممتاز تھے، دنیا طلبی اور جاہ پسندی سے نفرت کرتے تھے، صدقات اور خیرات کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ وفات کے وقت وصیت کی کہ ''میرے مال کا پانچواں حصہ فقراء اور مساکین کو دے دیا جائے'' قرآن فہمی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سب سے زیادہ ممتاز تھے۔ بعض مرتبہ سورتیں اور آیات نازل ہوتیں تو ابوبکر صدیقؓ (صحابہ کرامؓ میں سے) ہی صحیح اور باطنی مفہوم سمجھا کرتے تھے۔ مثلاً سورہ نصر اور تکمیل دین کی آیت ''**الیوم اکملت لکم دین کم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم**'' نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ خوش ہو گئے کہ فتح بھی مل گئی اور دین بھی مل گیا لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ رو دیئے کیونکہ وہ سمجھ گئے کہ تکمیل دین کے بعد اب آپ خاتم النبیین ﷺ کی رحلت کا وقت آ گیا ہے۔

تصوف:۔ عملی اسلامی تصوف کا آغاز خود رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی زندگی میں ہی ہو گیا تھا۔ تصوف کیا ہے؟ تزکیہ نفس کا دوسرا نام، صحابہ کرامؓ کی زندگیاں تزکیہ نفس کا عملی نمونہ تھیں۔ ذکر و فکر ان کے ہاں تھا لیکن مزاج خانقاہی نہ تھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ تزکیہ قلب کے لیے کلمہ توحید کا ذکر کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔ داتا گنج بخشؒ اپنی تصنیف ''کشف المحجوب'' میں لکھتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ ہی راہ تصوف کے امام ہیں۔ اہل تصوف کی بنیادی خصوصیات مثلاً توکل، تقویٰ، عجز و انکساری، ورع، راضی بہ قضا، خلقِ خدا پر شفقت، آپؓ میں بدرجہ اتم موجود تھیں، اکثر ایسا ہوتا کہ دن کو کاروبار خلافت میں مصروف رہتے اور رات کو رکوع اور سجود میں وقت گزار دیتے۔ تصوف کے مختلف سلسلے، چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ، نقشبندیہ، اویسیہ، فاروقیہ کئی صدی بعد منظم کئے گئے۔

وفات:۔ 7 جمادی الاخیر، 13 ہجری پیر کے دن جب ہوا بہت ٹھنڈی تھی، آپؓ نے غسل کیا۔ اس سے آپؓ کو ٹھنڈ لگ گئی اور تیز بخار ہو گیا۔ بیماری کے خلاف دفاع کی خواہش تو تھی ہی نہیں۔ عیادت کے لیے آنے والے صحابہ کرامؓ نے طبیب سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا تو فرمایا'' طبیب نے مجھے دیکھ لیا ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں جو چاہتا ہوں وہ کرتا ہوں'' صحابہ کرامؓ سمجھ گئے کہ قضاء الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔ اس لیے خاموش ہو گئے۔ بخار نے شدت پکڑ لی، نقاہت بہت بڑھ گئی، اس دوران حضرت عمرؓ نماز کی امامت کرتے رہے، حضرت ابوبکر صدیقؓ پندرہ دن بیمار رہے۔

23 جمادی الآخر 13 ہجری، 23 اگست 634ء کو پیر کا دن گزرنے کے بعد رات کی ابتدائی گھڑیوں میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ وفات کے وقت آپؓ کی عمر مبارک 63 برس تھی۔ چنانچہ پیر اور منگل کی درمیانی رات کو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے پہلو میں اس طرح دفن کئے گئے کہ ان کا سر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے شانہ مبارک کے برابر رکھا گیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ خلفاء راشدین میں سے حضرت عثمانؓ کے علاوہ تینوں کا انتقال 63 برس کی عمر میں ہوا اور چاروں میں سے صرف حضرت صدیق اکبرؓ نے طبعی موت پائی۔ باقی تینوں خلفاء راشدین شہید ہوئے۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ بھی بنوامیہ کی سازش سے شہید ہوئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

****

حضرت عمر بن خطاب (فاروق اعظم) رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نام : عمر

والد کا نام: خطاب

لقب: فاروق

الجوزی نے اپنی کتاب ''تاریخ عمر بن خطاب'' میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت عمرؓ خانہ کعبہ کے غلاف کے پیچھے چھپ گئے۔ اس وقت رسول پاک خاتم النبیین ﷺ خانہ کعبہ میں نماز ادا کر رہے تھے۔ آپؐ نے سورہ ''الحاقہ'' کی تلاوت کی۔ حضرت عمرؓ قرآن پاک کی فصاحت اور بلاغت سے بہت متاثر ہوئے اور دل ہی دل میں کہنے لگے کہ یقیناً یہ بہت بڑے شاعر کا کلام ہے۔ اس وقت رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے سورہ الحاقہ کی آیت نمبر 41 کی تلاوت کی۔

ترجمہ: ''اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں لیکن تم لوگ بہت ہی کم ایمان لائے ہو''۔

اس پر حضرت عمرؓ نے دل میں کہا پھر یہ ضرور کسی کاہن کا کلام ہے۔ اس کے بعد حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سورہ الحاقہ کی آیت نمبر 52-42 تلاوت فرمائیں۔

ترجمہ: ''اور یہ نہ ہی کسی کاہن کا کلام ہے لیکن تم لوگ بہت کم فکر کرتے ہو۔ یہ تو پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے اگر یہ پیغمبر ہماری نسبت کوئی جھوٹی بات بنا لاتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر ان کی رگ گردن کاٹ ڈالتے۔ پھر تم میں کوئی بھی مجھے اس سے روکنے والا نہ ہوتا اور یہ (کتاب) تو پرہیزگاروں کے لیے نصیحت ہے اور ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض اس کو جھٹلاتے ہیں۔ نیز یہ کافروں کے لیے (موجب) حسرت ہے اور بے شک کہ یہ قابل یقین ہے سو تم اپنے پروردگار کے نام کی تسبیح کرتے رہو''

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس تلاوت قرآن سے میں اتنا متاثر ہوا کہ اس دن مجھے یقین ہو گیا کہ اسلام ایک سچا مذہب ہے۔ لیکن میں آباواجداد کے مذہب کو چھوڑنے کو تیار نہ تھا اس لیے اسلام کی مخالفت کرتا رہا۔

حضرت عمرؓ کا اسلام لانا:- ایک دن حضرت عمرؓ کے ایک دوست نے انہیں بتایا کہ ''تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام قبول کر چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ غصہ سے بھڑک اٹھے اور ننگی تلوار کے ساتھ مکان میں داخل ہوئے اندر سے تلاوت کی آواز آ رہی تھی۔ آپ نے پہلے بہنوئی کو مارا پیٹا، بہن آڑے آئی تو اس کو پیٹا، لیکن بہن برابر منہ سے کہتی رہی کہ ''میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں یہ بھی گواہی دیتی ہوں کہ محمد خاتم النبیین ﷺ، اللہ کے رسول ہیں'' حضرت عمرؓ دل میں تو اسلام کے قائل ہو ہی چکے تھے۔ بہن کو لہولہان دیکھ کر اور اس کی جرات دیکھ کر کہا کہ اچھا مجھے بھی بتاؤ کہ تم کیا پڑھ رہے تھے۔ بہن نے کہا کہ تم ناپاک ہو پہلے غسل کرو تو پھر اس کلام کو پڑھو۔ حضرت عمرؓ نے غسل کیا اس کے بعد حضرت عمرؓ نے سورہ طٰہٰ کی آیات 1 تا 14 پڑھیں۔

ترجمہ: ''اے محمد (خاتم النبیین ﷺ) ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نہیں نازل کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔ بلکہ اس شخص کو نصیحت دینے کے لیے نازل کیا ہے جو خوف رکھتا ہے۔ یہ اس (ذات برتر) کا اتارا ہوا ہے۔ جس نے زمین اور اونچے اونچے آسمان بنائے (یعنی خدائے) رحمٰن۔ جس نے عرش پر قرار پکڑا۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے بیچ میں ہے اور جو کچھ اس زمین کی مٹی کے نیچے ہے، سب کچھ اسی کا ہے اور جو تم پکار کر بات کرو تو وہ تو چھپے ہوئے بھید اور نہایت پوشیدہ بات تک کو جانتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کے نام اچھے ہیں اور کیا تمہیں موسیٰ کی خبر ملی ہے۔ جب انہوں نے آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے۔ شاید اس کی کوئی چنگاری میں تمہارے لیے یہاں لاؤں یا آگ (کے مقام) کا رستہ معلوم کر سکوں؟۔ جب وہاں پہنچے تو آواز آئی کہ ''اے موسیٰ میں تمہارا پروردگار ہوں۔ تم اپنی جوتیاں اتار دو تم یہاں پاک میدان (یعنی) طویٰ میں ہو اور میں نے تم کو منتخب کر لیا ہے تو جو حکم دیا جائے اسے سنو۔ بے شک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز پڑھا کرو''

حضرت عمرؓ نے بے ساختہ کہا ''یہ کتنا عمدہ کلام ہے''۔ پس حضرت عمرؓ یہاں سے نکلے اور سیدھے حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر صدق دل سے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا'' قسم کھاتا ہوں کہ آپ خاتم النبیین ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اور اب ہم اسلام کی تبلیغ اور نماز کی ادائیگی چھپ کر نہیں بلکہ کھلم کھلا کریں گے''۔ بخاری شریف میں درج ہے کہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں'' حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو بہت تقویت اور عزت ملی''۔

حضرت عمرؓ سے آپ خاتم النبیین ﷺ کی رشتہ داری:- رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے حضرت عمرؓ کی بیٹی حفصہؓ سے شادی کی۔ اس طرح حضرت حفصہؓ

امہات المومنین میں سے ہیں اور حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی بیٹی ام کلثومؓ سے شادی کی اس شادی کے بعد حضرت عمرؓ فخر سے کہتے تھے کہ اب میں رسول پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کنبے کا خونی رشتہ دار بن گیا ہوں''۔

امیر المومنین کے لقب کا آغاز:۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو آپ خاتم النبیین ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد لوگ خلیفۃ الرسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عمرؓ کو خلیفۂ ابوبکر کہا کرتے تھے ایک بار حضرت عمرؓ نے عراق کے عامل کو تحریر فرمایا کہ میرے پاس دو بہادر اور ہوشیار عراقیوں کو بھیج دو تا کہ ہم اُن سے عراق اور اہل عراق کے بارے میں کچھ معلومات لے سکیں حاکم عراق نے آپ کے پاس دو ہوشیار اور عقلمند آدمی روانہ کئے۔ ان کے نام لبید بن ربعیہ اور عدی بن حاتم تھا۔ جب یہ دونوں مدینہ منورہ پہنچے تو سب سے پہلے مسجد نبوی میں حاضری دی۔ وہاں عمرو بن العاصؓ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے آپ سے کہا ہم حاضر ہو گئے ہیں آپ ہمیں امیر المومنین کی خدمت میں باز یاب کروا دیں۔ یہ سن کر حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا'' واللہ تم نے ان کو بہت ہی اچھا لقب دیا ہے''۔ اس کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا'' اسلام وعلیکم یا امیر المومنین''۔ یہ سن کہ حضرت عمرؓ نے کہا تم نے یہ لقب کہاں سے لے لیا؟ انہوں نے آپؓ کو تمام قصہ سنا کر کہا ہم سب مومنین ہیں اور آپ ہمارے امیر ہیں۔ پس اس روز سے خلافت کے تمام کاغذات میں امیر المومنین لکھا جانے لگا۔

ابن سعد نے شداد سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مسلمانوں سے بیعت لینے کے بعد ممبر پر کھڑے ہو کر پہلا خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''الٰہی میں سخت ہوں تو مجھے نرم کر دے۔ الٰہی میں کمزور ہوں تو مجھے قوی کر دے۔ الٰہی میں بخیل ہوں تو مجھے سخی کر دے''۔

پھر جب سب لوگوں نے حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو حضرت عمرؓ نے منبر (مسجد نبوی خاتم النبیین ﷺ کے) پر چڑھ کر خطبہ دیا۔ نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر کے سب سے اوپر والی سیڑھی پر بیٹھ کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس سے نیچے والی سیڑھی پر خطبہ دیا کرتے تھے، حضرت عمرؓ سب سے نیچے والی سیڑھی پر خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپؓ نے فرمایا:'' اللہ کے بندو اللہ سے ڈرو، مجھ سے درگزر کر کے میرا ہاتھ بٹاؤ۔ نیکی کے احکامات کی تعمیل کرو اور برائی سے روکنے میں میری مدد کرو اور تمہاری جو خدمات اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کی ہیں ان کے متعلق مجھے نصیحت کرو۔ میں تم سے یہ بات کر رہا ہوں اور اپنے اور تمہارے لیے اللہ سے مغفرت طلب کر رہا ہوں''۔

سر ولیم میور اور محمد حسین ہیکل نے حضرت عمرؓ کے خطبے سے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں، جو غالباً اس دن فجر کی نماز کے بعد کہے گئے۔ جس دن ظہر کی نماز سے پہلے مندرجہ ذیل خطبہ دیا گیا۔

''عرب کی مثال ایک نکیل پڑے اونٹ کی سی ہے جو اپنے ساربان کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ اب یہ ساربان کا کام ہے کہ وہ اسے کس طرف لے جاتا ہے۔ رب کعبہ کی قسم میں انہیں راہ راست پر لا کر چھوڑوں گا''۔

ابن ذاذنؒ حضرت سلمانؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ان سے دریافت کیا'' میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ''؟

حضرت سلمانؓ نے جواب دیا'' اگر آپ مسلمانوں کا ایک درہم بھی بے جا خرچ کرتے ہیں تو آپ بادشاہ ہیں ورنہ آپ خلیفہ ہیں''۔ حضرت عمرؓ نے ان سے نصیحت حاصل کی۔ پھر ایک دن کہا'' واللہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ''؟ یہ سن کر ایک شخص نے کہا'' امیر المومنین ان دونوں میں بڑا فرق ہے''۔ آپؓ نے دریافت کیا'' کیا فرق ہے''؟ اس شخص نے کہا'' خلیفہ وہ ہے جو نہ کسی سے بے جا پیسہ وصول کرے اور نہ کسی کو بے وجہ دے اور الحمدُ للہ آپؓ میں یہ دونوں خوبیاں موجود ہیں۔ بادشاہ تو وہ ہوتا ہے۔ جو لوگوں سے بے جا وصول کرے اور پھر جس کو دل چاہے دے''۔ یہ سن کر آپؓ خاموش ہو گئے۔

ایک موقع پر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

''میں علم کا شہر ہوں۔ ابوبکرؓ اس کی بنیاد ہیں۔ عمرؓ اس کی چار دیواری۔ عثمانؓ اس کی چھت اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں''۔ (مُسندُ الفردوس ج ۱ ص ۴۲ حدیث ۱۰۸، کراماتِ شیر خدا، ص: ۲۴)

حضرت عمرؓ کی موافقات (رائے کے مطابق) میں قرآنی آیات:۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان کے رب نے ان سے بہت جگہ موافقت فرمائی ہے۔

(1) بخاری اور مسلم میں حضرت عمرؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ'' میرے رب نے میری رائے کے مطابق کئی موقعوں پر اتفاق فرمایا ہے'' جب میں نے

رسول پاک خاتم النبیین ﷺ سے عرض کیا'' کاش ہم مقام ابراہیم کو اپنی نماز کی جگہ بناتے'' تو اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ (سورۃ البقرہ آیت 2:125)

ترجمہ: ''اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ''۔

(2) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں ہر طرح کے لوگ آتے ہیں اور وہاں پر ازواج مطہرات بھی ہوتی ہیں بہتر ہوگا کہ آپ ان کو پردے کا حکم دیں۔ تو اس کے بعد آیت حجاب نازل ہوئی۔ (سورۃ الاحزاب آیت نمبر 33:59)

(3) جب آیت نازل ہوئی

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ (سورۃ المؤمنون آیت 23:12)

ترجمہ:۔ ''اور یقیناً ہم نے انسانوں کو گندھی ہوئی مٹی سے پیدا کیا''۔ تو میری زبان سے بے ساختہ نکلا۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۚ (سورۃ المؤمنون آیت 23:14)

''برکت والا ہے وہ جو تمام خالقوں میں سب سے برتر ہے''۔

پس اس کے بعد یہ آیت نازل ہوگئی۔

(4) جب عبداللہ بن ابی مر گیا تو اس کے لوگوں نے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کو اس کی نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی۔ جب رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کھڑے ہوئے تو میں بھی کھڑا ہوا۔ لیکن میرے دل میں یہ بات آئی اور میں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو یہ کہا" یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ عبداللہ بن ابی سخت دشمن اسلام تھا۔ ایک دن تو وہ کہہ رہا تھا کہ میں نے ایک گھوڑا پال رکھا ہے۔ اس پر سوار ہو کر محمد (خاتم النبیین ﷺ) کو (نعوذ باللہ) قتل کر دوں گا"۔ بخدا ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

وَ لَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا (سورۃ التوبہ 9:84)

ترجمہ: "اور جب ان میں سے کوئی مرے (منافقین میں سے) تو آپ خاتم النبیین ﷺ ان کی نماز جنازہ ہرگز نہ پڑھائیں"۔

(5) جب تمام ازواج مطہرات حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے (نان نفقہ لینے پر متفق ہوگئیں اور) تنگی کی شکایت کی تو میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا:

عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ (سورۃ التحریم آیت نمبر 66:5)

ترجمہ: "قریب ہے کہ اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو ان کا رب انہیں تم سے بہتر بیویاں بدل دے"۔

اس کے بعد بالکل انہی الفاظ میں وحی نازل ہوئی

(6) آیت:۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ (سورۃ النساء 4:43)

''اے ایمان والو حالت نشے میں نماز کے قریب نہ جاؤ''۔ میری منشاء کے مطابق نازل ہوئی۔

(7) تحریم شراب کے سلسلے میں حاکم نے مسنن اور مستدرک میں اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے دعا فرمائی:

اور اس شراب کے بارے میں ہمارے واضح حکم بیان کیجیے تو اس پر آیت

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ؕ (سورۃ البقرہ 2:219)

ترجمہ: ''لوگ آپ خاتم النبیین ﷺ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں'' یہ پوری آیت نازل ہوئی۔

(8) نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ایک قوم کے لئے دعا فرمانے لگے تو میں نے عرض کیا تب یہ آیت

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ (سورۃ المنافقون 63:6) نازل ہوئی۔

ترجمہ: "برابر ہے ان کے لئے (آپ) معافی مانگیں یا نہ مانگیں (یعنی ان کے حق میں اللہ قبول نہ کرے گا)"۔

(9) جنگ بدر میں جب آپ خاتم النبیین ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا تو حضرت عمرؓ نے باہر نکل کر لڑنے کا مشورہ دیا تب یہ آیت اتری:

كَمَآ اَخۡرَجَكَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَيۡتِكَ　　　　(سورۃ الانفال 8:5)

ترجمہ:۔"آپ کے رب نے آپ کو لڑنے کے لئے باہر نکالا"۔

(10)　حضرت عائشہؓ کے بہتان کے سلسلے میں رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے جب حضرت عمرؓ سے مشورہ کیا تو آپؓ نے فرمایا" یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ آپ خاتم النبیین ﷺ کا یہ نکاح کس نے کیا تھا"؟ فرمایا" اللہ تعالیٰ نے" حضرت عمرؓ نے فرمایا" حضور خاتم النبیین ﷺ کیا آپ خاتم النبیین ﷺ یہ خیال کر سکتے ہیں کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کے رب نے آپ خاتم النبیین ﷺ سے ان کا گناہ چھپالیا ہوگا؟ بخدا یہ سب بہتان ہے"۔ پس اسطرح یہ آیت نازل ہوئی:

سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ۝　　　　(سورۃ النور 24:16)

ترجمہ:۔''یہ تو بہت بڑا بہتان ہے''۔

(11)　ابتدائے اسلام میں رمضان کی راتوں میں بیوی سے قربت منع تھی۔ اس کے بارے میں حضرت عمرؓ نے آپ خاتم النبیین ﷺ سے کچھ عرض کیا۔ اس کے بعد رمضان کے مہینے میں رات کی قربت کو جائز قرار دے دیا گیا اور آیت اتری

اُحِلَّ لَكُمۡ لَيۡلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ　　　　(سورۃ البقرہ 2:187)

ترجمہ:۔''حلال کر دیا اللہ نے رمضان کی راتوں میں بیویوں سے ملنا''۔

(12)　ابن حاتم نے بروایت حضرت عبدالرحمٰن بن ابی یعلیٰ بیان کیا ہے کہ ایک یہودی حضرت عمرؓ سے ملا اور آپؓ سے کہا کہ جبرائیل فرشتہ جس کا تمہارا نبی ذکر کرتا ہے۔ وہ ہمارا دشمن ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا

مَنۡ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓـئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبۡرِيۡلَ وَمِيۡكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلۡكٰفِرِيۡنَ۝　(سورۃ البقرہ 2:98)

ترجمہ:۔''جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں جبرائیل، میکائیل اور اس کے رسولوں سے دشمنی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے اس دشمنی کا بدلا لیں گے''۔ ٹھیک اسی طرح قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

(13)　ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے ابوالاسودؒ سے اس طرح بیان کیا ہے کہ دو شخص لڑنے کے بعد انصاف کے لئے حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے پاس آئے اور آپ خاتم النبیین ﷺ نے دونوں کے درمیان اختلاف کا فیصلہ کر دیا۔ لیکن جس شخص کے خلاف یہ فیصلہ ہوا تھا اس نے کہا" چلو حضرت عمرؓ کے پاس ان سے فیصلہ کرواتے ہیں"۔ چنانچہ یہ دونوں حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ اب جس شخص کے موافق فیصلہ ہوا تھا۔ اس نے حضرت عمرؓ سے کہا" حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ہمارے درمیان یہ فیصلہ فرمایا ہے۔ لیکن یہ میرا ساتھی نہیں مانتا اور اس کا کہنا ہے کہ آپ اس معاملے میں ہمارے درمیان فیصلہ فرمائیں"۔ حضرت عمرؓ نے یہ سنا اور فرمایا" ذرا ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں"۔ یہ کہا اور اندر سے تلوار لائے اور جس شخص نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے فیصلے کو قبول کرنے سے انکار کیا تھا ایک تلوار کے وار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ دوسرا شخص خوف زدہ ہوگیا اور بھاگتا ہوا نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے پاس جا کر تمام ماجرہ کہہ سنایا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" مجھے تو عمرؓ سے یہ امید نہ تھی کہ وہ کسی مومن کے قتل پر اس طرح جرات کریں گے''۔ اس پر اللہ نے سورۃ النساء، آیت نمبر 65

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ　　　　ترجمہ:۔''سو قسم ہے تیرے رب کی یہ مومن نہیں ہو سکتے''۔ نازل فرمائی۔

(14)　حضرت عمرؓ ایک دن سو رہے تھے۔ آپ کا ایک غلام بے دھڑک بغیر پوچھے اندر آ گیا۔ اس وقت آپ نے دعا فرمائی" الٰہی بغیر پوچھے، بغیر اجازت داخلہ حرام فرما دے"۔ پس آیت حصول اذن نازل ہوئی سورۃ النور آیت نمبر 24:58　　　　ترجمہ:۔''تین وقتوں میں اجازت حاصل کرنا ضروری ہے''۔

ثمان بن سعید الداری نے اپنی کتاب میں سالم بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ ایک روز کعب الاحبارؓ نے کہا'' آسمان کا بادشاہ زمین کے بادشاہ پر افسوس کرتا ہے''۔ حضرت عمرؓ نے فوراً فرمایا'' مگر اس بادشاہ پر افسوس نہیں کرتا جس نے اپنے نفس کو قابو میں رکھا''۔ یہ سن کر کعب الاحبارؓ نے فرمایا'' واللہ تورات میں یہی الفاظ اس کے بعد ہیں''۔

جب اُحد میں ابوسفیان نے کہا'' اُفی القومِہ فلاں'' یعنی'' اُف ہے اُس قوم پر" تو حضرت عمرؓ نے فرمایا" اس کا جواب نہ دیں" تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے حضرت عمرؓ کے قول کی موافقت فرمائی۔

کامل ابن عدی میں عبداللہ بن عمرؓ کے حوالے سے روایت کیا ہے " جب پہلے حضرت بلالؓ اذان دیا کرتے تھے تو '' اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے بعد حیَّ علَی الصَّلوٰۃ کہا کرتے تھے حضرت عمرؓ نے تجویز پیش کی اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے بعد تم اَشْھَدُ اَنَّ محمد رسول اللہ بھی کہا کرو۔اس پر رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا (حضرت بلالؓ سے) جس طرح حضرت عمرؓ کہتے ہیں ویسے ہی کہا کرو''۔

وہ احادیث مبارکہ جو حضرت عمرؓ کی فضیلت اور شان میں وارد ہوئیں:-

1- نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

" گزشتہ امتوں میں محدث لوگ ہوا کرتے تھے اور اگر میری امت میں کوئی ایسا ہے تو وہ عمر بن خطاب ہیں۔" (صحیح بخاری، حدیث نمبر 3469)

2- حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہوتا"۔ (جامع ترمذی، کتاب المناقب، رقم: 3686)

3۔ ایک مرتبہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:

''خدا کی قسم اگر تم دونوں کسی مسئلہ پر متفق ہو جاتے ہو تو میں تمہارے مشورے سے کبھی نہیں ہٹتا ہوں"۔ (ترمذی)

4۔ حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے حق کو عمرؓ کے دل وزبان پر جاری کیا ہے''۔ (سنن بی داؤد، جلد 2 حدیث نمبر 2962)

5۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

''اے عمر! شیطان تم کو دیکھتے ہی راستہ کاٹ جاتا ہے''۔ (بخاری، مسلم)

6۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میری امت میں سب سے رحم دل حضرت ابوبکر صدیقؓ اور اللہ کے دین کے بارے میں سب سے سخت حضرت عمر فاروقؓ ہیں''۔ (جامع ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد)

7۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

''مجھے معلوم نہیں کہ میرا قیام تمہارے درمیان کتنا ہے، میرے بعد تم حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی اقتدا کرنا''۔ (مشکوۃ المصابیح، جلد 3 حدیث نمبر 6061)-

8۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے خواب دیکھا اور فرمایا:

''میں نے خواب دیکھا کہ میرے سامنے دودھ کا پیالہ لایا گیا، میں نے اس کو پیا، یہاں تک کہ اس کی تازگی میرے ہونٹوں تک پہنچ گئی، پھر میں نے اس کا بقیہ حصہ عمرؓ کو دے دیا'' لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اس کا کیا مطلب ہے؟'' آپ خاتم النبیین ﷺ نے جواب دیا ''علم''۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 82,3681)

9۔ ایک دفعہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''خواب میں لوگ میرے سامنے پیش کئے گئے، وہ قمیص پہنے ہوئے تھے، ان میں سے بعض کی قمیص سامنے سے زیادہ لمبی تھی، عمرؓ جب میرے سامنے پیش ہوئے تو ان کی قمیص زمین پر بچھی ہوئی تھی، لوگوں نے پوچھا؟ یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اس کی کیا تعبیر ہے؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اس کی تعبیر دین ہے''(صحیح بخاری، حدیث نمبر 3691- صحیح مسلم، حدیث نمبر 6189)

10۔ ایک اور موقعہ پر آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں نے خواب دیکھا کہ ایک کنویں پر کھڑا ہوں، اس پر ایک ڈول پڑا ہے، میں نے اس میں ڈول نکالے جتنے رب کی مرضی تھی، پھر وہ ڈول ابوبکرؓ نے لے لیا، انہوں نے بھی دو ڈول آہستہ آہستہ نکالے، پھر وہ ڈول بڑا چرسہ بن گیا اور عمرؓ بن خطاب نے اسے جا تھاما، میں نے ایسا کوئی جوان مرد نہیں دیکھا جو عمرؓ کی طرح چرسہ کھینچتا ہو، حتیٰ کہ چاروں طرف سے پیاسے آئے اور خوب سیراب ہوئے''۔ (صحیح بخاری)

حضرت عمرؓ کے عہد کی خاص باتیں:۔

(1) حضرت عمرؓ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے تاریخ وسال ہجری جاری فرمایا۔

(2) بیت المال قائم کیا۔

(3) رمضان المبارک میں باجماعت تراویح کا اہتمام فرمایا۔

(4) لوگوں کا حال معلوم کرنے کے لئے راتوں کو گشت کیا۔

(5) شراب پینے والوں کو 80 کوڑے لگوائے۔

(6) نماز جنازہ میں 4 تکبیریں پڑھنے کا حکم دیا۔

(7) دفاتر اور وزارتیں قائم کیں۔

(8) صدقہ کا مال اسلامی امور میں خرچ کرنے سے روکا۔

(9) مُتعَہ کو کسی فرد کے لئے بھی جائز نہ ہونے کا حکم دیا۔

(10) تمام شہروں میں قاضی مقرر فرمائے۔ (دارقطنی السنن 4:607 رقم 16)

(11) آپ نے سب سے پہلے ''درہ'' ایجاد کیا پھر یہ بات مشہور ہوگئی کہ ''عمرؓ'' کا درہ تمہاری تلوار سے زیادہ ہیبت ناک ہے۔

(12) آپؓ نے مقام ابراہیم کو اس جگہ قائم کیا جہاں وہ آج کل ہے ورنہ پہلے وہ بیت اللہ شریف سے ملا ہوا تھا۔

یہ اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہد کا پہلا امیر حج حضرت عمرؓ کو مقرر فرمایا اور دوسرے سال خود امیرِ حج کے فرائض ادا کیے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے عہد کے حجوں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد کے حجوں میں یہ ایک عجیب معنی خیز مماثلت ہے۔ اسی طرح حضرت ابوبکرؓ نے دوران علالت نماز کی امامت بھی حضرت عمرؓ کو دی۔

حضرت عمرؓ کا دورِ حکومت:۔ حضرت عمرؓ کا دورِ حکومت اصطلاحی طرز حکومت کا بہترین نمونہ تھا۔ آپ نے ایران، شام، روم، فلسطین اور ترکی کے بعض حصے فتح کئے۔ آپ نہایت ذہین اور مدبر تھے۔ آپ کا نظام حکومت اصلاحات اور خدمت خلق کا جذبہ رہتی دنیا تک یاد رہے گا۔ آپ ہی نے اسلامی کیلنڈر بھی رائج کیا۔

فتح یروشلم:۔ فتح یروشلم کا ایک واقعہ نہایت دلچسپ ہے۔ حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ نے یروشلم کا محاصرہ کیا۔ بالآخر اہل یروشلم مسلمانوں سے صلح نامہ کرنے کے لیے اس شرط پر تیار ہوئے کہ خلیفہ وقت اس صلح نامے پر دستخط کرنے خود یروشلم آئیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو مدینے میں اپنا نائب مقرر کیا اور اپنے ایک غلام سالم نامی کے ہمراہ یروشلم روانہ ہوئے۔ ان دونوں کے پاس ایک اونٹ تھا۔ یہ باری باری اسی پر سوار ہوئے تھے۔ جب یروشلم شہر میں داخل ہوئے تو سالم کی سواری کرنے کی باری تھی اور حضرت عمرؓ اونٹ کی نکیل پکڑے پیدل چل رہے تھے۔ سالم نے اپنی باری حضرت عمرؓ کو پیش کی لیکن حضرت عمرؓ نے انکار کر دیا اور فرمایا "اسلام کی دی ہوئی عزت ہمارے لیے کافی ہے"۔ بڑے بڑے لوگوں نے حضرت عمرؓ کو پیدل اونٹ کی نکیل پکڑے یروشلم میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ حضرت عمرؓ نے باہمی صلح نامے پر دستخط کئے اور اہل یروشلم کو ہر طرح سے ذاتی اور مالی تحفظ اور امان عطا فرمائی۔ آپ نے ان کو اپنے مذہب پر قائم رہنے اور بغیر کسی روک ٹوک کے عبادت کرنے کی اجازت دی۔

حضرت عمرؓ کی فراست:۔ بدر کی جنگ کے بعد مشرکین کے ستر سردار قید ہوئے تھے۔ اس وقت تک اسیران جنگ اور مال غنیمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہدایات نازل نہ ہوئیں تھیں۔ جیسا کہ ترمذی شریف میں ذکر ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو فرمایا۔ اسیران جنگ کا معاملہ دو طرح سے نمٹایا جا سکتا ہے۔ ایک یہ کہ سب اسیران جنگ کو قتل کر دیا جائے۔ یا یہ کہ اسیران جنگ سے مالی تاوان لے کر انہیں آزاد کر دیا جائے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے صحابہ کرام کو اپنی اپنی رائے پیش کرنے کے لیے کہا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت سعد معاذؓ نے پہلی رائے سے اتفاق کیا۔ جبکہ باقی صحابہ کرام نے دوسری رائے کو بہتر سمجھا۔ آپ چونکہ رحمۃ اللعالمین ہیں۔ انہوں نے بھی دوسری رائے پر عمل درآمد کیا۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی جس میں دوسری رائے کی ترغیب دینے والے صحابہ کرامؓ کو تنبیہ کی گئی۔ سورہ الانفال آیت نمبر 68-67

ترجمہ:''پیغمبر کو شایاں نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی رہیں جب تک (کافروں کا قتل کر کے) زمین میں کثرت سے خون (نہ) بہا دے تم لوگ دنیا کے مال کے طالب ہو اور اللہ آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کا حکم پہلے نہ آ چکا ہوتا تو جو (فدیہ) تم نے لیا ہے اس کے بدلے تم پر بڑا عذاب نازل ہوتا''۔

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے اسیران جنگ اور مال غنیمت کے بارے میں مزید ہدایات نازل فرمائیں اور امت محمد خاتم النبیین ﷺ پر بہت بڑا احسان کیا۔ ان ہدایات کی رو سے اسیران جنگ کا تاوان اور مال غنیمت امت محمدیہ خاتم النبیین ﷺ کے لیے حلال کر دیئے گئے۔ بلکہ صحابہ کرام کی گزشتہ لغزش بھی معاف فرما دی۔ سورہ انفال آیت نمبر 69

ترجمہ:''تو جو مال غنیمت تم کو ملا ہے اس کو کھاؤ (کہ تمہارے لیے) حلال طیب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

کرامات حضرت عمرؓ:۔

(1) ابن مسردویہؒ نے میمون بن مہرانؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک آپؓ نے خطبہ کے درمیان فرمایا ''اے ساریہ پہاڑ کی طرف ہٹ جا جس شخص نے بھیڑیے کی حفاظت کی اس نے ظلم کیا''۔ لوگ دوران خطبہ آپؓ کے منہ سے یہ بات سن کر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ جب نماز سے فارغ ہو گئے تو لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپؓ نے یہ کیا کہا تھا؟ فرمایا ''اس وقت دل میں یہ بات آئی کہ ہمارے بھائی کافروں سے شکست کھا گئے ہیں اور اس وقت پہاڑ کی طرف سے گذر رہے ہیں۔ یہاں سے پلٹ گئے تو ایک ایک مسلمان شہید ہو جائے گا اور آگے بڑھ گئے تو تب بھی ہلاک ہو جائیں گے۔ لہٰذا میری زبان سے یہ الفاظ نکل گئے کہ اس طرح ان کی سلامتی تھی" - ایک ماہ کے بعد جب ایک قاصد فتح کی خوشخبری لے کر آیا تو اس نے بتایا" ہم نے لشکر میں حضرت عمرؓ کی آواز سنی اور ہم پہاڑ کی طرف پلٹ گئے۔ پہاڑ کی طرف ہٹ کر ہم نے دشمنوں کو تہ تیغ کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح دی"۔

(2) حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر فتح کیا تو ایک مقرر دن پر جو اہل عجم کا معمول تھا بہت سے لوگ حضرت عمرو بن العاصؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا "ہماری کھیتی باڑی کا دارومدار دریائے نیل پر ہے۔ جب دریائے نیل خشک ہو جاتا ہے تو ہم ایک دوشیزہ کو بنا سنوار کر اس کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں تو دریا میں پانی بھر جاتا ہے۔ اور یہ چاند کی 11 تاریخ کو کیا جاتا ہے۔ یہی ہمارا قدیم طریقہ ہے۔ اب دریا خشک ہو چکا ہے آپؓ ہمیں ایسا کرنے کی اجازت دے دیں"؟ حضرت عمر بن العاصؓ نے کہا" یہ تمام باتیں لغو ہیں۔ اسلام ان تمام باطل باتوں کو ختم کرنے کے لئے آیا ہے چنانچہ تم لوگوں کو اس رسم کی اجازت نہیں دی جاسکتی"۔ دریائے نیل بالکل خشک ہو گیا۔ بہت سے لوگ نقل مکانی کی تیاری کرنے لگے۔ پھر کچھ لوگ آئے اور کہا" ہمیں تو دریا میں پانی چاہیے۔ آپؓ یا تو پانی مہیا کر دیں یا ہمیں اجازت دے دیں کہ ہم اپنی قدیم رسم کو بجا لائیں"؟ حضرت عمر بن العاصؓ نے یہ تمام باتیں حضرت عمرؓ کو لکھ کر بھیج دیں۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ خط پڑھا تو انہوں نے حضرت عمر بن العاصؓ کو لکھا" تم نے بہت اچھا کیا کہ ان لوگوں کو اس رسم کی ادائیگی کی اجازت نہیں دی۔ اسلام اس قسم کی تمام باتوں کو مٹانے کے لئے آیا ہے۔ میں اس خط کے ساتھ ایک رقعہ ملفوف (بند کیا ہوا) کر رہا ہوں۔ اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا"۔ جب حضرت عمرو بن العاصؓ کے پاس وہ خط آیا تو آپؓ نے اس رقعہ کو بھی پڑھا۔ اس میں لکھا تھا بندہ الٰہی عمر بن خطاب امیر المومنین کی طرف سے دریائے نیل کے نام:

''اے دریا تجھے معلوم ہو کہ اگر تو خود بخود جاری ہوتا ہے تو مت جاری ہو۔ اور اگر تجھے اللہ عزوجل جاری فرماتا ہے تو میں اللہ واحد قہار سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے جاری کر دے''(خط عمر بن خطابؓ)

حضرت عمر بن العاصؓ نے اس رقعہ کو صبح کے ستارہ کے طلوع ہونے سے پہلے دریا میں ڈال دیا۔ جب اہل مصر صبح کو خواب سے بیدار ہوئے تو انہوں نے دیکھا دریائے نیل میں پانی معمول سے 16 گز زیادہ پر آ چکا تھا۔ اس طرح اہل مصر کی یہ جاہلانہ رسم بھی ختم ہو گئی۔

(3) تہذیب مزنی میں مذکور ہے" حضرت عمرؓ کی مہر خلافت میں یہ نقش کندہ تھا۔ "وَكَفٰى بِالْمَوْتِ وَاعِظ"۔ "موت آدمی کے لئے بہت کافی واعظ ہے"۔

(4) ابن عساکر نے اسماعیل بن زیاد کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ ماہ رمضان میں مسجد کے پاس سے گذر رہے تو وہاں قندیل روشن دیکھی آپؓ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ عمرؓ کی قبر روشن فرمائے۔ انہوں نے ہماری مسجدوں کو روشن کر دیا''۔

(5) حضرت عمرؓ کے خوف الٰہی کا یہ عالم تھا کہ سالم بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اپنے اونٹ کے زخم کو دھوتے جاتے تھے'' جو اس کی پیٹھ پر تھا اور فرماتے جاتے

تھے میں ڈرتا ہوں کہ کہیں قیامت میں مجھ سے اس زخم کے بارے میں پرسش نہ ہو"۔

(6) حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمرۃ الانصاری نے اپنے والد سے روایت کیا کہ ہم لوگ کسی غزوہ میں رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے ہمراہ تھے۔ لوگوں پر فاقے کی نوبت آ گئی آپ خاتم النبیین ﷺ سے اپنے سواری کے جانوروں کو ذبح کرنے کی اجازت چاہی۔ جب آپ خاتم النبیین ﷺ نے لوگوں کو اجازت دینے کا ارادہ فرمایا تو حضرت عمرؓ بن خطاب نے عرض کیا" یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کل ہم نے دشمن کا مقابلہ کرنا ہے۔ تو کیا ہم پیدل دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کی رائے ہو تو لوگوں سے ان کا بقیہ توشہ منگواتے ہیں اس کو جمع کر کے برکت کی دعا کیجیے"۔ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ لوگ بقیہ توشہ میں سے ایک مٹھی یا اس سے کچھ زیادہ لانے لگے سب سے بڑی مقدار جو لائی گئی وہ ایک صاع کھجور تھی (ایک سیر) آپ خاتم النبیین ﷺ نے تمام چیزوں کو جمع فرمایا اور برکت کے لئے دعا فرمائی۔ پھر تمام لشکر سے ان کے برتن لانے کے لئے فرمایا اور کہا" اس برکت والے توشہ میں سے باری باری ہر شخص مٹھی بھر بھر کر اپنے برتنوں کو بھرے"۔ سارے لشکر والوں نے اپنا کوئی برتن نہ چھوڑا جو اس غلہ سے بھر نہ لیا ہو۔ اس کے بعد بھی اتنا ہی بچا رہا۔ اس کو دیکھ کر آپ خاتم النبیین ﷺ اتنا مسکرائے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کی کچلیاں کھل گئیں۔ پھر فرمایا" میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں۔ جو بندہ مومن قیامت میں ان دو کلمات کے ساتھ ملے گا اس سے دوزخ روک دی جائے گی"۔

شہادت:- ذی الحجہ 23 ہجری 644ء کے آخری ایام تھے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کا گیارہواں سال تھا، آپؓ حسب معمول اس مرتبہ بھی خود امیر حج بن کر مکہ معظمہ تشریف لائے۔ منیٰ سے واپسی پر توالابطح میں اپنا اونٹ بٹھایا، سنگریزے جمع کر کے ایک چبوترے پر اپنی چادر ڈال کر لیٹ گئے، پھر اپنا ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے فرمایا:

"اے اللہ میری عمر زیادہ ہو گئی ہے، ہڈیاں کمزور ہو گئیں ہیں، قوت کم ہو گئی ہے، رعیت بڑھ گئی ہے، بغیر عاجز ہوئے اور بغیر نشانہ ملامت بنے، تو مجھے اپنے پاس اٹھا لے"

اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص بندے کی دعا سن لی۔ اس بندے کے سوا کوئی دنیا دار حکمران ہوتا تو طوالت عمر کی دعا کرتا۔ حج سے واپسی پر آپؓ نے مسجد نبوی (خاتم النبیین ﷺ) میں خطبہ دیا اور فرمایا کہ" میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سرخ مرغ نے مجھے دو ٹھونگیں ماری ہیں اس کی تعبیر میں نے یہی سمجھی ہے کہ کوئی عجمی مجھے عنقریب قتل کر دے گا۔ اے لوگو تم پر احکام فرض کر دیئے گئے ہیں۔ تمہارے لیے قانون حیات مرتب کر دیا گیا ہے۔ اے اللہ میں تمام شہروں کے حکام پر تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں دین اور سنت کی تعلیم کے لیے مقرر کیا تھا اور یہ کہ وہ لوگوں کے ساتھ عمدہ انصاف کے ساتھ پیش آئیں اور کوئی مشکل پیش ہو تو میرے سامنے پیش کر دیں"۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں مرتدین عرب دوبارہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے لیکن اہل کتاب عرب عیسائیوں اور یہودیوں پر توجہ کرنے کی انہیں مہلت نہ ملی۔ عہد فاروق میں انہیں شام وعراق سے باہر آباد کر دیا گیا تھا لیکن روم ایران کی فتوحات کے نتیجہ میں عیسائی اور مجوسی غلام بن کر مدینے پہنچنے لگے۔ حضرت عمرؓ کو یہ پسند نہیں تھا لیکن جہاد سے واپس آنے والے مجاہدین ایسی لونڈیاں اور غلام اپنے ساتھ مدینے میں لے آتے اور رفتہ رفتہ ان کی ایک اچھی خاصی جمعیت پیدا ہو گئی۔ ان عجمیوں میں سب سے بڑی شخصیت سابق گورنر ہرمزان کی تھی جو مسلمان ہو کر مدینے میں مقیم تھا اور ایرانیت کے ناطے عجمیوں کا مرجع۔ یہ عجمیوں کا سردار بن گیا۔ یہ عجمی غلام آپس میں ملتے، اسلام کی فتوحات اور غلبہ پر کڑھتے اور آپس میں صلاح مشورہ کرتے۔ اس لیے ان میں سے اکثر کے دلوں میں حضرت عمر فاروقؓ کے لیے نفرت کے جذبات موجود تھے۔ ان کا غم وغصہ بالاخیر خلیفہ ثانی کی شہادت کا باعث بن گیا۔

ایران کے آخری فیصلہ کن معرکہ نہاوند میں ایک ایرانی الاصل شخص فیروز (جو مدینے میں آنے کے بعد کنیت کے حوالے سے ابولولو فیروز کہلایا۔ گرفتار ہو کر حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کی غلامی میں آیا۔ وہ ایک ماہر فن کار اور ہنر مند انسان تھا۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے اسے اس شرط پر آزادی سے اپنا پیشہ ورانہ سرگرمیاں جاری رکھنے کے لیے کہہ دیا تھا کہ وہ روزانہ 2 درہم انہیں ادا کرے گا۔ اسے یہ اجازت تو مل گئی لیکن اسے یہ 2 درہم روزانہ ادا کرنے بارگزرا کرتے تھے۔ اس نے فاروق اعظمؓ سے مقررہ رقم کم کرنے کی شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے ابولولو سے پوچھا" مغیرہ تم سے کتنی رقم وصول کرتا ہے"؟ اس نے جواب دیا" 2 درہم روزانہ" انہوں نے پوچھا" تم کیا کام کرنا جانتے ہو" آہنگری، نجاری، نقاشی" حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا، تمہارے ان ہنرمندانہ پیشوں کو دیکھتے ہوئے 2 درہم روزانہ زیادہ معلوم نہیں ہوتے۔ فیروز جانے کے لیے مڑا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا" میں نے سنا ہے تم ہوائی چکیاں بھی بناتے ہو۔ میرے لیے بھی ایک چکی بنا دو۔ میں تمہیں قیمت ادا کروں گا؟" ابولولو فیروز نے جواب دیا میں آپؓ کے لیے ایسی چکی بناؤں گا کہ دنیا دیکھے گی اور مشرق اور مغرب میں اس کی شہرت ہو گی۔ حضرت عمرؓ نے حاضرین سے فرمایا" اس شخص نے مجھے قتل کی دھمکی دی ہے" یہ گفتگو 25 ذی الحجہ کو منگل کے دن ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے اگرچہ ابولولو سے وعدہ نہیں کیا تھا تاہم انہوں نے امام بخاریؒ کی روایت کے مطابق اس کے مالک

مغیرہ بن شعبہؓ سے رقم کم کرنے کی سفارش کردی تھی۔

26 ذی الحجہ کو منہ اندھیرے حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں نماز فجر کی امامت کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور ابھی تکبیر ہی کہی تھی کہ ابولولو نمازیوں کی صفوں کو چیرتا ہوا نکلا اور دو دھاری خنجر سے امیر المومنین حضرت عمرؓ پر چھ وار کیے۔ ایک وار ناف کے نیچے کیا جس سے آنتیں کٹ گئیں، **حقیقت یہ ہے کہ ابولولو کا خنجر حضرت عمرؓ کے سینے کو نہیں، کائنات کے سینے کو چیر گیا**۔ خلیفہ ثانی کے عین پیچھے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کھڑے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ پر آگے کر دیا اور خود زخموں کی تاب نہ لاکر مسجد کے فرش پر گر گئے اور فرمایا ''ایک کتے نے مجھے قتل کر دیا ہے اسے پکڑو''۔

حضرت ابن عوفؓ نے دو مختصر سورتیں، عصر اور کوثر کی تلاوت کے ساتھ لوگوں کو اس حالت میں نماز پڑھائی کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ مرغ بسمل کی طرح زمین پر تڑپ رہے تھے، اور نمازی مضطرب اور بدحواس تھے مگر ابولولو فیروز دائیں بائیں خنجر چلاتا، نمازیوں کو زخمی کرتا نکلتا چلا گیا۔ آخر ایک مسلمان نے اس پر اپنی موٹی چادر ڈال کر اس پر قابو پایا۔ اس پر فیروز نے اسی خنجر سے خودکشی کر لی۔ اس نے 13 نمازیوں کو زخمی کیا، ان میں 9 شہید ہو گئے تھے۔

حضرت عمرؓ پر غشی طاری ہو گئی، لوگ انہیں اٹھا کر گھر لے آئے، فاروق اعظمؓ کو ہوش آیا تو سب سے پہلے پوچھا" کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی تھی"؟ اس پر حاضرین نے جواب دیا" جی ہاں"، آپؓ نے فرمایا، "جس نے نماز چھوڑ دی وہ مسلمان نہیں" پھر پوچھا" مجھ پر حملہ کس نے کیا تھا"؟ حاضرین نے بتایا" ابولولو فیروز نے"۔ جب آپؓ کو معلوم ہوا کہ قاتل حملہ آور ابولولو فیروز تھا تو اللہ کا شکر ادا کیا کہ میرا قاتل اسلام کا دعویدار نہیں تھا، پھر آپؓ نے فرمایا کہ ''لوگ چاہتے ہیں کہ مدینے میں غلاموں اور لونڈیوں کی کثرت ہو یہ اسی کا نتیجہ ہے''۔

وفات کے وقت حضرت عمرؓ کا سر ان کے بیٹے حضرت عبداللہؓ کی رانوں پر تھا اور وہ وصیت سن رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا" میرا سر زمین پر رکھ دو"۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا" میرے رانوں اور زمین میں کیا فرق ہے"؟ حضرت عمرؓ نے پھر کہا" میرا سر زمین پر رکھ دو۔ شاید اللہ مجھ پر مہربان ہو جائے اور رحم کرے"۔ حضرت عمرؓ نے اپنے جانشین کے لیے ایک مجلس شوریٰ مقرر کر دی۔ آپؓ یکم محرم الحرام کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

بخاری شریف میں درج ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کے فوت ہونے کے بعد ان کے گھر میں تشریف لائے اور حضرت عمر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا ''اے عمرؓ اللہ تم پر رحم کرے تم نے اپنے بعد کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا جس کے اعمال پر میں رشک کر کے ویسا ہی بننے کی کوشش کروں۔ اللہ کی قسم مجھے یہی گمان غالب ہے کہ اللہ تمہیں تمہارے دونوں ساتھیوں کے ساتھ قبر اور بہشت میں رکھے گا۔ کیونکہ میں نے اکثر رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کو یہ فرماتے سنا۔ میں گیا اور ابو بکرؓ اور عمرؓ (ساتھ تھے) اندر داخل ہوا اور ابوبکرؓ اور عمرؓ (بھی اندر داخل ہوئے) میں باہر نکلا اور ابوبکرؓ اور عمرؓ (بھی میرے ساتھ نکلے)"۔

اس سے واضح ہوا کہ نہ صرف رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ بلکہ حضرت علیؓ بھی اپنے بھائیوں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا کتنا احترام کرتے تھے۔

****

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عثمان غنیؓ اصحاب الفیل کے واقعے کے بعد 576ء میں پیدا ہوئے، آپؓ حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے 6 سال چھوٹے تھے، بعثت نبوی خاتم النبیین ﷺ کے وقت آپؓ کی عمر 34 سال تھی، حضرت عثمان غنیؓ کے قبول اسلام کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا نکاح آپؓ سے کر دیا۔ مکہ میں یہ جوڑا مثالی جوڑا خیال کیا جاتا تھا۔ بیعت عقبہ ثانی کے بعد جب مدینے کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ہوا تو حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت رقیہؓ بھی وہاں پہنچ گئے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے ہمیشہ تمام مشوروں اور تمام غزوات میں آپ خاتم النبیین ﷺ کا ساتھ دیا۔ البتہ غزوہ بدر میں حضرت رقیہؓ کے علیل ہونے کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔ جب فتح جنگ کی خبر لے کر حضرت زید بن حارثہؓ مدینے پہنچے تو حضرت رقیہؓ کو دفن کیا جا رہا تھا، آپ خاتم النبیین ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو بدریوں میں شامل کیا اور مال غنیمت میں سے آپؓ کو بھی حصہ دیا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "وہ جسمانی طور پر کفر و اسلام کے اس معرکہ میں شریک نہ تھے لیکن ان کا دل وہیں اٹکا ہوا تھا"۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ حضرت عثمانؓ کی عزیمت ایمانی، حسن اخلاق اور دینی خدمات سے اس قدر خوش تھے کہ حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد اپنی دوسری صاحبزدی حضرت ام کلثومؓ کا عقدِ مبارک بھی حضرت عثمانؓ سے کر دیا، حضرت ام کلثوم سے آپؓ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔

انتخاب بطور خلیفہ :-

حضرت عمر فاروقؓ نے ایک کونسل منتخب کر دی تھی کہ یہ لوگ آپس میں مشورہ کر کے کسی واحد کو اپنے میں سے خلیفہ مقرر کر لیں۔ ان کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ حضرت عثمانِ غنیؓ بن عفان
2۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب
3۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ
4۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ
5۔ حضرت زبیرؓ بن العوام
6۔ حضرت طلحہؓ بن عبداللہ

اگرچہ حضرت سعیدؓ بن زبیرؓ بھی عشرہ مبشرہ میں شامل تھے اور حیات تھے لیکن حضرت عمرؓ نے محض اپنی رشتہ داری کی وجہ سے (آپؓ کے بہنوئی تھے) انہیں انتخابی مجلس میں شامل نہ فرمایا۔ پہلے دو دن تک فیصلہ نہ ہو سکا۔ سرحدوں پر رومی اور ایرانی بھی مدینے کی صورتحال پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ ارکان اسمبلی میں اختلاف تھا اور وقت تیزی سے اڑا جا رہا تھا۔ یہ بات سب پر ظاہر تھی کہ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ باقی دوسروں کے مقابلے میں سب سے بہتر ہیں۔ دشمن خاص طور پر رومی اور ایرانی مسلمانوں پر کاری ضرب لگانے کے لیے موقع کی تلاش میں تھے۔ حضرت عمرؓ نے ارکان اسمبلی سے فرمایا تھا کہ:-

''اگر تین لوگ ایک طرف اور تین ایک طرف ہو جائیں تو عبداللہ بن عمرؓ کو حاکم بنایا جائے۔ اگر اس کا فیصلہ نا قابل قبول ہو تو جس طرف عبدالرحمن بن عوفؓ ہوں ان کا ساتھ دیا جائے۔ حضرت سعد بن وقاصؓ کے متعلق فرمایا کہ اگر سعدؓ خلیفہ منتخب ہوں تو وہ اس کے مستحق ہیں۔ میں نے ان کو کوفہ کی امارت سے ان کی کمزوری یا خیانت کی وجہ سے نہیں ہٹایا تھا اور اگر کوئی دوسرا منتخب ہو تو سعدؓ کو اپنے مشوروں میں شریک رکھے۔ لیکن حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو خلافت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ انہوں نے عبدالرحمنؓ بن عوف کا نام تجویز کر دیا۔ حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف نے انکار کر دیا۔ حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کا نام تجویز کر دیا۔ لیکن کسی بھی دوسرے رکن نے تائید نہ کی، حضرت سعدؓ اور حضرت عبدالرحمنؓ پہلے ہی سے امیدواری سے دستبردار ہو چکے تھے، حضرت علیؓ کا نام تجویز کر کے حضرت زبیرؓ خود بخود امیدواری کی فہرست سے خارج ہو گئے۔ ان کا اپنا نام کسی دوسرے رکن نے تجویز نہ کیا، حضرت طلحہؓ اس وقت مدینے سے باہر تھے۔ اب میدان میں صرف حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ رہ گئے، یہ صوت حال دیکھ کر حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف نے کہا کہ میں امیدواری سے دستبردار ہو چکا ہوں۔ اگر آپ لوگ مجھے حاکم تسلیم کر لیں اور میرے فیصلے کی پابندی کریں تو میں آپ لوگوں میں سے موزوں شخص کو ملتِ اسلامی کے لیے منتخب کر دوں۔ حضرت عثمانؓ، حضرت سعدؓ اور حضرت زبیرؓ اس پر راضی ہو گئے۔ حضرت علیؓ پہلے تو خاموش رہے پھر کہا کہ عبدالرحمنؓ پہلے وعدہ کرو کہ تم فیصلہ کرنے میں کسی رشتہ داری و قرابت کا لحاظ نہ کرو گے۔ صرف حق کی پیروی کرو گے اور اسلام کے مجموعی مفاد کو پیش نظر

رکھو گے۔ حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف نے وعدہ کرلیا۔ اب فیصلہ کا اختیار فردواحد کے ہاتھ میں آ گیا۔ ایک بے حد دوررس نتائج کا حامل اہم تاریخی اور سیاسی فیصلہ کرنا تھا۔

حضرت عبدالرحمنؓ نے وہ رات مدینے کے سرکردہ شہریوں، مہاجرین وانصار کے نمائندوں، عمال حکومت، فوجی افسران، امہات المومنین اور متعدد دوسری خواتین اور مدینے کے عوام سے مشورہ کرنے میں گزاری۔ اس انتخاب میں جتنے مردوں اور عورتوں سے مشورہ کیا گیا کبھی بھی کسی دوسرے خلیفہ کے انتخاب میں نہ کیا گیا۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف نے حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ سے الگ الگ ملاقات کی، انہوں نے حضرت علیؓ سے کہا "ابوالحسن اس میں شک نہیں کہ آپؓ گوناگوں فضائل واوصاف کی وجہ سے خلافت کے مستحق ہیں لیکن اگر کسی وجہ سے آپؓ خلیفہ منتخب نہ ہوسکے تو پھر آپؓ کے خیال میں اس کا سب سے زیادہ مستحق کون ہوسکتا ہے"؟۔ حضرت علیؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کا نام تجویز کیا۔ تیسری رات آ گئی، حضرت ابوطلحہ انصاریؓ نے یاددہانی کروائی کہ اگلی صبح کو فیصلہ بہرحال ہوجانا ہے۔ حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف رات بھر نہ سوسکے۔ رات کے پچھلے حصے میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے طویل گفتگو کی یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔

فجر کی نماز کے بعد ارکان اسمبلی مسجد میں جمع ہو گئے۔ فیصلہ سننے کے لیے مہاجرین وانصار، معززاکابرین، فوجی اور سول افسر اور عام مسلمان سب ہی جمع ہو گئے۔ مسجد میں تل دھرنے کی جگہ نہ رہی۔ حضرت عبدالرحمنؓ نے کھڑے ہوکر تقریر کی اور مجمع عام سے ایک آخری رائے لی۔ حضرت عمارؓ بن یاسر اور حضرت مقداد بن اسودؓ نے حضرت علیؓ کی وکالت کی۔ حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ اور ابن ابی ربیعؓ نے حضرت عثمانؓ کے انتخاب پر زور دیا۔ تکرار اور ہنگامہ کی صورت حال پیدا ہوگئی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف سے کہا "اس سے پہلے کہ کوئی فتنہ سر اٹھائے آپؓ اس کام سے فارغ ہوجائیں اور اپنا فیصلہ سنادیں"۔

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے حضرت علیؓ کو بلایا اور کہا "اگر آپؓ کو خلیفہ بنا دیا جائے تو آپؓ کتاب اللہ اور سنت رسول خاتم النبیین ﷺ اور شیخین کی سنت کے مطابق عمل کریں گے"۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا "جہاں تک کتاب اللہ اور سنت رسول خاتم النبیین ﷺ کا تعلق ہے ''ہاں''، لیکن شیخین کی سیرت کے علاوہ میں اپنی بصیرت اور صوابدید سے بھی کام لوں گا"۔ جب حضرت عثمانؓ سے یہ سوال کیا گیا تو انہوں نے غیر مشروط طور پر ہاں میں جواب دیا۔ حضرت عثمانؓ کے دوٹوک اور غیر مشروط مثبت جواب نے معاملہ کا فیصلہ کردیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا، حضرت عثمانؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور کہا ''اے اللہ تو گواہ رہنا کہ جو بوجھ اب تک میرے سر پر تھا میں اسے عثمانؓ کے سر پر رکھتا ہوں میں نے اپنا اختیار عثمانؓ کی طرف منتقل کردیا''، پھر کہا ''اے عثمانؓ ہم کتاب اللہ اور سنت رسول خاتم النبیین ﷺ اور سنت شیخین کی متابعت کی شرط پر آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں"۔ یہ کہہ کر انہوں نے حضرت عثمان غنیؓ کی بیعت کرلی۔ اس کے فوراً بعد حضرت علیؓ نے کچھ احتجاج کے بعد اپنا ہاتھ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں دیا اور پھر سارے عرصہ میں ان سے تعاون کرتے رہے۔ انہوں نے کوئی وراثتی حق امانت نہیں جتایا نہ ہی نظریہ امامت پیش کیا۔ حضرت طلحہ بن عبداللہؓ مدینے سے باہر ہونے کی وجہ سے انتخابی مجلس کی کاروائی میں شریک نہ ہوئے تھے۔ جب واپس آئے تو حضرت عثمانؓ کی بیعت ہوچکی تھی۔ وہ حضرت عثمانؓ کے پاس گئے، حضرت عثمانؓ نے کہا "تمہیں اس معاملے میں اختیار ہے۔ اگر تم انکار کروگے میں اس معاملے کو لوٹا دوں گا"، حضرت طلحہؓ نے کہا "کیا آپؓ واقعی لوٹا دیں گے"؟، آپؓ نے فرمایا ''ہاں''۔ حضرت طلحہؓ نے پوچھا "کیا تمام لوگوں نے آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی ہے"؟ آپؓ نے فرمایا ''ہاں''۔ حضرت طلحہؓ نے بھی یہ کہہ کر بیعت کرلی "میں لوگوں کے متفقہ فیصلہ سے الگ نہیں رہ سکتا"۔

خطبہ بیعت:۔ حضرت عثمانؓ اپنی کامیابی پر ہشاش بشاش ہونے کی بجائے اور اداس اور افسردہ تھے۔ بیعت کے بعد منبر رسول خاتم النبیین ﷺ پر آ کر اجتماع سے خطاب کیا۔ آپؓ نے فرمایا:

''اے لوگو! تم اپنے آپ کو قلعہ بند گھروں میں محفوظ سمجھتے ہو (یہ خام خیالی ہے) یہ دنیا فانی ہے۔ چندروزہ زندگی میں زیادہ سے زیادہ نیک کام کرنے کی کوشش کرو، کیونکہ تمہیں صبح یا شام کوچ کرنا ہوگا۔ تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے۔ گزرے ہوئے حالات وواقعات سے عبرت حاصل کرو، غفلت شعار نہ بنو، خدا تم سے غافل نہیں ہے، تم بھی دنیا کو وہیں پھینک دو جہاں اللہ تعالیٰ نے اسے پھینکا ہوا ہے۔ اس کی بجائے آخرت کے طلب گار رہو''۔

پہلا مقدمہ:۔ عہدہ خلافت کے بعد حضرت عثمانؓ کے سامنے جو پہلا مقدمہ پیش ہوا وہ عبداللہ بن عمرؓ کا تھا، حضرت عمر فاروقؓ ابولولو فیروز کے لگائے ہوئے زخموں سے جانبر نہ ہوسکے۔ قاتل خنجر کے بارے میں حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف اور حضرت عبدالرحمنؓ بن ابی بکرؓ نے بیان دیئے تھے کہ وہ خنجر انہوں نے ہرمزان اور جفینہ کے پاس دیکھا تھا اور پوچھنے پر انہوں نے کہا تھا کہ ہم اس سے گوشت کاٹیں گے۔ کیونکہ ہم گوشت کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ ہرمزان اور جفینہ کا جواب معنی خیز تھا۔ خاص کر ہرمزان کا جو مسلمان ہوچکا تھا اسے تو گوشت کو ہاتھ لگانے میں کوئی عذر نہیں ہوسکتا تھا۔ حضرت عبدالرحمن بنی ابی بکرؓ نے بیان کیا تھا کہ میں دفعتہ فیروز، جفینہ اور ہرمزان کے پاس سے

گزرا، وہ چپکے چپکے باتیں کررہے تھے، مجھے دیکھ کر بھاگے اور ایک خنجر ان کے درمیان سے گر پڑا جس کے دو پھل تھے۔ اور دستہ بیچ میں تھا۔ دیکھو وہ خنجر کیسا ہے؟ جس سے حضرت عمرؓ کو شہید کیا گیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ وہی خنجر نکلا۔ عبید اللہؓ کو یقین ہو گیا کہ ان کے والد کو ہرمزان اور جفینہ اور ابولولو فیروز نے سازش سے شہید کیا ہے۔ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد انہوں نے قصاص کا معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ہرمزان، جفینہ اور ابولولو کی کمسن مسلمان بیٹی کو قتل کر دیا۔ اس طرح عبید اللہؓ بن عمر دو مسلمان، ہرمزان اور ابولولو کی بیٹی اور ایک ذمی عیسائی جفینہ کے قتل کے مرتکب ہو گئے۔

حضرت عثمان غنیؓ کے انتخاب کے بعد یہ پہلا مقدمہ تھا، حضرت عثمان غنیؓ نے اکابر صحابہؓ سے مشورے کیے، حضرت علیؓ نے مقتولین کے قصاص میں عبید اللہؓ کے قتل کا مشورہ دیا لیکن اکثریت نے کہا کہ حضرت عمرؓ ایک کافر غلام کے خنجر کا نشانہ بنے ہیں اور ملت اسلامیہ کے لیے ان کی عظیم خدمات کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ آج اگر ان کا بیٹا قصاص میں مارا جائے تو یہ دوسرا المیہ ہوگا۔ عبید اللہؓ کے قتل سے کسی دوسرے فتنے کا پیدا ہو جانا بعید از قیاس نہیں تھا۔ اس لیے حضرت عثمانؓ نے قصاص کو خون بہا میں بدل دیا اور خون بہا کی رقم بھی یہ کہہ کر اپنی جیب سے ادا کر دی کہ میں مقتولوں کا ولی ہوں۔

حضرت علیؓ نے مقتولین کے قصاص میں عبید اللہؓ کے قتل کا جو مشورہ دیا تھا وہ عبید اللہؓ کے منہ میں تلخ مزہ چھوڑ گیا۔ جنگ صفین کے موقع پر حضرت عمرؓ کی اولاد میں سے صرف عبید اللہؓ، حضرت معاویہؓ کے ہمراہ ہو کر حضرت علیؓ کے خلاف لڑے اور قتل ہوئے۔ عبید اللہ بن عمرؓ کے مقدمے کے فیصلے کے بعد حضرت عثمانؓ نے عوام، سول حکام، فوجی، سالار، محصول خراج اور عامتہ المسلمین کے نام تمام صوبوں اور علاقوں میں الگ الگ خط بھیج کر لوگوں کو اللہ تعالیٰ، رسول خاتم النبیین ﷺ اور حضراتِ شیخین کے طرز پر چلنے اور خوف خدا کی تلقین میں اضافے کئے، رمضان المبارک میں کھانے کی تقسیم کا بندوبست کیا اور ایک سال تک عمال کو ان کے عہدوں پر برقرار رکھا۔

حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کے ابتدائی 6 سال انتہائی کامیابی سے گزر گئے۔ مسلمانوں میں کامل اتفاق رہا اور وہ اپنے دشمنوں سے نمٹنے اور اللہ کے دین کی تبلیغ میں مصروف رہے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے مقرر کردہ فوجی نظام میں تبدیلی نہ کی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فتوحات کا جو سلسلہ شروع کیا تھا وہ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں بھی جاری رہا۔ ایرانی بغاوت کا خاتمہ ہوا اور دنیا کی سب سے پہلی قدیم سلطنت ہمیشہ کے لیے مٹ گئی۔ اس کو فتح کرنے کا فخر حضرت عثمان غنیؓ کی قسمت میں لکھا تھا۔

حضرت عثمان غنیؓ کے عہدِ حکومت کی فتوحات:- طخارستان، طالقان، جوزجان، خاریاب، غزنی، کابل، ہرات، سیستان، بلخ، فرغانہ، قبرص، قسطنطنیہ، شمالی افریقہ، طرابلس، الجزائر، تیونس، مراکش، حبشہ، اندلس۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد زریں میں تقریباً ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل رقبہ مملکت اسلامیہ میں شامل ہوا۔ جبکہ حضرت عثمان غنیؓ کے چھ سات سال کے ابتدائی سالوں میں اسلامی حکومت کے حدود، مشرق میں ترکستان سے گزر کر چین میں اور جنوب میں خراساں سے گزر کر بمبئی اور شمال میں آرمینا اور ممالک خزر تک پھیل گئی۔ طبرستان، جرجان، طخارستان، سجستان، کرامان، محوات، کابل، نیشاپور وغیرہ سب ہی اس کے احاطے میں آ گئے، گویا خلافت راشدہ کی وسعت انتہا کو پہنچ گئی۔ پھر حضرت عثمان غنیؓ کی بدقسمتی یہ ہوئی کہ وہ اپنے پیش رو کے کڑے معیار کو برقرار نہ رکھ سکے اس سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ اسلام سے قبل چھوٹی بڑی دس شاخیں تھیں۔ ان میں سے 2 زیادہ مشہور تھیں۔

1۔ بنو ہاشم 2۔ بنو امیہ

ان دنوں خاندانوں میں ابتداء ہی سے رقابت پائی جاتی تھی، بنو ہاشم کعبے کے متولی ہونے کے ناطے سے ممتاز سمجھے جاتے تھے جبکہ بنو امیہ کو افرادی اکثریت اور مال کی کثرت حاصل تھی، نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے مدینے آنے کے بعد بنو ہاشم کے تقریباً تمام لوگ مدینہ آ گئے تھے۔ اس وقت مکہ میں خاندان بنو امیہ ریاست کی کرسی پر متعین تھا۔

8 ہجری میں جب مکہ فتح ہوا تو بنو امیہ کا زور ٹوٹ گیا اور اس طرح اس وقت خاندان بنو امیہ نے بھی اسلام کے سامنے سرخم کر دیا۔ حضرت عثمان غنیؓ کا تعلق خاندان بنو امیہ سے تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے دور خلافت میں بنو امیہ کے لیے صلہ رحمی کے تمام دروازے کھول دیئے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے عہد فاروقی میں مصر فتح کیا تھا اور تب سے وہاں کے گورنر تھے۔ خراج کی وصولی میں نرمی سے کام لیتے تھے اور مصر کے قبیلوں میں ہردلعزیز تھے۔ خراج میں کمی واقع ہوئی تو حضرت عثمانؓ نے ان سے خراج میں اضافے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ "اونٹنی اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی" حضرت عثمان غنیؓ نے انہیں معزول کر کے اپنے رضائی بھائی حضرت عبداللہ ابن سعد ابن ابی سرح کو 27 ہجری میں پورے مصر کا گورنر بنا دیا۔ ابن ابی سرح کی کوششوں سے مصر کے خراج کی رقم 20 لاکھ سے بڑھ کر 40 لاکھ ہو گئی۔ اس پر حضرت

عثمان غنیؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ ''تمہارے بعد اونٹنی زیادہ دودھ دینے لگی ہے'' انہوں نے جواب دیا ''ہاں مگر اس کے بچے بھوکے رہ گئے ہیں۔''

عبداللہ ابن ابی سرح ایک قابل منتظم اور جرنیل تھے لیکن نظم ونسق میں سختی سے کام لیتے تھے۔ان کا ماضی بھی لوگوں سے پوشیدہ نہ تھا۔وہ اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گئے تھے اور ان چند افراد میں سے تھے جن کے قتل کا حکم آپ خاتم النبیین ﷺ نے فتح مکہ کے دن دیا تھا لیکن حضرت عثمان غنیؓ نے جان بخشی کروائی تھی۔وہ پہلے مسلمان سالار تھے جنہوں نے رومیوں کے خلاف بحری جنگ کی اور انہیں زبردست شکست دی،حضرت معاویہؓ اور ولید بن عقبہ کے بعد عبداللہ ابن ابی سرح تیسرے اموی گورنر تھے۔اب خلافت عثمانی کے نظم ونسق کی یہ صورت حال تھی کہ چوٹی کے تمام عہدوں پر بنوامیہ کے افراد فائز ہو گئے۔

1۔ شام میں امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ

2۔ مصر میں عبداللہ ابن سعد ابن ابی سرح (اموی) (حضرت عثمانؓ کے رضائی بھائی)

3۔ کوفہ میں ولید بن عتبہ (حضرت عثمان غنیؓ کے ماں جائے بھائی) اور ان کے بعد سعید بن العاص (اموی)

4۔ بصرہ میں عبداللہ بن عامر (حضرت عثمانؓ کے ماموں زاد بھائی)

حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف مخالفت ابھارنے میں ان کے چچازاد بھائی اور داماد مروان بن الحکم نے ''بدروح'' کا کردار ادا کیا۔

مروان بن حکم:۔اس کا باپ حکم فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوا اور مدینہ میں مقیم ہو گیا۔اس کی بعض حرکات کی وجہ سے آپ خاتم النبیین ﷺ نے اسے طائف جلاوطن کر دیا تھا۔مروان بھی اس کے ساتھ تھا۔جب حضرت عثمانؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو ان باپ بیٹے کو مدینے بلا لیا۔لوگوں نے اعتراض کیا تو آپؓ نے فرمایا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے اجازت دے دی تھی۔اس پر لوگوں نے کہا کہ پھر یہ دونوں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں مدینے میں کیوں نہ آئے؟

اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح مروان سے کر دیا اور اس کو اپنا سیکرٹری بنا لیا۔حالانکہ اس سے پہلے سیکرٹری کا کوئی باقاعدہ اور خصوصی عہدہ نہ تھا۔مروان نے نہایت ہی ہوشیاری سے پورے نظام حکومت پر اپنا اثر ورسوخ قائم کر لیا اور حضرت عثمان غنیؓ کی رشتہ داری اور اعتماد کا ناجائز فائدہ اٹھایا۔خلیفہ کی سرکاری مہر بھی اس کے قبضے میں رہتی تھی۔لوگوں کو یہ تقرر پسند نہ آیا تھا۔لوگوں کو خیال تھا کہ بہت سے کام مروان حضرت عثمان غنیؓ کے حکم کے بغیر خود ہی کر ڈالتا ہے۔مروان حضرت عثمان غنیؓ اور دوسرے صحابہؓ کے تعلقات کو خراب کرنے میں لگا رہا۔حضرت عثمان غنیؓ کی زوجہ محترمہ حضرت نائلہؓ کی بھی یہی رائے تھی کہ مروان غلط روش اختیار کر چکا ہے۔ایک مرتبہ انہوں نے حضرت عثمان غنیؓ سے کہا کہ ''اگر آپؓ مروان کے کہنے پر چلیں گے تو وہ آپؓ کو قتل کروا کر چھوڑے گا''۔

حضرت عثمان غنیؓ نے کاروبار خلافت کا نظم ونسق چلانے میں بنوامیہ پر پورا انحصار کر لیا اور دوسرے قریش کو نظر انداز کیا گیا،تاہم ہمیشہ حضرت علیؓ نے بنو ہاشم کو کھلی مخالفت سے باز رکھا اور خود کبھی بھی حضرت عثمان غنیؓ کی مخالفت نہیں کی۔

عبداللہ بن سبا:۔یہ یمن کا یہودی تھا۔اس کی ماں حبشی نژاد لونڈی تھی۔جس کا نام سودا تھا۔اپنے مقصد کے حصول کے لیے اس نے ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا اور یمن سے مدینے آ گیا۔حضرت عثمان غنیؓ سے کسی منصب کے حصول کے لیے درخواست کی لیکن ناکام ہوا۔مدینے میں رہ کر عجمی نومسلموں،عجمی غلاموں اور تھوڑے بہت یہودیوں اور عیسائیوں سے ملتا رہا جو مدینہ،خیبر اور عرب کے دوسرے مقامات سے نکالے گئے۔یہ یہودیوں اور یہودی مذہب کی اسلام کے ہاتھوں ذلت کا انتقام لینا چاہتا تھا۔یہودی سے بڑھ کر کینہ رکھنے والی قوم دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔عبداللہ بن سبا نے اس کے بعد حُبِ علی کا نعرہ لگایا۔

ابن سبا پہلا شخص تھا جس نے حضرت علیؓ کی امامت کے فرض ہونے کو شہرت دی۔اور حضرت علیؓ کا محب بن گیا۔ حضرت عثمان غنیؓ کی مخالفت اختیار کر لی۔لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے بظاہر زہد،درویشی اور ترک دنیا کا روپ اختیار کیا اور اپنے پیروکاروں کو بھی یہی بہروپ اختیار کرنے کا کہا۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تبلیغی ڈھونگ رچایا۔جب کم فہم اور کم سمجھ لوگ اس کی باتوں پر کان دھرنے لگے تو **اموی اور ہاشمی رقابت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ''حُبِ اہل بیت'' کا چولا پہننا اور نئے نئے عقائد ونظریات وضع کر کے پھیلانا شروع کر دیئے**،مثلاً یہ کہ:

''ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے وصی حضرت علیؓ ہیں۔محمد خاتم النبیین ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور علیؓ خاتم الاولیاء ہیں۔خلافت حضرت علیؓ کا حق ہے۔رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی وصیت کو پورا نہ کرنے والا ظالم اور غاصب ہے۔حضرت عثمان غنیؓ نے خلافت پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے حالانکہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے وصی موجود ہیں۔اس نے اپنی باتوں میں حضرت علیؓ کے مرتبے کو خدا تک پہنچا دیا۔اور جعلی خطوط لکھ کر لوگوں کو حضرت عثمان

غنیؓ کی بغاوت پر ابھارنا شروع کر دیا۔ وہاں اسے ایک لٹیرا حکیم ابن جبلہ مل گیا جو نظر بندی کی زندگی گزار رہا تھا۔ وہ اور اس کے ساتھی ابن سبا کے ہم نوا بن گئے اور پھر یہ گروہ بنو امیہ کی خلافت اور خلیفہ پر نکتہ چینی کرنے لگے' اس طرح ابن سبا نے عجمی عناصر کے جذبات کو بھی خلیفہ کے خلاف کر دیا۔ ابن سبا کی سرگرمیوں اور سازش کی خبر پر گورنر نے اسے کوفہ سے بھی نکال دیا۔ پھر وہ دمشق گیا لیکن وہاں پر اس کی دال نہ گلی، غرضیکہ بصرہ سے فسطاط سے ابن سبا جہاں جہاں سے گزرا، اپنے زہریلے اثرات چھوڑتا گیا۔ اس کا اور اس کے پیروکاروں کا کہنا تھا کہ حضرت عثمان غنیؓ کو اور ان کے اعمال کو دین داری اور خدا خوفی سے کوئی تعلق نہیں۔ بنو امیہ کے اقتدار کو ختم کئے بغیر سچائی اور انصاف کو بحال نہیں کیا جا سکتا۔

ابن سبا کے سازشی گروہ نے بڑی بڑی گھناؤنی تراکیب استعمال کیں۔، ایک شہر کا سازشی گروہ دوسرے شہر کے لوگوں کو حضرت عثمان غنیؓ کے عمال کی فرضی ظلم بھری داستانیں لکھ کر بھیجتا رہا۔ انہوں نے یہ تاثر دیا کہ حضرت علیؓ ان کے ساتھ ہیں۔ نیز یہ بھی کہ تمام صحابہ کرامؓ اور خود حضرت عائشہؓ، حضرت عثمان غنیؓ کی پالیسیوں اور ان کے اعمال کے خلاف ہیں اور ان کی معزولی کے خواہش مند ہیں۔ بزرگ صحابہ کرامؓ کی مناصب سے معزولی اور توہین کے پردے میں حضرت عثمان غنیؓ کی اقربا نوازی، اموی عمال کی نا اہلیوں اور غلط کاریوں کے افسانے گھڑے گئے، جعلی اور فرضی خفیہ خطوط کے ذریعے مختلف شہروں کے لوگوں میں بے اطمینانی پیدا کرنے اور انہیں بھڑکانے کی بھرپور کوششیں کی گئیں۔

یہ ایک زیر زمین تحریک تھی جو عام یہودی کا طریقہ کار ہے۔ فسطاط (مصر) میں بیٹھ کر اس نے اپنی سازشوں کا تانا بانا دوسرے شہروں میں پھیلایا۔ اس سازشی اور فتنہ پرور ٹولے نے حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف الزامات کی ایک طویل فہرست تیار کر لی۔ ان کے خلاف بڑا الزام یہ لگایا کہ ''وہ صرف رشتہ داروں کو نوازتے ہیں''۔ اس کے لیے وہ عمال کی بھرتی اور تعیناتی کی فہرست سامنے لاتے، حالانکہ اگر دیکھا جائے تو حضرت علیؓ نے بھی اپنے دور خلافت میں اپنے چچا زاد بھائیوں کو بصرہ، یمن اور مدینے کا گورنر مقرر کیا تھا اور اپنے بھانجے کو خراساں کا والی بنایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت علیؓ کے مقرر کردہ عمال کو دیکھ کر مالک اشتر نخفی اور اس کے ساتھیوں کو سخت مایوسی ہوئی تھی کہ وہ لوگ عہدوں سے محروم رہ گئے تھے۔ اشتر نخفی نے کہا تھا ''اگر علیؓ نے بھی یہی کچھ کرنا تھا تو ہم نے خواہ مخواہ اس بڈھے (حضرت عثمان غنیؓ) کو قتل کیا''۔

کوفہ کے شر پسندوں نے حضرت عثمان غنیؓ سے گفتگو کے لیے آپؓ کے پاس اپنے کچھ نمائندے بھیجے جنہوں نے خلیفہ کو کھلم کھلا دھمکی دی۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے عمال کو بہتری پیدا کرنے کی تمام تجاویز پیش کیں اور ہر ممکن کوششیں بھی کیں لیکن عبداللہ ابن سبا کی طرف کسی کا دھیان نہ گیا کہ یہ تمام کام وہ کر رہا ہے کیونکہ اس فساد کا اصل نہیں تو سب سے بڑا سرچشمہ تو وہی تھا۔

لوگوں نے حضرت علیؓ کی موجودگی میں حضرت عثمان غنیؓ پر الزام لگایا کہ آپؓ کے عمال آپؓ سے پوچھے بغیر کام کرتے ہیں اور آپؓ کو بتاتے بھی نہیں اور کہتے ہیں کہ آپؓ نے ایسا کہا تھا اور آپؓ ان کو پوچھتے بھی نہیں ہیں اور ان کا محاسبہ نہیں کرتے۔ اس پر مروان بطور خود کھڑا ہوا اور حاضرین کو یہ کہہ کر ڈرایا کہ ''اگر تم باہر جاؤ تو ہم تمہارے اور اپنے درمیان تلوار سے فیصلہ کر دیں'' حضرت عثمان غنیؓ نے اسے ڈانٹا اور کہا ''تم ہمارے درمیان نہ بولا کرو''۔ اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے ایک تحقیقاتی کمیشن بنایا، عمال کو حج پر اکٹھا کیا، تمام اعمال حاضر ہوئے تو ان تمام باتوں کو ایک سازش قرار دیا۔

اسی سال حضرت عثمان غنیؓ نے اپنی زندگی کا آخری حج کیا۔ حج سے واپسی پر مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد کیا۔ سب نے وعدہ کیا کہ ہجری 55 سکون اور اطمینان کا سال ہوگا۔ سب کے چلے جانے کے بعد حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کو تجویز پیش کی کہ ''آپؓ موجودہ خطرے کے پیش نظر مدینے کو چھوڑ کر چلے جائیں''۔

حضرت عثمان غنیؓ نے مدینہ چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ حضرت معاویہؓ نے کہا کہ سازشیں ہو رہی ہیں اور آپؓ کی جان کو خطرہ ہے۔ آپؓ نے جواب دیا۔

حسبی اللہ و نعم الوکیل نعم المولیٰ و نعم النصیر (میرے لیے اللہ ہی کافی ہے وہی میرا کارساز ہے)

اس کے بعد ابن سبا نے کوفہ، بصرہ، مصر اور دوسرے علاقوں کے سازشی دھڑوں کو خفیہ خطوط بھیجے اور مدینے کے بعض عناصر کو ملا کر خلیفہ پر یلغار کا پروگرام طے کیا۔

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت عظمیٰ (18 ذی الحج 35 ہجری): - محمد ابن سعد کی روایت کے مطابق مصر سے تقریباً 200 اور بصرہ سے 100 یعنی مجموعی طور پر تقریباً 900 باغیوں نے مدینہ کے قریب ذی خشب کے مقام پر ڈیرا ڈالا۔ یہ لوگ چار چار کے قافلوں کی صورت میں آئے تا کہ کسی کو شک نہ ہو۔ ان میں اکثریت مصریوں کی تھی۔ کیونکہ مصر ان کی تحریک کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ کو باغیوں کے آنے کی اطلاع مل گئی تھی لیکن انہوں نے اپنی طبیعت کی نرمی کے باعث درگزر سے کام لیا۔ باغیوں نے حضرت عثمان غنیؓ کی معزولی کا مطالبہ شروع کر دیا اور دھمکی دی کہ معزولی سے انکار کی صورت میں انہیں قتل کر دیا جائے گا۔

اس کے ساتھ ساتھ باغیوں نے حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے رابطے بھی کئے اور انہیں منصب خلافت قبول کرنے کے لیے کہا لیکن ان سب نے انکار کر دیا اور کہا کہ انہیں خوب معلوم ہے کہ ''ذوالمروہ'' ذوخشب اور اعوص کی فوجوں پر رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے لعنت کی ہے''

مصری حضرت علیؓ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ حضرت علیؓ کے انکار پر مصریوں نے پوچھا کہ پھر آپؓ حضرت عثمان غنیؓ اور ان کے اعمال کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کے لیے ہمیں خطوط کیوں لکھا کرتے تھے؟، آپؓ نے اس بات کی سختی سے تردید کی، جس پر باغیوں کو حیرت ہوئی اور معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کی طرف سے جعلی خطوط ابن سبا اور اس کے ساتھیوں نے پھیلائے تھے۔ جب باغیوں کو یقین ہو گیا کہ حضرت عثمانؓ خلافت سے دستبردار نہیں ہوں گے اور لوگ حج سے واپس آجائیں گے تو کسی بھی صوبے سے حضرت عثمان غنیؓ کو فوجی کمک پہنچ جائے گی تو باغیوں نے انتہائی اقدام کا منصوبہ بنایا۔

جمعۃ المبارک کے دن حضرت عثمان غنیؓ نے منبر نبوی خاتم النبیین ﷺ پر کھڑے ہو کر خطبے کا آغاز کیا۔ تو ایک شخص نے اٹھ کر کہا! ''عثمانؓ کتاب اللہ کو اپنا طرز عمل بنا''۔ آپؓ نے بڑی نرمی سے اسے بیٹھ جانے کا کہا لیکن اُس نے پھر یہی جملہ دہرایا۔ مسجد میں شور برپا ہو گیا۔ جہجا بن سعید غفاری کود کر منبر پر چڑھ گیا اور حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے رسول خاتم النبیین ﷺ کا عصا مبارک چھین کر توڑ دیا اور پرے پھینک دیا، پھر بلوائیوں نے عام پتھراؤ شروع کر دیا۔ حضرت عثمان غنیؓ زخمی ہو کر منبر سے نیچے گر گئے اور اسی حالت میں لوگوں نے انہیں اٹھا کر گھر پہنچایا۔

18 ذی الحج کو جمعۃ المبارک کے دن آپؓ معمول کے مطابق روزے سے تھے۔ آپؓ نے غسل کیا اور خلافِ عادت پاجامہ پہنا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ''آج میری حیات فانی کا آخری دن ہے۔ اگر تم میری آرزو اور خوش فہمی نہ سمجھو تو میں ایک عجیب بات تمہیں بتاؤں۔ میں نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے، آپ خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ تھے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''عثمان آج تم ہمارے ساتھ روزہ افطار کرنا'' بلوائیوں نے آپؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ حاضرین نے ایک مرتبہ پھر اصرار کیا کہ باغیوں کا مقابلہ کیا جائے لیکن آپؓ نہ مانے۔ اُس روز آپؓ نے 20 غلام آزاد کئے۔ اپنی اہلیہ کو فرمایا کہ شہادت کا وقت قریب ہے۔ پھر حضرت زبیرؓ کو اپنا وصی مقرر کیا۔ آپؓ اپنے گھر کے زنان خانہ میں اوپری منزل میں چلے گئے اور تلاوت قرآن میں مشغول ہو گئے، جبکہ آپؓ کے گھر کے دروازے پر حضرت امام حسنؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ بلوائیوں کو روکتے رہے۔ یہ دیکھ کر باغیوں کے لیڈر کنانہ بن بشر اور کچھ دوسرے ساتھی چھت سے کود کر حضرت عثمان غنیؓ کے خلوت خانہ میں گھس گئے سب سے پہلے بڑھ کر غافقی بن حرب نے حملہ کیا اور قرآن پاک کو پاؤں کی ٹھوکر ماری۔ کنانہ بن بشر نے لوہے کی ایک بھاری سلاخ اس زور سے حضرت عثمانؓ کی پیشانی پر ماری کہ آپؓ پہلو کے بل گر گئے اور فرمایا ''بسم اللہ توکلت علی اللہ'' پیشانی مبارک سے خون کا فوارہ بہہ نکلا، شور کی آواز سے آپؓ کی زوجہ محترمہ آگے بڑھیں۔ سودان بن حمران کی تلوار کو اپنے ہاتھ سے روکا جس سے ان کی تین انگلیاں کٹ گئیں۔ ان کی بری طرح توہین کی گئی پھر اس نے تلوار کے ضرب سے خلیفہء راشد کی زندگی کی ڈور کاٹ دی شہادت کے وقت آپؓ سورہ بقرہ کی آیت نمبر 137 فرما رہے تھے۔

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

ترجمہ: ان لوگوں کے مقابلے میں عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کافی ہو گا اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے''

اس میں شک نہیں کہ بنوامیہ سے حد سے زیادہ بڑھی ہوئی صلہ رحمی کے باوجود حضرت عثمان غنیؓ دنیا کے ایک عظیم ترین انسان تھے اور شہادت نے انہیں عظیم تر بنا دیا۔ **اس حادثے کا ایک اندوناک سلسلہ ردعمل شروع ہوا، جس نے مسلمانوں کی تمام تر توانائیوں کو چوس لیا۔** جنگ جمل، جنگ صفین، جنگ نیروان، حضرت علیؓ کی شہادت، حضرت حسینؓ اور مختار ثقفی کی شورش، عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت، حجاج بن یوسف کی سفا کی اور خون ریزی، بنوامیہ اور بنوعباس کی جنگ، اقتدار، **فرقہ خارجیہ اور فرقہ شعیہ کا ظہور سب ہی شہادت عثمانؓ کا نتیجہ تھے۔**

مسلمانوں کا سیاسی اور مذہبی اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔ ملت واحدہ بے شمار گروپوں اور فرقوں میں بٹ گئی۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت اسلام کی شکست ثابت ہوئی، دشمنوں کے دلوں سے مسلمانوں کا رعب اور خوف ختم ہو گیا۔ حضرت عثمانؓ اس قرآنی تصور کو کہ مسلمان وَالَّذِينَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ترجمہ: "اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحمدل ھیں" (سورۃ الفتح آیت نمبر 29) کو اپنے ساتھ ہی قبر میں لے گئے۔ حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو عمر مبارک 70 سال تھی۔ 6 سال تک فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ جب فتنوں نے سر اٹھایا تو عمر 76 سال تھی۔ جب فتنوں نے زور پکڑا تو عمر 80 سال سے زیادہ ہو گئی تھی۔ بنوامیہ نے آپؓ کی حلیمی، صلہ رحمی اور عمر رسیدگی سے فائدہ اٹھایا، دوسرے قبائل میں رقابت بڑھ گئی۔ ابن سبا نے غیر مطمئن عناصر کو آلہ کار بنا لیا۔ ایرانی، یہودی اور

مجوسیوں کو ساتھ ملا لیا، دورِ جدید کا ایک ایرانی مورخ کاظم زادہ اپنی تصنیف میں صاف لکھتا ہے۔

''جس دن سے سعد بن ابی وقاصؓ نے خلیفہ دوئم کی جانب سے ایران فتح کیا، ایرانی اپنے دل میں کینہ اور انتقام کا جذبہ پالتے رہے۔ کینہ اور انتقام کا یہ جذبہ مختلف مقام پر ظاہر ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ''فرقہ شعیہ'' کی بنیاد پڑ جانے سے کینہ وانتقام کا یہ جذبہ بالکل بے نقاب ہو گیا اور ارباب علم اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ ''شعیہ مذہب'' کی بنیاد وظہور میں اعتقادی مسائل ونظری اختلاف کے علاوہ ایک اور مسئلہ بھی داخل تھا۔ ایرانی اس بات کو کبھی نہیں بھول سکتے تھے کہ مٹھی بھر ننگے پاؤں پھرنے والے بادہ نشین عربوں نے ان کی مملکت پر قبضہ کر لیا۔ خزانہ کو لوٹ لیا اور بے گناہ انسانوں کو قتل کیا'' مورخ کاظم زادہ اپنی اس تصنیف'' تجلیات روح ایران در ادوارِ تاریخی '' میں آگے چل کر لکھتا ہے کہ

''ہمارے دانشمند بزرگوں کو نہ تو بنو فاطمہ سے عشق تھا اور نہ خاندان بنوامیہ سے دشمنی۔ ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ کسی بھی طرح عرب حکومت کا تختہ الٹا دیا جائے اور اپنی عظمت اور حکومت بحال کر لی جائے۔ چونکہ ہاشمی خلافت حضرت علیؓ کے بعد ختم ہو گئی اور اموی حکومت دنیائے اسلام کی مرکزی حکومت تسلیم کر لی گئی۔ اس طرح عرب عجم پر بری طرح مسلط ہو گیا۔ لہٰذا ہمارے پاس واحد چارہ کار یہی تھا کہ ہاشمیوں کا ساتھ دے کر ان کو دشمنی پر ابھارتے اور ہمارے بزرگوں نے ایسا ہی کیا''۔ مشہور دانشور عالم، مصنف اور مفسر قرآن جرمن نومسلم علامہ محمد اسد نے اپنی سوانح عمری شاہراہ مکہ (روڈ ٹو مکہ) میں یہاں تک لکھ دیا کہ

''ایران میں ماہ محرم کا ماتم ایرانی شہنشاہت کے خاتمے کا ماتم ہے''۔

حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کی طرح حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کی سازش بھی ایک عجمی سازش تھی۔ جو ایرانی شہنشاہت کے خاتمے کا انتقام تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف اصل منصوبہ ابن سبا، یہودی کا تھا۔

ایام محاصرہ میں حضرت عثمان غنیؓ نے اپنی تقریر کے دوران اپنی اقربا پروری اور صلہ رحمی کی وضاحت بھی کر دی تھی۔ آپؓ نے فرمایا:

''لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے خاندان سے محبت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ فیاضی کرتا ہوں۔ میری فیاضی میرے اپنے مال تک محدود ہے۔ مسلمانوں کا مال نہ میں اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں نہ کسی دوسرے کے لیے۔ میں رسول پاک خاتم النبیین ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں بھی اپنے مال سے گراں قدر عطیے دیتا تھا۔ حالانکہ میں اس وقت بخیل وحریص تھا۔ اب جبکہ میں اپنی خاندانی عمر کو پہنچ چکا ہوں، زندگی ختم ہو چکی ہے اور اپنا تمام سرمایا اہل وعیال کے سپرد کر دیا ہے تو ملحدین ایسی باتیں کرتے ہیں۔ میں نے کسی شہر پر خراج کا کوئی ایسا بوجھ نہیں ڈالا کہ مجھے الزام دیا جائے۔ جو لیا وہ انہیں لوگوں کی فلاح وبہبود پر خرچ کر دیا، میرے پاس صرف خمس آتا ہے اور اس میں سے بھی میرے لیے کچھ لینا جائز نہیں ہے۔ میں اس میں سے کچھ نہیں لیتا۔ یہاں تک کہ کھاتا بھی ہوں تو اپنے مال سے''

تدوین اشاعت قرآن پر بھی معترضین نے اعترض کیا، عرب میں ہر قبیلے کی الگ قرات تھی۔ قرآن پاک چونکہ قریش کی قرأت پر نازل ہوا تھا اس لیے حضرت حذیفہؓ اور حضرت علیؓ کے مشورہ پر قرآن پاک کو ایک قرات پر متفق کیا اور حضرت عثمان غنیؓ نے قرآن پاک کو ایک معیاری مصحف کی شکل میں تیار کر کے، کوفہ، بصرہ، دمشق، فسطاط وغیرہ میں بھجوا دیا۔ کیونکہ باقی زیادہ تر بدوی قبائل اور نومسلم تھے، اس لیے انہیں حضرت عثمان غنیؓ کی یہ خدمت بھی پسند نہ آئی۔ جب حضرت علیؓ کے زمانے میں ان کے سامنے کسی نے اعتراض کیا تو انہوں نے کہا'' خاموش'' حضرت عثمان غنیؓ نے یہ سب کچھ ہمارے مشورہ سے کیا تھا، اگر مجھے یہ کام کرنا پڑتا تو میں ایسا ہی کرتا۔

حضرت عثمان غنیؓ کی نماز:۔

(i) حضرت عثمان عبدالرحمٰن تیمیؓ کہتے ہیں مجھ سے میرے باپ نے کہا کہ'' عشاء کی نماز کے بعد میں ایک جگہ کھڑا ہو گیا۔ ایک شخص نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھا۔ وہ حضرت عثمانؓ بن عفان تھے۔ انہوں نے سورہ فاتحہ سے نماز شروع کی اور سارا قرآن ایک رکعت میں مکمل کیا اور پھر رکوع کیا''۔

(ii) عطا بن ابی رباحؒ سے روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ اس کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کلام اللہ کو ایک رکعت میں جمع کر دیا یہ رکعت وتر تھی۔

(iii) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت عثمان کو باغیوں نے شہید کر دیا تو ان کی بیوی نے کہا'' تم نے ایسے شخص کو شہید کر دیا جو ساری رات ایک رکعت میں قرآن مجید مکمل کرتا تھا''۔

حضرت عثمانؓ کی شان سخاوت:۔

(1) حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں قحط پڑا۔لوگ بہت پریشان تھے۔ایک دن حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا آج شام تک اللہ تعالیٰ ہماری پریشانی دور فرمادے گا چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار اونٹ غلے سے لدے ہوئے لے آئے۔اور حضرت عثمانؓ نے یہ تمام غلے سے لدے ہوئے اونٹ فقرا مدینہ کو اللہ کی راہ میں دے دیئے۔

(2) نبی کریم خاتم النبیین ﷺ جب مدینہ آئے۔تو مدینہ میں اس وقت پانی کی قلت تھی صرف ایک میٹھا کنواں تھا جس کا نام ''بیر رومہ'' تھا اور یہ کنواں ایک یہودی کے ملکیت تھا۔یہودی اس پانی کو جتنی قیمت میں چاہتا تھا فروخت کرتا تھا۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جو شخص اس کنویں کو خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کردے گا اس کے لئے جنت ہے'' حضرت عثمانؓ نے اس کنویں کو خرید کر وقف کردیا۔

(3) مسجد نبوی بہت ہی چھوٹی تھی۔اس کے قریب کی زمین فروخت ہورہی تھی آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جو شخص اس زمین کو خرید کر مسجد کے لئے وقف کردے گا اس کے لئے جنت ہے حضرت عثمانؓ 25 ہزار درہم میں یہ زمین خرید کر مسجد میں شامل کردی۔

(4) ایک مرتبہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے گھر میں چار دن کا فاقہ تھا۔حضرت عثمانؓ کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے کئی بورے گیہوں۔کئی بورے چھوہاروں کے ایک بکری کا گوشت اور تین سو روپے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے گھر بھیج دیئے۔اس کے ساتھ یہ بھی کہلوایا کہ کھانا پکانے میں دیر لگے گی میں پکا ہوا کھانا بھی بھیج رہا ہوں۔چنانچہ بہت سی روٹیاں اور بھنا ہوا گوشت تیار کروا کر بھیجا۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ جب مسجد سے گھر تشریف لائے تو معلوم کیا کہ یہ سب سامان کہاں سے آیا ہے؟ آپ خاتم النبیین ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ حضرت عثمانؓ نے بھیجا ہے۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا'' اے اللہ میں عثمانؓ سے راضی ہوں تو بھی عثمانؓ سے راضی ہوجا''۔

(5) غزوہ تبوک کی تیاری کے لئے حضرت عثمانؓ نے تین سو اونٹ بمعہ سامان پیش کئے۔نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" عثمانؓ کے اس عمل کے بعد اب انہیں آخرت میں کس چیز کی ضرورت ہوگی جو نجات کے لئے درکار ہو" ؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے یہ بات دو مرتبہ ارشاد فرمائی۔(مشکوۃ)

حضرت عثمانؓ کی نرم مزاجی:۔

''حضرت عثمانؓ بہت زیادہ نرم مزاج تھے۔یہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ نرم مزاجی کا برتاؤ کیا۔انہوں نے رعیت کے حقوق کا خیال رکھا۔اس لئے شریف لوگ آپؓ سے محبت کرنے لگے اور رذیل لوگوں نے ان کی نرمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں شہید کردیا''۔(طبرانی)

اسلامی جمہوریت کا خاتمہ:۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت سے اسلامی جمہوریت کی روح بری طرح پامال ہوئی۔اور حضرت علیؓ کی شہادت سے بالکل ختم ہوگئی۔خلافت اس کے بعد ملوکیت میں تبدیل ہوگئی۔**شہادت عثمانؓ سے دو متصادم گروہ ظہور پزیر ہوئے۔حضرت علیؓ کے حامی شعیان علی اور حضرت امیر معاویہؓ کے حامی شعیان معاویہ کہلائے۔(شعیان کا مطلب گروہ)ابتدا میں یہ سیاسی گروہ تھے۔جن کا مقصد اپنے امیدوار کو خلافت دلانا تھا۔بعد میں انہوں نے مذہبی رنگ اختیار کرلیا۔اور پھر متعدد فرقے شعیہ اور خارجی وجود میں آئے۔**

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (فاتح خیبر)

نام: علی

لقب: حیدر

کنیت: ابوالحسن وابوتراب

پیدائش: 13 رجب المرجب، یوم جمعہ

حضرت علیؓ 13 رجب المرجب، 30 عام الفیل (ہجرت سے 23 سال قبل) خانہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے۔

معمول یہ تھا کہ قبل ازیں ایک روز عورتیں زیارت کو آئیں، اتفاقاً عورتوں کی زیارت کے روز حضرت علیؓ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد نے اس کے باوجود کہ حمل کی مدت پوری ہو چکی تھی خانہ کعبہ کی زیارت کا ارادہ کیا چونکہ سال میں یہ دن ایک ہی بار نصیب ہوتا تھا، آپ سخت دشواری اور کمال مشقت سے خانہ کعبہ تک پہنچیں۔ ان دنوں خانہ کعبہ کا دروازہ بقدر قدم آدم بلند تھا جیسا کہ اب بھی ہے لیکن ان دنوں میں کوئی زینہ نہ لگتا تھا اور عورتوں کو بمشکل تمام مرد حضرات اس جگہ تک لاتے تھے۔ چنانچہ اسی حالت میں آپ کو دردزہ شروع ہو گیا اور خانہ کعبہ کے اندر ہی حضرت علیؓ پیدا ہوئے۔ یہ ایک حکم الٰہی ہے۔ اس سے حضرت علیؓ کی فضیلت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ثابت نہیں ہوتی (جیسا کہ روافض کا زعم فاسد ہے) آپؓ کا رنگ مبارک گندم گوں تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ بال بہت تھے، آپؓ کی ریش مبارک عریض تھی، قد چھوٹا تھا۔ آپؓ 8 سے 10 سال کی عمر میں ایمان لائے۔

حضرت علیؓ کی پرورش رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے زیر سایہ ہوئی۔ پس حضرت علیؓ نے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ سے براہ راست تعلیم و تربیت حاصل کی اور رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے سب اوصاف حمیدہ کو دیکھا۔ سمجھا اور ان پر عمل پیرا ہوئے۔ حضرت علیؓ نے بچپن ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا اور بچپن ہی سے پختہ ایمان آپ کے دل میں پیوست ہو گیا تھا۔ آپ نے کبھی اپنا سر بتوں کے سامنے نہیں جھکایا۔ اس لیے ہم آپؓ کے نام کے ساتھ تعظیماً کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں۔

رسول اکرم خاتم النبیین ﷺ پر تعلیم و تبلیغ کے سلسلے میں جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (سورہ الشعراء، آیت نمبر 214)

ترجمہ: ''آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرسنا دو" تو رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے ایک روز اپنے تمام قریبی رشتہ داروں کو کھانے پر مدعو کیا اور کھانے کے دوران اسلام سے متعارف کرایا۔ لیکن حضرت علیؓ کے علاوہ کسی نے بھی آپ خاتم النبیین ﷺ کی باتوں پر توجہ نہ دی۔ اس وقت حضرت علیؓ نے نہایت جرات سے کھڑے ہو کر کہا ''گو میری آنکھیں دکھ رہی ہیں۔ میری ٹانگیں بھی لاغر ہیں اور میں سب سے چھوٹا بھی ہوں لیکن میں پھر بھی رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کا ساتھی اور معاون رہوں گا''۔ قریش کے سرداروں نے جب حضرت علیؓ کو یہ کہتے سنا تو بہت زور سے ایک قہقہہ لگایا۔''

رسول پاک خاتم النبیین ﷺ حضرت علیؓ کو بہت چاہتے تھے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہؓ کی شادی حضرت علیؓ سے کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کو تین بیٹے حسنؓ، حسینؓ اور محسنؓ دیئے۔ محسن بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ ان تینوں بیٹوں کے علاوہ زینبؓ اور کلثومؓ آپ کی دو بیٹیاں بھی تھیں۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ مکہ سے مدینہ ہجرت پر جاتے ہوئے حضرت علیؓ کو لوگوں کی امانتیں سونپ کر گئے۔ حضرت علیؓ نے اس ذمہ داری کو بخیر و خوبی پورا کیا۔

اللہ کا شیر

حضرت علیؓ نے سب لڑائیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور بے مثال جوانمردی کا مظاہرہ کیا۔ مثلاً بدر کی جنگ کی ابتدا ہی میں ولید بن عتبہ نے مسلمانوں کو للکارا۔ حضرت علیؓ نے اس کا سامنا کیا اور تھوڑی ہی دیر میں اسے واصل بہ جہنم کر دیا۔ اس طرح جنگ احزاب میں عمرو بن عبدو جو کہ ایک نہایت تجربہ کار جنگجو مشرک تھا۔ وہ اور اس کا گھوڑا خندق کو پھاند کر مسلمانوں کے قریب پہنچ گئے۔ حضرت علیؓ نے اس کا مقابلہ کرنا چاہا تو اس نے تکبر سے کہا ''تم ابھی طفل مکتب ہو''۔ میرے پائے کے کسی آدمی کو بھیجو۔ حضرت علیؓ اس کا مقابلہ کرنے پر مصر ہوئے اور اس مشرک کو بھی آناً فاناً قتل کر دیا۔

خیبر کی جنگ کے دوران مسلمانوں کی ان تھک کوشش کے باوجود قموس نامی قلعہ فتح نہ ہو سکا تو رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" کل میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ سے محبت رکھتا ہے اور اس کا رسول خاتم النبیین ﷺ اس سے محبت رکھتے ہیں"۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 2975)

ہر مسلمان کی خواہش تھی کہ یہ عزت افزائی اسے ملے۔ دوسرے دن نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے جھنڈا حضرت علیؓ کو دے دیا۔ حضرت علیؓ نے اس یہودی قلعہ کو فتح کر لیا۔

اس لیے حضرت علیؓ کو فاتح خیبر سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت علیؓ کی ان ہی جنگجو صلاحتیوں کی وجہ سے آپ کو 'اسد اللہ' یا اللہ کے شیر کا خطاب ملا۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے نہ صرف ہجرت کے وقت مکہ کے لوگوں کی امانتیں آپؓ کے سپرد کیں، بلکہ آپؓ کو بڑی بڑی ذمہ داریاں بھی سونپی گئیں، مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ 9ھ میں امیر حج بن کر حج کے قافلے کے ساتھ گئے ان کے جانے کے بعد رسول پاک خاتم النبیین ﷺ پر سورہ توبہ (سورہ برات) نازل ہوئی۔ اس سورۃ کے وحی کے احکامات کے اعلان کے لیے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے حضرت علیؓ کو مکہ مکرمہ بھیجا۔ پس حضرت علیؓ نے حج کے موقعہ پر ہی اعلان کیا" آئندہ سال کوئی مشرک اور کوئی غیر مسلم مکہ میں داخل نہ ہوگا۔ اور آئندہ کسی کو ننگے جسم سے خانہ کعبہ کے طواف کی اجازت نہ ہوگی"۔

فاتح خیبر

مدینہ سے چند منزل دور خیبر عہد نبوی خاتم النبیین ﷺ کا اسرائیل بن چکا تھا۔ مدینے سے نکالے گئے یہودی وہاں جمع ہو گئے تھے۔ سب اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔ خیبر میں یہودیوں کے 6 قلعے اور 20000 جنگجو تھے، سامان جنگ وافر تھا۔ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کو ان کے عزائم کا علم ہوا تو آپ خاتم النبیین ﷺ سانپ کو اس کے بل میں رکھنے کے لیے 600 جانثار اصحابہ کرامؓ کے ساتھ اچانک خیبر پہنچ گئے اور یہودیوں کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ 20 دن تک جاری رہا۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں میں نفاق ڈال دیا اور وہ متحد ہو کر نہ لڑ سکے۔ یکے بعد دیگرے ان کے پانچ قلعے فتح ہو گئے، مگر چھٹا قلعہ فتح ہونے میں نہ آتا تھا۔ بڑے بڑے صحابہؓ مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اسلام کا پرچم ہاتھ میں لے کر قلعہ پر حملہ آور ہوئے لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ ایک شام نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''کل میں اس شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح دے گا اور جسے اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ سے محبت ہے اور اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ بھی اس سے محبت کرتے ہیں''۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 2975)

یہ ایک اہم اعلان تھا، قدرتی طور پر ہر صحابیؓ یہ چاہتا تھا کہ یہ اعزاز اس کے حصے میں آئے۔ فیصلہ کن صبح نمودار ہوئی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ایک نوجوان کو طلب کیا۔ نام سن کر صحابہ کرامؓ متعجب رہ گئے اور عرض کیا" وہ تو سخت آشوب چشم میں مبتلا ہیں اور اپنے خیمے میں ہیں"۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا" انہیں لے آؤ"۔ ارشاد نبوی خاتم النبیین ﷺ کی تعمیل ہوئی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے نوجوان کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی۔ حیرت انگیز طور پر آنکھوں کی تکلیف ختم ہوگئی، پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنے دست مبارک سے انہیں لشکر اسلام کا پرچم عطا کیا اور فرمایا:

''جاؤ اللہ حافظ و ناصر ہو' پہلے قموص یہودیوں کو نرمی سے سلام پیش کرنا۔ اگر ایک شخص بھی تمہاری تبلیغ سے اسلام لے آئے تو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے"۔ لیکن قموص کے یہودیوں پر اسلام کا کوئی اثر نہ ہوا، گھمسان کی جنگ ہوئی 20 مسلمان شہید ہوئے اور ناقابلِ تسخیر سمجھا جانے والا قلعہ بھی فتح ہو گیا۔ یہ نوجوان جن کے ہاتھ پر یہ قلعہ فتح ہوا، حضرت علیؓ تھے۔ ہجرت کی رات جب آپ خاتم النبیین ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ مکہ سے نکلے تو حضرت علیؓ کو آپ خاتم النبیین ﷺ بستر مبارک پر سوتا چھوڑ کر گئے تاکہ مسلمانوں کی امانتیں لوٹا کر مدینہ آئیں۔ جنگ بدر کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنی محبوب ترین صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے کر دیا۔

حج اور اعلان برات

ذی قعدہ 9 ہجری میں آپ خاتم النبیین ﷺ نے تین سو مسلمانوں کا قافلہ حج بیت اللہ کے لیے روانہ کیا تھا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر حج مقرر فرمایا۔ ان کی روانگی کے بعد سورہ توبہ کی ابتدائی چالیس آیات نازل ہوئیں، ان آیات میں احکامات تھے۔ ان احکامات کے پیش نظر آپ خاتم النبیین ﷺ نے حضرت علیؓ کو روانہ کیا تاکہ حج کے موقع پر یہ احکامات تمام مجمع حج کو پڑھ کر سنا دیں اور اعلان کر دیں کہ آئندہ سال سے کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور جن مشرک قبائل کے مسلمانوں سے معاہدے تھے وہ چار ماہ کے بعد ختم ہو جائیں گے۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ نے خطبہ میں حج کے مسائل بیان کیے اور حضرت علیؓ نے سورۃ توبہ کی ابتدائی چالیس آیات پڑھ کر سنائیں، وہاں عرب کے اطراف سے آنے والے ہزاروں کفار اور مشرکین موجود تھے اور مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تھی۔ اعلان برات (بیزاری) سن کر مشرکین منہ تکتے رہ گئے اور ان پر کعبہ کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند کر دیئے گئے۔

حضرت علیؓ نے آپ خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شرکت کی، نیز جس جنگ میں بھی آپ خاتم النبیین ﷺ نے انہیں دستے دے کر بھیجا

آپ ؓ کامیاب لوٹے۔خلفائے ثلاثہ اور حضرت علیؓ کے تعلقات ہمیشہ برادرانہ رہے۔حضرت عثمان غنیؓ کے گھر کو جب باغیوں نے گھیرا تو آپؓ نے حضرت امام حسنؓ، امام حسینؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کو پہرہ دینے کے لیے حضرت عثمان غنیؓ کے گھر کے دروازے پر متعین کر دیا تھا لیکن باغی ان کی چھت کے ذریعے گھر کے بالائی حصے میں جا کر حضرت عثمان غنیؓ کو شہید کرنے میں کامیاب ہو گئے، جب حضرت علیؓ کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے سخت رنج وغصہ کی حالت میں حضرت امام حسنؓ اور حضرات امام حسینؓ کو تھپڑ بھی مارے کہ تمہارے ہوتے ہوئے یہ واقعہ کیسے پیش آیا۔پھر آسمان کی طرف سر اٹھا کر فرمایا 'خدایا میں عثمانؓ کے خون سے اپنی برات ظاہر کرتا ہوں' جنہیں قرآن نے ''رحما بینھم'' کا سر ٹیفکیٹ دیا وہ ایک دوسرے کے دشمن کیسے ہو سکتے ہیں؟۔

حضرت علیؓ کے انتخاب بطور خلیفہ اور ان کے انتخاب کے بعد کے حالات کی طرف توجہ دینے سے پہلے ان کی ایک تقریر بیان کی جاتی ہے جو انہوں نے ایک سوال کے جواب میں کی تھی۔یہ سوال ابن الکوا اور قیس بن زیاد نے کیا تھا۔سوال یہ تھا لوگ کہتے ہیں "رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے آپؓ سے عہد لیا تھا کہ ان کے بعد آپؓ خلیفہ ہوں گے؟ لہٰذا آپؓ ہمیں حقیقت حال سے آگاہ کریں۔آپؓ سے زیادہ حقدار کون ہو سکتا ہے"؟ حضرت علیؓ نے فرمایا:

''بخدا یہ غلط ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے مجھ سے کوئی عہد لیا تھا، جب میں نے سب سے پہلے آپ خاتم النبیین ﷺ کی تصدیق کی تو سب سے پہلے آپ خاتم النبیین ﷺ پر جھوٹ کیوں بولوں گا۔اگر آپ خاتم النبیین ﷺ نے خلیفہ بنانے کا عہد مجھ سے لیا ہوتا تو میں ابو بکرؓ اور عمرؓ کو مسجد نبوی خاتم النبیین ﷺ کے منبر پر کھڑا نہ ہونے دیتا اور دونوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیتا۔اگر چہ اس وقت میرا کوئی ساتھی نہ بھی ہوتا۔پھر اس بات پر بھی غور کرو کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نہ تو اچانک قتل ہوئے نہ ناگہانی موت آئی بلکہ عرصہ تک بیمار رہے۔مؤذن آ کر آپ خاتم النبیین ﷺ کو نماز کی امامت کے لیے کہتا تو آپ خاتم النبیین ﷺ حکم دیتے ''ابو بکرؓ سے کہو امامت کروائیں' حالانکہ میں بھی وہاں موجود ہوتا تھا۔چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کئی دن تک نماز کی امامت کرواتے رہے اور آپ خاتم النبیین ﷺ اپنے حجرہ مبارکہ سے انہیں دیکھتے رہے۔ایک مرتبہ آپ خاتم النبیین ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے کسی (حضرت عائشہؓ) نے اس سے یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ کو امامت سے باز رکھنا چاہا تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے غصہ سے فرمایا ''تم یوسفؑ کے زمانے کی خواتین کی مانند لگ رہی ہو، ابو بکر صدیقؓ سے کہو کہ وہی نماز پڑھائیں'۔(مسند احمد، جلد 10 حدیث نمبر 10984)

جب آپ خاتم النبیین ﷺ فوت ہو گئے تو ہم سب نے اس معاملہ پر غور کیا اور اس شخص کو اپنی دنیا کی امامت کے لیے بھی قبول کر لیا جس کو آپ خاتم النبیین ﷺ ہماری نماز کی امامت کا حکم فرمایا کرتے تھے۔پھر میں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کا حق بیعت ادا کیا ان کی اطاعت کی اور ان کی طرف سے لڑا (یعنی جہاد کیا) انہوں نے جو کچھ مجھے دیا میں نے بخوبی قبول کیا، میں ان کے سامنے مجرموں کو اپنے درہ سے حدود جاری کرتا تھا۔انہوں نے بوقت انتقال حضرت عمرؓ کو خلیفہ منتخب کیا اور ہم میں سے کسی نے بھی نہ تو مخالفت کی اور نہ ہی بیزاری ظاہر کی۔میں نے حضرت عمرؓ کا بھی حق ادا کیا اور ان کی طرف سے لڑا (جہاد کئے) ان کے عہد خلافت میں بھی میں نے اپنے کوڑے سے مجروں کو سزا دی۔حضرت عمرؓ نے انتخاب کے لیے مجلس شوریٰ کا قیام فرمایا۔حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے نہایت غور وخوض اور باہمی مشاورت کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کا ہاتھ تھام لیا، لہٰذا میں نے بھی حضرت عثمان غنیؓ کی بیعت کر لی۔حضرت عثمان غنیؓ کے شہید ہونے کے بعد کوفہ اور بصرہ کے لوگوں نے میری بیعت کر لی اور اب خلافت کے لیے ایک ایسا شخص میرا مد مقابل بن گیا جو قرابت رسول خاتم النبیین ﷺ اور سبقت اسلامی میں میرا مدِ مقابل ہو ہی نہیں سکتا' (یعنی امیر معاویہؓ)

ظاہر ہے حضرت علیؓ نے انتخاب خلیفہ کو جمہوری اور شورائی عمل سمجھ کر قبول کیا۔موروثی حق امامت کا کوئی خیال ان کے ذہن میں نہ تھا۔

حضرت علیؓ کی بیعت (کارِ مشکل)

24 ذی الحجہ 35 ہجری، علامہ ابن جریر طبریؒ کی روایت کے مطابق حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد پانچ دن تک مدینہ منورہ پر باغیوں کا قبضہ رہا۔مصریوں کا سرغنہ غافقی بن حرب مسجد نبوی خاتم النبیین ﷺ میں نماز کی امامت کرواتا تھا۔اہل مدینہ پر سراسیمگی طاری تھی۔مملکت اسلامیہ سربراہ حکومت سے زبردستی محروم کر دی گئی تھی جس کی کبھی توقع نہ تھی۔باغیوں کو یہ بھی خطرہ تھا کہ نیا خلیفہ سب سے پہلے حضرت عثمان غنیؓ کے باغیوں کو گرفتار کروا کر انتقام لے گا۔ان کو معلوم تھا کہ خود ان ہی میں سے کوئی خلیفہ منتخب نہیں ہو سکتا۔لہٰذا انہوں نے اکابر صحابہؓ اور عشرہ مبشرہ کے پاس جانا آنا شروع کر دیا، حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد کوئی دوسرا شخص حضرت علیؓ سے بڑھ کر خلافت کے لے موزوں نہ تھا۔لیکن جب حضرت علیؓ سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ بخدا مجھے شرم آتی ہے کہ عثمانؓ مظلومانہ شہید ہوں اور میں ان کی جگہ خلافت کا منصب سنبھال لوں، تم کسی کو بھی یہ منصب دے دو اور مجھے ان کا وزیر رہنے دو اور باغیوں کو یہ بھی کہا کہ خلیفہ کا چناؤ ''اہل شوریٰ اور اہل

بدر کا حق ہے'' اس پر باغیوں نے اکابر صحابہ اور اہل مدینہ کو نوٹس دے دیا کہ اگر تین دن تک خلیفہ مقرر نہ کیا گیا تو ہم علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ تینوں کو قتل کر دیں گے۔ یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔ سب نے مل کر حضرت علیؓ کو راضی کیا کہ اگر آپؓ خلافت قبول نہ کریں گے تو فتنوں کا دروازہ کھل جائے گا۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ بیعت خفیہ طور پر گھر میں نہیں ہوگی بلکہ مسجد نبوی خاتم النبیین ﷺ میں جیسے ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کی بیعت ہوئی تھی ویسے ہی ہوگی۔ چنانچہ مسجد نبوی خاتم النبیین ﷺ میں مہاجرین اور انصار نے آپؓ کی بیعت کی۔ اس کے بعد دوسرے دن باغیوں نے بھی بیعت کی۔ بعض صحابہؓ نے بیعت نہیں کی لیکن مخالفت بھی نہ کی۔ بہر حال حضرت علیؓ چوتھے خلیفہ راشد منتخب ہو گئے۔ حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف بلوہ اور بغاوت نے نظم و نسق حکومت اور معاشرے کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ قانون کی بالادستی کو سخت نقصان پہنچا تھا۔

شام میں حضرت امیر معاویہؓ آزادی و خلافت کے خواب دیکھنے لگے تھے، حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں حکومت کے منصوبوں پر بنوامیہ کے لوگ فائز تھے، وہ حضرت علیؓ پر زور دینے لگے کہ جلد از جلد حضرت عثمان غنیؓ کے قاتلوں کا قصاص لیں۔ لوگ بار بار حضرت علیؓ کے پاس آتے اور قصاص پر زور دیتے۔ وہ یہی جواب دیتے "میں اس سے غافل نہیں ہوں لیکن ایسی جماعت کے ساتھ کیا کروں جس پر میرا قابو نہیں"۔ حضرت علیؓ کی خلافت کے ابتدائی ایام میں ان کی فوج باغیوں پر ہی مشتمل تھی۔ دوسرے مسلمان بہت کم تھے۔ اس باغی گروہ میں قاتلین عثمانؓ بھی شامل تھے۔ ان سب نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ حضرت معاویہؓ نے قصاص عثمانؓ کو اپنی بیعت کی شرط قرار دیا لیکن جب حضرت علیؓ نے تمام صوبوں کے عمال کو برطرف کرنے کا فیصلہ کیا اور امیر معاویہ کو شام کی گورنری سے معزول کیا تو انہوں نے قصاص کا معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا، بیعت سے انکار کر دیا اور نئے گورنر کو چارج نہیں دیا۔ دراصل ان کے پیش نظر سیاسی خودمختاری تھی اور اب موقع اچھا تھا، بنوامیہ اور بنوہاشم کی زمانہ جاہلیت کی رقابت از سرنو ابھر آئی تھی۔ طویل زمانہ امارت نے حضرت معاویہؓ کو جوڑ توڑ کا ماہر بنا دیا تھا۔ ان کا طرز عمل غیر آئینی تھا۔ انہوں نے مرکز حکومت کی اطاعت سے انکار کیا۔ اب حضرت علیؓ کے پاس تلوار کے سوا اور کوئی علاج نہ تھا۔ حضرت علیؓ یہ جانتے ہوئے کہ اب پہلی مرتبہ مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں کے خلاف چلیں گی، جنگی کارروائی کے لیے مجبور ہو گئے کیونکہ وہ مملکت اسلامی کو دو ٹکڑے ہوتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔

اکثر صحابہؓ موجودہ صورتِ حال سے پریشان تھے۔ ایسے بھی تھے جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی مخالفت کی اور ایسے بھی تھے جنہوں نے احتیاط کا تقاضہ سمجھ کر غیر جانبداری اختیار کی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن عمرؓ، محمد بن سلمہؓ اور اسامہ بن زیدؓ نے فریقین میں سے کسی کا ساتھ نہ دینے کا فیصلہ کیا۔ حضرت سعدؓ نے کہا کہ ''اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں اس جنگ میں شریک ہوں تو مجھے ایسی تلوار دیجئے جو کافر پر تو چلے لیکن مسلمان پر نہ چلے''۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ ''آپؓ مجھے ایسی چیز میں شرکت پر مجبور نہ کریں جس کے حق اور باطل ہونے کا فیصلہ میں نہ کر سکوں''۔ محمد بن سلمہؓ نے کہا کہ ''رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے مجھے حکم دیا تھا کہ اپنی تلوار کو مشرکوں کے مقابلے میں استعمال کروں اور جب مسلمانوں سے لڑنے کا وقت آئے تو اسے کوہ احد کے پتھروں پر مار کر توڑ دوں چنانچہ کل میں نے اسے توڑ دیا ہے'' اسی طرح اسامہ بن زیدؓ نے کہا کہ ''مجھے اس میں شرکت سے معاف رکھا جائے۔ میں نے عہد کیا ہے کہ کلمہ شہادت پڑھنے والوں سے جنگ نہ کروں گا''

تاہم ایسے صحابہؓ بھی تھے جنہوں نے حضرت علیؓ کا ساتھ دیا مہاجرین قریش زیادہ تر الگ رہے، مدینہ کے لوگ متفق الرائے نہ رہ سکے۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی بیعت بھی قصاص عثمانؓ پر مشروط تھی اور یہ وقتاً فوقتاً حضرت علیؓ کو یاد دلاتے رہتے تھے۔

حضرت عثمان غنیؓ کے محاصرے کے دوران حضرت عائشہ صدیقہؓ حج کے لیے مکہ تشریف لے گئیں تھیں، حج سے واپسی پر انہیں حضرت عثمانؓ کی شہادت اور حضرت علیؓ کی بیعت کی خبر ملی۔ مدینے کے مخدوش حالات کی وجہ سے آپؓ مکہ چلی گئیں۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی پہنچ گئے اور آپؓ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ ہم لوگ بدوؤں، غلاموں اور عوام کے ہنگامے سے جان بچا کر یہاں آ گئے ہیں۔ مدینے میں لوگ حق و باطل کو پہچاننے سے عاری ہیں۔ اپنی حفاظت نہیں کر سکتے ہیں۔ عثمانؓ کے قصاص کی وہاں کوئی صورت نہیں۔ اب ان تینوں برگزیدہ ہستیوں (حضرت عائشہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ) نے حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے اور فتنہ فساد کی اصلاح کا پروگرام بنایا۔ حضرت عائشہؓ نے اہل مکہ کے ایک بڑے مجمع کے سامنے ایک مختصر اور موثر تقریر کی۔ ''لوگو مختلف ملکوں کے غلاموں، عوام اور اجنبیوں نے چند معمولی باتوں پر عثمانؓ کو شہید کر دیا ہے۔ خدا کی قسم عثمانؓ کی ایک انگلی ان جیسے سارے روئے زمین کی عوام سے بڑھ کر ہے۔ عثمانؓ کے خون کا قصاص لے کر اسلام کو معزز کرو''۔

مجمع میں جوش و خروش پھیل گیا ہزاروں لوگ عثمانؓ کے قصاص کی خاطر لڑنے مرنے کو تیار ہو گئے۔ طبریٰ کا بیان ہے کہ جب مکہ سے حضرت عائشہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ لشکر کو لے کر روانہ ہوئے تو اس روز سے زیادہ لوگ اسلام پر کبھی نہ روئے، مسلمانوں کی تلواریں اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف برہنہ ہونے والی تھیں۔

جنگ جمل

جمادی الثانی 36، دسمبر 656: حضرت عائشہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ اپنے لشکر سمیت بصرہ روانہ ہوئے، حضرت علیؓ کی نظر میں حضرت عائشہؓ، حضرت زبیرؓ، اور حضرت طلحہؓ کی حیثیت معاویہ سے کہیں زیادہ تھی۔ حضرت علیؓ کو ان تینوں کی طرف توجہ کرنی پڑی ورنہ معاویہ کے لیے وہ کافی تھے، حضرت علیؓ نے شام کا ارادہ ترک کر کے ان تینوں کے تعاقب میں جانے کا فیصلہ کیا۔ روانگی کے وقت حضرت علیؓ کے ساتھ صرف 100 آدمی تھے جو زیادہ تر وہی اہل کوفہ اور بصرہ تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش میں حصہ لیا تھا اور جن سے پیچھا چھڑانے کے لیے حضرت علیؓ کو کوفہ سے کمک پہنچ گئی لیکن وہ مسلمانوں کو باہم لڑانا اور خون بہانا نہیں چاہتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت سبائی سازش اور ایک محدود گروہ کی بغاوت کا نتیجہ تھی۔ حضرت عثمانؓ نے اپنی زندگی میں اپنے حامیوں کو دفاع میں ہتھیار اٹھانے سے سختی سے منع کیا تھا۔ حضرت علیؓ یہ سب جانتے تھے، آپؓ مسلمانوں کا خون بہانے والا سپہ سالار خلیفہ نہیں بننا چاہتے تھے۔ کوفہ کے مردوں میں بزرگ صحابیؓ حضرت قعقعؓ بن عمرو بھی تھے۔ انہوں نے جنگ قادسیہ اور دوسری جنگوں میں کارنامے انجام دیئے تھے۔ حضرت علیؓ نے انہیں حضرت عائشہؓ، حضرت زبیرؓ، اور حضرت طلحہؓ سے مصالحت کے لیے بھیجا انہوں نے وہاں بڑی معقول اور دردمندانہ تقریر کی اور باہمی کشمکش کے مہلک نتائج سے آگاہ کیا اور قصاص عثمانؓ کے لیے پرامن وسکون کی فضا پیدا کرنے پر زور دیا۔ حضرت عائشہؓ، حضرت زبیرؓ، اور حضرت طلحہؓ نے کہا کہ اگر تمہارے علیؓ کے یہی خیالات ہیں تو ہم مصلحت پر آمادہ ہیں۔ انشاءاللہ معاملات اصلاح پذیر ہو جائیں گے۔

صلح کی امید

قعقاعؓ خوش خوش حضرت علیؓ کے پاس گئے اور حضرت عائشہؓ، حضرت زبیرؓ، اور حضرت طلحہؓ کی تمام باتیں بتائیں۔ وہ بھی بہت خوش ہوئے۔ حضرت علیؓ نے لشکر کے سامنے خطبہ دیا اور اگلے دن بصرہ کی طرف کوچ کرنے کا عزم ظاہر کیا اور باتوں کے علاوہ یہ بھی فرمایا کہ ''ہمارے ساتھ کوئی ایسا شخص ہرگز نہ جائے جس نے عثمانؓ کے قتل میں کسی قسم کی معاونت کی ہو یا اس میں کسی قسم کا حصہ لیا ہو۔ یہ لوگ ہم سے جدا ہو جائیں''۔

سبائی گروہ کی شرانگیزی

سبائی گروہ کو فکر ہوئی کہ اگر گروہوں میں صلح ہوگئی تو ہم مارے جائیں گے۔ عبداللہ ابن سبا نے کہا کہ حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کو مزید موقع نہ دو اور طرفین پر اندھیرے میں حملہ کردو۔ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ یہ سمجھیں گے کہ علیؓ نے غداری کی ہے اور حضرت علیؓ یہ سمجھیں گے کہ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ نے غداری کی ہے۔ جب ایک دفعہ جنگ کی آگ بھڑک اٹھے گی تو پھر کسی کے بجھانے سے نہ بجھے گی۔ اس رائے کو سب نے پسند کیا اور پھر رات کے اندھیرے میں دونوں طرف کی فوجوں پر حملہ کردیا۔ دونوں فریقین غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔ دونوں اپنے اپنے لوگوں کو روکنے کی کوشش کرتے رہے لیکن بات نہ بنی۔

حضرت علیؓ نے اپنی تلوار بے نیام کرنے سے پہلے ایک آخری کوشش کے طور پر حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کو پکارا کہ ایک منٹ کے لیے آگے آ کر ان کی بات سن لیں۔ چنانچہ دونوں بزرگ اپنے لشکر سے نکل کر حضرت علیؓ کے قریب آ گئے۔ حضرت علیؓ نے حضرت زبیرؓ کو یاد دلایا کہ ''تمہیں وہ دن یاد ہے جب ہم آپس میں نہیں بول رہے تھے تو رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے تم سے پوچھا" تمہیں علیؓ سے محبت ہے"۔ تم نے کہا" ہاں" اس پر آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" ایک دن آئے گا کہ تم علیؓ سے لڑو گے اور زیادتی تمہاری ہوگی''۔ حضرت زبیرؓ نے کہا" ہاں مجھے یاد آ گیا ہے۔ واللہ اب میں تم سے ہرگز نہ لڑوں گا"۔ یہ کہہ کر حضرت زبیرؓ لڑائی کے میدان سے نکل گئے۔ انہوں نے اپنے فرزند عبداللہ بن زبیرؓ کو بھی ساتھ لے جانا چاہا لیکن انہوں نے اپنی خالہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو میدان میں اکیلا چھوڑنا نامناسب خیال کیا۔

حضرت زبیرؓ مدینے کے عزم سے نکلے تھے کہ بصرہ سے چند میل دور ایک شخص (عمرو بن جرموز) نے انہیں عین حالت نماز میں دھوکے سے قتل کر دیا اور زبیرؓ کا سر اور تلوار لے کے حضرت علیؓ کی خدمت میں آیا۔ حضرت علیؓ کو سخت دکھ ہوا اور قاتل کو دوزخ کی بشارت دی۔ حضرت طلحہؓ نے بھی لڑائی سے کنارہ کش ہونے کا فیصلہ کیا، وہ لڑائی سے نکلنا چاہتے تھے کہ مروان بن الحکم نے انہیں زہر آلود تیر سے زخمی کر دیا جس سے وہ شہید ہو گئے۔ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ دونوں شہید ہو گئے تو حضرت عائشہؓ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر لوگوں کو روکنے کے لیے آگے آئیں، وہی جنگ کا محور بن گیا۔ ہر طرف سے حضرت عائشہؓ پر تیروں کی بارش شروع ہوگئی، لوگوں نے اونٹ کے گرد گھیرا ڈال لیا اور 4700 جانوں نے ان کی حفاظت میں اپنی جان دے دی۔ حضرت علیؓ نے سمجھ لیا کہ جب تک اونٹ اپنی جگہ پر قائم ہے جنگ بند نہیں ہو

گی۔اس لیے حکم دیا کہ اونٹ کی کونچیں کاٹ دی جائیں۔اونٹ کے بیٹھتے ہی حضرت عائشہؓ کی فوج کا جھنڈا سرنگوں ہو گیا۔حضرت عائشہؓ کی فوج بزدل ہو گئی اور عصر کے وقت لڑائی بند ہو گئی۔اسلام پر دشمنوں کی بجائے خود مسلمانوں کے ہاتھوں تباہی آئی ہے۔اونٹ کے بیٹھنے کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ کے سوتیلے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کو کہا کہ جا کر اونٹ سے ان کا ہودج الگ کریں۔پھر حضرت علیؓ بھی وہاں پہنچ گئے اور پوچھا ''اماں مزاج کیسا ہے'' ؟ فرمایا ''اچھی ہوں''۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ''اللہ آپؓ درگزر کریں'' جواب دیا '' آپؓ بھی درگزر کریں'' جنگ جمل میں 10000 مجاہدین دونوں طرف سے کام آئے۔ جنگ کے بعد روسائے شہر حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔حضرت قعقاع ؓ بن عمرو بھی ان کے ساتھ تھے۔حضرت عائشہؓ نے ان سے فرمایا کہ '' کاش میں آج سے بیس برس پہلے مرگئی ہوتی'' قعقاعؓ نے یہ بات حضرت علیؓ کو جا کر بتائی انہوں نے بھی ایسا ہی فرمایا۔چند روز آرام کے بعد حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکرؓ کو حکم دیا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو عزت اور احترام کے ساتھ مکہ پہنچادیں۔سواری، زادِراہ، نقد جنس سب مہیا کیا گیا، چند میل تک خود ساتھ آئے پھر حضرت حسنؓ ایک دن کی مسافت تک پہنچانے گئے، رخصت ہوتے وقت حضرت عائشہؓ نے فرمایا ''میرے بچو! یہ جنگ محض غلط فہمیوں کا نتیجہ تھی۔میرے اور علیؓ کے درمیان کبھی کوئی رنجش نہ تھی"۔حضرت علیؓ نے فرمایا ''ام المومنین سچ فرماتی ہیں– یہ دنیا اور آخرت دونوں میں ہمارے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا حرم ہیں"۔حضرت عائشہ صدیقہؓ مکہ سے ہوتی ہوئی مدینہ چلی گئیں۔جب کبھی جنگ جمل کا واقعہ یاد آجاتا تو بے اختیار آنسو بہانے لگتیں تھیں، جنگ جمل اسلامی تاریخ کا ایک بے حد دردناک واقعہ ہے۔حضرت عثمانؓ کے خلاف بلوہ کرنے والے باغیوں نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔اس بات کو معاویہؓ نے یہ سمجھا کہ بلوائی حضرت علیؓ کے ساتھی ہیں۔

جنگ صفین

جنگ جمل کے بعد حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ سے مصالحت کی بھرپور کوشش کی اور معاویہؓ کو بیعت کی دعوت دی لیکن امیر معاویہ نہ مانے۔انہوں نے قتل عثمانؓ کے قصاص کو لازمی قرار دیا، آخری چارہ گر کے طور پر حضرت علیؓ نے ذی الحجہ 36 ہجری 80000 کے لشکر جرار کے ساتھ شام کی طرف پیش قدمی کی۔دونوں لشکر صفین کے مقام پر پہنچ گئے۔مصالحت کی بہت کوشش کی گئی لیکن معاویہؓ نہ مانے۔چھوٹی چھوٹی جھڑپوں کے ساتھ لڑائی کا آغاز ہوا۔اس دوران بھی ملت کے خیر خواہ صحابہ کرامؓ حضرت معاویہؓ کے پاس گئے اور انہیں جنگ سے باز رہنے اور حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا مشورہ دیا لیکن ان کا جواب صرف یہ تھا کہ

''اگر علیؓ، عثمانؓ کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کردیں تو میں سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلوں گا''

دونوں بزرگوں نے جا کر حضرت علیؓ کو یہ بات بتائی۔یہ سن کر حضرت علیؓ کے لشکر سے 20000 آدمی اٹھ کھڑے ہوئے اور نعرہ لگایا کہ ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں۔یہ دیکھ کر حضرت ابو درداؓ اور حضرت ابو امامہؓ باہلی ساحل کی طرف چلے گئے۔حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کی تعداد شروع میں ڈھائی ہزار تھی لیکن ابن سبا کی چالوں سے اب یہ تعداد 20000 ہو گئی تھی اور حضرت علیؓ کے لیے اِن پر قابو پانا مشکل تھا۔

صفر کے مہینے میں یہ جنگ اپنی تمام تر ہولنا کیوں کے ساتھ شروع ہو گئی اور کئی ماہ جاری رہی۔جب میدان زار میں حضرت معاویہؓ کو ہارتی ہوئی صورت نظر آئی تو ان کے دست راس حضرت عمرو بن العاصؓ نے قرآن پاک نیزوں پر اٹھانے کا ڈھونگ رچایا کہ ہمارے درمیان اب قرآن فیصلہ کرے گا۔

تحکیم کی پیش کش

یہ دیکھ کر حضرت علیؓ کے لشکر نے لڑنے سے انکار کر دیا۔حضرت علیؓ نے بہت سمجھایا کہ یہ ایک بہانا ہے لیکن لشکر نہ مانا اور جنگ بندی کرنی پڑی۔اب حضرت علیؓ کے لشکر میں سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور امیر معاویہؓ کے لشکر میں ان کے دست راس ''عمرو بن العاص'' کو حکم تجویز کیا گیا، دونوں نے مل کر فیصلہ کرنا تھا اور کسی ایک نتیجہ پر پہنچنا تھا۔تو حضرت ابوموسیٰؓ کو حضرت عمرو بن العاص نے لالچ دیا کہ ''معاویہؓ کو مسلمانوں کی امارات پر فائز کردو تو جس شہر کی حکومت تم پسند کرو گے وہ تمہیں دے دی جائے گی''۔

ابوموسیٰؓ نے جواب دیا ''عمرو اللہ سے ڈرو"۔معاویہؓ اور علیؓ کا کیا مقابلہ'' غرض حضرت ابوموسی اشعریؓ معاویہؓ کو خلیفہ بنانے پر متفق نہ ہوئے تو عمرو بن العاص نے دوسری ترکیب بتائی اور کہا "ہم دونوں کو معزول کر دیتے ہیں اور امت کو اختیار دیتے ہیں کہ وہ کسی اور کو خلیفہ بنالیں"۔اس پر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ متفق ہو گئے۔حالانکہ یہ ایسی بات تھی جس کا ممکن ہونا اختیار میں نہیں تھا۔عمرو بن العاصؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو پہلے بات کرنے کے لیے کہا" آپ بڑے اور معتبر ہیں"۔ابوموسیٰؓ نے کہا۔''میں نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے خلافت کو شوریٰ پر چھوڑ دیا۔آئندہ تم جسے چاہو اپنا خلیفہ چن لو'' ان کے بعد عمرو بن العاص کھڑے ہوئے اور کہا ''لوگو

آپ نے ابوموسیٰؓ کا فیصلہ سن لیا ہے۔انہوں نے حضرت علیؓ کو معزول کر دیا ہے اور میں بھی انہیں معزول کرتا ہوں لیکن میں معاویہؓ کو برقرار رکھتا ہوں"۔عمرو کا یہ بیان سن کر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ چلائے ''خدا تم کو توفیق نہ دے یہ تم نے کیا کہا تم نے دھوکا دیا اور بدعہدی کی''لیکن تیر اب کمان سے نکل چکا تھا۔حاضرین کو یقین تھا کہ عمرو بن العاص نے جو کیا وہ طے شدہ بات کے بالکل خلاف تھا۔حضرت عبدالرحمنؓ بن ابی بکر نے کہا! کاش ابوموسیٰؓ اشعری اس سے پہلے مر گئے ہوتے تو ان کے لیے بہت اچھا ہوتا''۔ابوموسیٰ ؓ شرم اور پچھتاوے کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے، چپکے سے ملک سے چلے گئے۔وہ حضرت علیؓ کو منہ بھی نہ دکھا سکے۔امیر معاویہؓ کے دعویٰ خلافت کی راہ اور ہموار ہوگئی۔اگر چہ حضرت علیؓ تحکیم کے خلاف تھے لیکن اپنی فوج کے قصد اور دباؤ سے اس پر راضی ہو گئے اور معاہدہ تحکیم پر دستخط کر دیئے۔اس پر آپؓ کی فوج کے ایک دستہ (علوی دستہ) نے اس کی مخالفت میں کمر باندھ لی اور تحکیم کو کفر قرار دیا اور حضرت علیؓ پر زور دیا کہ وہ توبہ کریں (اپنے کو خوارج یعنی تحکیم سے خارج) کہا۔حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں بھی معاہدے کی مخالفت کرتا تھا لیکن تم لوگوں نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔خوارج نے آپؓ کو دھمکی دی کہ اگر آپؓ آدمیوں کے حکم کو نہ چھوڑیں گے اور توبہ نہ کریں گے تو ہم محض اللہ کی خوشنودی کی خاطر آپؓ سے جنگ کریں گے۔انہوں نے نہروان پر اپنے لوگوں کو لڑائی کے لیے جمع کرنا شروع کر دیا۔

جنگ نہروان:-خوارج کی تعداد بارہ ہزار تھی،انہوں نے حضرت علیؓ کی خلافت کا انکار کیا اور اپنی مخالفت کا جھنڈا نصب کر دیا اور خون ریزی اور ڈاکے مارنا شروع کر دیے-حضرت علیؓ نے فرمایا" یہ لوگ اپنے فیصلہ سے رجوع کر لیں"۔مگر یہ لوگ جنگ کرنے کے سوا کسی بات سے راضی نہیں ہوئے۔ اس فرقہ کا سرغنہ عبداللہ بن شداد کوفی تھا-پہلے تو حضرت علیؓ نے اس فرقہ کو سمجھانے کے لیے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو حروراء مقام پر بھیجا-یہ حروراء وہ جگہ ہے جہاں ان لوگوں نے سکونت اختیار کی تھی-اس سبب سے یہ فرقہ حروریہ کہلاتا ہے-حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سمجھانے سے یہ لوگ چند روز کے لیے راہ راست پر آ گئے اور پھر ان لوگوں نے مسلمانوں کا قتل راہزنی اور طرح طرح کے فساد برپا کیے جن کے سبب سے حضرت علیؓ نے ان پر چڑھائی کی اور نہروان کے مقام پر اس فرقہ کی اور حضرت علیؓ کی لڑائی ہوئی-اس لڑائی میں خارجی فرقہ کے لوگ یہاں تک قتل ہوئے کہ صرف دس بارہ آدمی ان میں سے بچ گئے-ذوالخویصرہ بھی اس لڑائی میں مارا گیا (یہ وہی شخص ہے جس نے حنین کے مال کی تقسیم کے وقت حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی تقسیم پر اعتراض کیا تھا-)نہروان کی لڑائی میں سے دس بارہ خارجی جو بچ گئے تھے-عبدالرحمن بن ملجم بھی ان میں شامل تھا-

جنگ نہروان کے بعد حضرت علیؓ نے شام کا رخ اختیار کرنا چاہا لیکن ان کی فوج نے عدم دلچسپی کا اظہار کیا اور حضرت علیؓ کی اجازت کے بغیر اپنے گھروں کو چلے گئے۔مجبوراً آپؓ کوفہ لوٹ آئے۔حضرت علیؓ کو ابتدائے خلافت میں نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑا اور یکے بعد دیگرے جنگ جمل، جنگ صفین، جنگ نہروان میں بادل نخواستہ الجھنا پڑا اور پھر تحکیم کے بعد اہل شام کے چھاپہ مار دستوں کے خلاف اپنے مقبوضات کا دفاع کرنا پڑا۔حضرت علیؓ کے پاس ایسا کوئی سیاست دان اور زیرک مشیر بھی نہ تھا۔آپؓ کے جو مشیر معاویہؓ کے پاس جاتے تھے وہ جابرانہ طرز عمل اختیار کرتے تھے اور صورت حال بگاڑ کر واپس آتے تھے۔

حضرت معاویہؓ سے مصالحت

جب فریقین میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے کی اطاعت نہ کی تو حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کو لکھا کہ''اگر تم چاہو تو عراق کی حکومت تمہارے حصہ میں آجائے اور شام کی میرے حصہ میں آجائے۔تاکہ اس امت سے تلوار رک جائے اور مسلمانوں کے خون نہ بہیں''۔اس پر حضرت علیؓ راضی ہو گئے کیونکہ آپؓ دیکھ چکے تھے کہ اہل عراق مخالفین کے خلاف جہاد سے کتراتے ہیں اور امیر معاویہؓ کے حملوں سے مملکت میں بدامنی بڑھتی جا رہی ہے۔خارجیوں نے بھی پھر سے پرزے نکالنا شروع کر دیئے تھے۔وہ شورشوں اور بغاوتوں پر تلے ہوئے تھے اور لوٹ مار اور فتنہ پھیلا رہے تھے۔مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کی وجہ سے سابقہ ایرانی صوبوں کے لوگوں نے بھی ارتداد اور بغاوت کا راستہ اختیار کر لیا تھا۔آخر کار آپس میں یہ طے پایا کہ حجاز عراق اور تمام مشرقی ممالک حضرت علیؓ کی حکومت میں شامل ہوں گے جبکہ شام ،مصر اور مغربی ممالک حضرت معاویہؓ کے زیر تسلط رہیں گے۔حضرت علیؓ کو مصالحت کی پیش کش قبول کرنے کے سوا کوئی دوسرا چارہ کار نظر نہ آیا۔خلافت یا مملکت اسلامیہ کی حکومت دو حصوں میں بٹ گئی جس طرح اس سے پہلے رومی سلطنت مشرقی اور مغربی دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔

شہادت

جنگ نہروان کے بعد بچے کچے خوارج بحرین اور احصار کی طرف نکل گئے تھے اور وہاں اپنے مراکز قائم کر لیے تھے۔انہوں نے بہت سے نیک اور بے گناہ مردوں اور عورتوں اور بچوں کو بڑی سفاکی سے قتل کیا۔وہ حضرت علیؓ کے سامنے آکر انہیں قتل کی دھمکیاں دیتے اور گالیاں دیتے تھے لیکن آپؓ انہیں کچھ نہ کہتے لوگوں

نے جب آپؓ سے ان کے رویئے کی شکایت کی تو آپؓ نے فرمایا" گالیوں کا جواب گالیوں سے دیا جاسکتا ہے جو مجھے پسند نہیں"۔اصل میں خوارج جنگ نہروان میں اپنے قتل عام کو نہیں بھولے تھے۔دراصل بات یہ تھی کہ علوی فوج کے تقریباً 12000 (بارہ ہزار) افراد معاہدہ تحکیم کے بعد الگ ہو گئے تھے انہوں نے اپنی ایک الگ تنظیم قائم کر لی تھی۔اور اپنا ایک امیر بنا کر اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔انہوں نے بغض، انتہا پسندانہ نظریات قائم کر لیے تھے مثلاً ان کا عقیدہ یہ تھا کہ معاملے میں کسی کا حکم ماننا کفر ہے،اور اس کا فیصلہ ماننے والے سب کافر ہیں اور ان کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے۔وہ صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو خلفائے راشدین مانتے تھے۔جو مسلمان ان کے ہم خیال نہ تھے انہیں کافر اور واجب القتل سمجھتے تھے۔اسلام میں یہ پہلا مذہبی فرقہ تھا جو الگ سے قائم کیا گیا (یہ خوارج کہلایا)۔خوارج حضرت علیؓ، حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کو اسلامی دنیا میں اختلاف، انتشار اور فتنہ فساد کا بانی سمجھتے تھے۔وہ حضرت علیؓ کی فوج کا علوی دستہ تھا لیکن امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ کی عیارانہ چال کو برداشت نہ کر سکا اور اب علیؓ، معاویہؓ اور عمروؓ کے قتل کے درپے ہو گیا۔چنانچہ انہوں نے ایک منصوبہ بنایا اور اسی مقصد کے لیے تین افراد عبدالرحمن بن ملجم، برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر حج کے موقع پر مکہ میں اکٹھے ہوئے اور کہا کہ راہ خدا میں ان کا قتل جائز ہے۔علیؓ سے تو ویسے بھی نہروان کے مقتولوں کا انتقام لینا ضروری ہے۔تینوں اس پر متفق ہو گئے کہ

علیؓ، معاویہؓ اور عمروؓ کو قتل کر دیا جائے، انہوں نے ماہ رمضان کی ایک ہی تاریخ کو نماز فجر کے وقت تینوں بزرگوں پر ایک ہی وقت میں حملہ کیا (تین مختلف مسجدوں میں) الگ الگ ایک شخص نے حملہ کیا۔حضرت معاویہؓ پر وار اچھا نہ پڑا وہ زخمی ہوئے لیکن علاج معالجہ سے ٹھیک ہو گئے، عمرو بن العاص اتفاقی علالت کی وجہ سے امامت کروانے اس دن مسجد میں آئے ہی نہیں۔ان کی جگہ خارجہ بن حذیفہؓ نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے، عمرو بن بکر نے انہیں عمرو بن العاصؓ سمجھ کر قتل کر دیا۔عبدالرحمن بن ملجم اور ان کے مقامی خارجی ساتھی شبیب بن اشجعی نے کوفہ کی جامعہ مسجد میں علی الصبح حضرت علیؓ پر حملہ کر دیا۔جب وہ صلوٰۃ صلوٰۃ کی آواز لگا کر لوگوں کو نماز کے لیے اٹھا رہے تھے۔شبیب کا وار خالی گیا لیکن ابن ملجم کی زہر میں بجھی ہوئی تلوار آپؓ کی پیشانی پر پڑی اور سر کو کاٹتی ہوئی دماغ تک پہنچ گئی۔ساتھ ہی ابن ملجم نے کہا ''اے علیؓ فیصلہ کا حق صرف خدا کا ہے تیرا نہیں'' حضرت علیؓ کے بھانجے جعدہ بن ہبیرہؓ نے لوگوں کو نماز پڑھائی، نماز کے بعد ابن ملجم آپؓ کے سامنے پیش کیا گیا۔آپؓ نے فرمایا ''اے اللہ کے دشمن کیا میں نے تجھ پر احسانات نہ کیے تھے"؟ اس نے کہا" ضرور کیے تھے"۔آپؓ نے پوچھا" کس لیے میرے قتل پر آمادہ ہو"!؟ ابن ملجم نے جواب دیا" میں چالیس روز استخارہ کرتا رہا اور اللہ سے دعا کرتا رہا کہ اس کی مخلوق میں جو بدترین شخص ہے وہ قتل ہو جائے"۔حضرت علیؓ نے جواب دیا" سن تو ہی وہ بدترین خلائق ہے اور تو ہی وہ مقتول ہے"۔

زخمی ہونے کے بعد حضرت علیؓ 2 دن زندہ رہے۔زہر میں بجھی ہوئی تلوار کا زخم کاری تھا، زہر جسم مبارک میں پھیل گیا۔آپؓ نے اتوار کی صبح کو اس دنیا فانی کو خیر آباد کہا اور خالق حقیقی سے جا ملے۔دنیا اپنے وقت کے افضل ترین انسان سے محروم ہو گئی اور خلافت راشدہ کے دور کا خاتمہ ہو گیا۔شہادت کی صبح آپؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت حسنؓ سے فرمایا تھا کہ'' آج رات مجھے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی زیارت ہوئی، میں نے آپ خاتم النبیین ﷺ سے عرض کیا" آپ خاتم النبیین ﷺ کی امت سے مجھے بہت تکلیف پہنچی ہے"۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" ان کے حق میں دعا کیوں نہیں کرتے"؟ چنانچہ میں نے دعا کی" یا اللہ مجھے ان لوگوں کا بدل بخش جو میرے لیے ان سے بہتر ہوں اور ان کو میرا ایسا بدل بخش جو ان کے لیے مجھ سے بُرا ہو"۔اس خواب اور خواب کی صداقت میں کیا شک ہے؟ وفات کے وقت عمر مبارک 63 برس تھی۔آپؓ کو دارالامارات میں جامع مسجد کے قریب دفن کیا گیا۔حضرت حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ'' میرے بعد خلافت 30 برس رہے گی، پھر بادشاہی شروع ہو جائے گی" -(جامع الترمذی، جلد 2 حدیث نمبر 2226 -مسند احمد، جلد 11 حدیث نمبر 12038)

جب حضرت امیر معاویہؓ کو دمشق میں حضرت علیؓ کی شہادت کا علم ہوا تو وہ رونے لگے۔ان کے وزیروں نے کہا کہ ان کی زندگی میں تو آپؓ ان سے لڑتے رہتے تھے اور اب رو رہے ہیں، حضرت امیر معاویہؓ نے جواب دیا'' علیؓ کی وفات سے فقہ اور علم دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں''۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا اظہار افسوس

زید بن حسینؓ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ کی شہادت کی خبر پر مدینہ میں کہرام مچ گیا۔ہر آنکھ اشکبار اور ہر دل سوگوار تھا۔سب لوگ ہجوم کی شکل میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر گئے اور دیکھا کہ وہ غم سے نڈھال بیٹھی تھیں، دوسرے دن پتہ چلا کہ جناب صدیقہؓ آپ خاتم النبیین ﷺ کے مزار پر تشریف لے جا رہی ہیں،

روضہ اقدس خاتم النبیین ﷺ سے متصل مسجد نبوی خاتم النبیین ﷺ میں جتنے بھی انصاو اور مہاجرین تھے ادب سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب نے سلام کہا، لیکن آپؓ نے کسی کے سلام کا جواب نہ دیا چادر بھی نہیں سنبھل رہی تھی، بار بار پاؤں میں آتی اور آپؓ لڑکھڑا جاتیں تھیں۔ حجرہ مبارک کی چوکھٹ پکڑ کر کھڑی ہوگئیں اور شکستہ اور روئی ہوئی آواز میں فرمایا:

''اے نبی خاتم النبیین ﷺ ہدایت تجھ پر سلام سلام، اے ابو قاسمؓ تجھ پر سلام، اے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ، آپ خاتم النبیین ﷺ پر، آپ خاتم النبیین ﷺ کے دونوں ساتھیوں پر سلام، میں آپ خاتم النبیین ﷺ کے عزیز ترین فرزند کی یاد تازہ کرنے آئی ہوں، بخدا آپ خاتم النبیین ﷺ کا چنا ہوا حبیب منتخب کیا ہوا فرزند قتل ہو گیا، جس کی بیوی افضل ترین عورت تھی۔ واللہ وہ قتل ہو گیا جو ایمان لایا اور ایمان کے عہد پر پورا اترا۔ میں رونے والی اور غمزدہ ہوں میں اس پر آنسو بہانے والی اور دل جلانے والی ہوں، اگر قبر کھل جاتی تو تیری زبان بھی یہی کہتی کہ تیرا عزیز ترین اور افضل ترین فرزند قتل ہو گیا ہے''۔

اپنا جانشین مقرر کرنے سے اعتراض

جب حضرت علیؓ کے قریبی ساتھیوں نے دیکھا کہ آپؓ جانبر نہ ہو سکیں گے، تو آپؓ سے عرض کیا "اے امیر المومنین اگر آپؓ نہ رہیں تو کیا ہم آپؓ کے صاحبزادے حضرت حسنؓ کی بیعت کر لیں"۔ آپؓ نے فرمایا: ''نہ میں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ ہی منع کرتا ہوں، میرے بعد تم اپنے معاملات کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہو، میں تمہیں اس حالت میں چھوڑ کر مرجانا پسند کروں گا، جس حالت میں آپ خاتم النبیین ﷺ نے چھوڑا تھا''۔

حضرت علیؓ نے یہ معاملہ اپنے ساتھیوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا، لیکن انہوں نے موروثی حق امامت کی بات نہیں کی۔

مدت خلافت

نام	سال	مہینے	دن
حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مدت خلاف	2	3	9
حضرت عمر فاروقؓ کی مدت خلافت	10	5	4
حضرت عثمان غنیؓ کی مدت خلافت	12	۔	11
حضرت علیؓ کی مدت خلافت	4	9	۔
حضرت حسنؓ کی مدت خلافت	۔	6	۔
خلافت راشدہ کی کل مدت	**29**	**11**	**24**

اس طرح آپ خاتم النبیین ﷺ کا یہ فرمان کہ:

''میرے بعد خلافت 30 برس رہے گی، پھر بادشاہی شروع ہو جائے گی" -(جامع الترمذی، جلد 2 حدیث نمبر 2226-مسند احمد، جلد 11 حدیث نمبر 12038) بالکل درست ثابت ہوا۔ اگر خلفائے اربعہ کی مدت خلافت میں آپ خاتم النبیین ﷺ کے بعد متصل آنے والے حضرت حسنؓ کی خلافت کا 6 ماہ کا عرصہ بھی شامل کر لیا جائے تو یہ تیس سالہ مدت پوری ہو جاتی ہے۔ جب حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر حضرت علیؓ کے بعد لوگوں نے بیعت کر لی تھی، لیکن حضرت حسنؓ مسلمانوں کی باہمی خونریزی اور فتنہ اور اختلاف کو دور کرنے کی نیت سے صرف 6 ماہ کے بعد ہی برضا اور رغبت حضرت معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے تو اس کے بعد ملوکیت کا آغاز ہو گیا۔

****

خوارج

اسلام میانہ روی اور اعتدال کا دین ہے۔ اللہ تبارک وتعالی نے ملت اسلامیہ کا تعارف یوں فرمایا ہے۔ (سورہ البقرہ، آیت نمبر 143)

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ترجمہ: "اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں (اعتدال والی) بہترامت بنایا"۔

بعض اوقات معاشرے میں ایسا کج فہم اور تنگ نظر طبقہ بھی پیدا ہوجا تا ہے جو بالکل نادان اور دینی حکمت وبصیرت اور اس کے تقاضوں سے مکمل طور پر نا آشنا ہوتا ہے۔ وہ ظاہری طور پر اعمال صالحہ کی مکمل طور پر پابندی کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اس گھمنڈ میں مبتلا ہوجا تا ہے کہ وہ پکا مسلمان اور دین کا پاسبان ہے اور اسے اللہ تعالی کے مقرب ہونے کا درجہ حاصل ہے۔ وہ یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ ہم لوگوں کی طرح کے علاوہ باقی تمام لوگ کفر اور شرک میں مبتلا ہیں اور اللہ تعالی کے نافرمان ہیں۔ اس لیے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا یہ حق بنتا ہے کہ وہ بزور بازو دوسرے لوگوں کو بھی راہ راست پر لائیں۔ وہ سورہ النحل کی آیت نمبر 125 کو بھول جاتے ہیں کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے:- ترجمہ: " اپنے رب کی طرف حکمت کے ساتھ بلایئے"۔

سورہ البقرہ، آیت نمبر 256 میں اللہ تعالی نے صاف طور پر بتایا ہے کہ ترجمہ: "دین میں زبردستی نہیں ہے"۔

شیطان ان کے ذہن میں یہ بات ڈال دیتا ہے کہ وہ سب سے اچھے، اعلی اور سچے مسلمان ہیں اور ان کے مقابلے میں دوسرے لوگ مسلمان ہی نہیں ہیں۔ تم ان بے عمل مسلمانوں کو اپنے طریقے پر لانے کے لیے جو چاہے سلوک کرو خون ریزی اور دہشت گردی کرو، مال ومتاع لوٹو۔ تمہیں کوئی گناہ نہیں ہوگا اور تم اس سلسلے میں جو کچھ کرو گے وہ سب جہاد ہوگا۔

انہی لوگوں کے بارے میں قرآن مجید نے فرمایا ہے کہ: (سورہ کہف، آیت نمبر 103-104)

ترجمہ: "اللہ تعالی کے ہاں یہ خسارہ پانے والا گروہ ہوگا۔ مگر وہ خود کو نیکو کار سمجھے گا اور اس گھمنڈ میں مبتلا ہوگا کہ وہ بڑی خیر پھیلا رہا ہے"۔

امن وسلامتی کا ماحول---خوش حالی، تعمیر وترقی، سکون اور راحت کا ضامن ہوتا ہے جبکہ فتنہ انگیزی---تباہی لاتی ہے۔

اس لیے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہر اس راستے کو مسدود اور ہر اس دروازے کو بند کردیا جس سے امن وامان کا ماحول غارت ہونے کا امکان ہو۔ آپ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ترحم وملاطفت (نیکی، بھلائی) اور باہمی لطف وکرم کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ اللهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ، وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ، وَمَا لَا يُعْطِي عَلَى مَا سِوَاهُ.

"اللہ تعالی نرمی کرنے والا ہے اور نرمی کو پسند فرماتا ہے اور نرمی پر اتنا عطا فرماتا ہے کہ اتنا سختی پر عطا نہیں کرتا"۔ (مسلم باب فضل الرفق)

اس لئے آپ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "دین میں انتہا پسندی سے بچو کیونکہ پہلی قومیں اسی انتہا پسندی کی بنا پر تباہ وبرباد ہوگئی تھی"۔ (ابن ماجہ، السنن)

فتنہ خوارج کا آغاز عہد رسالت (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں:-

1- **حدیث:-** ایک روز حضور پاک (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مال (غنیمت) تقسیم فرما رہے تھے۔ بنو تمیم کے ذوالخویصر نامی شخص نے کہا " یا رسول اللہ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انصاف کیجئے"۔ آپ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا" تو ہلاک ہو اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو کون انصاف کرے گا"۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا" یا رسول اللہ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے اجازت دیجئے کہ اس گستاخ کی گردن اڑادوں"۔ آپ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا" نہیں (اس اکیلے کی گردن کیوں کر) بے شک اس کے (ایسے) ساتھی بھی ہیں کہ تم ان کی نمازوں کے مقابلے میں اپنی نمازوں کو حقیر جانو گے۔ اور ان کے روزوں کے مقابلے میں اپنے روزوں کو حقیر جانو گے۔ وہ دین سے اس طرح نکلے ہوئے ہوں گے جیسے شکار سے تیر نکل جاتا ہے"۔ (صحیح بخاری، کتاب الادب)

2- حافظ ابن حجر عسقلانی "فتح الباری" میں لکھتے ہیں کہ اسی ذوالخویصرہ تمیمی کا ہم خیال گروہ ہی بعد از اخوارج کی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔

3- عبدالرزاق سے مروی کی انہوں نے فرمایا" ذوالخویصرہ تمیمی کا اصل نام حرقوس بن زبیر تھا اور وہ خوارج کا بانی تھا"۔ (ابن حجر عسقلانی، فتح الباری)

خوارج کا ایک نام حروریہ بھی ہے کیونکہ دہشت گردوں کا پہلا گروہ عہد علویؓ میں حروراء کے مقام پر خوارج کے نام سے منظر عام پر آیا۔ (شبیر احمد عثمانی، فتح الملہم)

خوارج میں دو بدعات ہیں جن کے آڑے آکر انہوں نے اہل اسلام اور اسلامی ریاست کا ساتھ چھوڑا۔ ایک یہ کہ انہوں نے سنت سے انحراف کیا۔ دوسری

یہ کہ انہوں نے "امور حسنہ" کو "امور سئیہ" اور "امور سئیہ" کو "امور حسنہ" بنا دیا۔

خوارج اور اہل بدعت میں دوسرا گروہ وہ ہے جو گناہوں اور معصیتوں پر بھی لوگوں کو کافر قرار دیتا ہے اور اس بنا پر مسلمانوں کا خون بہانہ اور ان کے اموال لوٹنا مباح (جائز) جانتا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ دارالاسلام، دارالحرب ہے اور صرف ان کے گھر ہی دارالایمان ہیں۔ (ابن تیمیہ، مجموعہ فتاوی)

عہد عثمانی میں فتنہ خوارج کی فکری تشکیل:-

حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) کے وصال کے بعد امت میں کئی فتنوں نے جنم لیا۔ جن میں جھوٹی نبوت کے دعویدار سے ارتداد، زکوۃ کی ادائیگی سے انکار اور اسلام کی دیگر بنیادی تعلیمات سے انحراف شامل ہے۔

انہی فتنوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے خارجی فکر کے حاملین اپنے باغیانہ نظریات کی ترویج کرتے رہے اور اپنے آپ کو منظم شکل دینے کی طرف سرگرم رہے۔

یہاں تک کہ سیدنا حضرت عثمانؓ کے آخری دور میں بلوائیوں کی تحریک میں آپؓ کو قتل کرنے کی سازشیں تیار کرنے والے بھی اسی انتہا پسند رجحان گروہ نے پہلی مرتبہ مدینہ منورہ میں سیدنا عثمانؓ میں خالص اسلامی حکومت کی اتھارٹی اور ریاستی نظم ونسق کو چیلنج کیا۔ آپؓ کو قتل کرنے والوں کی سازش میں ایک نمایاں شخص "عبداللہ بن سباء" تھا۔ حضرت عثمانؓ کو بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔ حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے والے لوگ فتنہ کی آگ کو بھڑکانے والے تھے۔ یہی لوگ دین میں بدعت کے مرتکب ہوئے اور یہی لوگ "بدعتی" کہلاتے ہیں۔ یہی وہ فتنہ پرور، متعصب اور انتہا پسند لوگ تھے جنہوں نے حضرت علیؓ کے دور میں جنگ صفین کے بعد خارجی گروہ کی باقاعدہ بنیاد رکھی تھی۔

فتنہ خوارج کے علمبرداروں کے پیش نظر دین کے نام پر مسلم ریاست کو Destabilize کرنا اور اس کی نظریاتی بنیادوں کو کھوکھلا کرنا مقصود تھا۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ خوارج مذاکرات (Dialogue) اور پرامن مصالحت peaceful settlement of dispute کے خلاف تھے۔ جیسے کہ حضرت علیؓ نے جنگ صفین کے موقعہ پر "تحکیم" کی صورت میں اپنایا تھا۔ جب تک فضا جنگ جاری رہنے کے حق میں تھی خوارج حضرت علیؓ کے ساتھ ان کے لشکر میں لڑنے کے لیے پیش پیش تھے۔ لیکن جونہی آپ نے خون خرابے سے بچنے کے لیے "تحکیم" یعنی ثالثی (Arbitration) کے راستے کو اپنایا تو وہ پرامن مصالحت اور ثالثی کے عمل کو رد کرتے ہوئے سیدنا حضرت علیؓ کے لشکر سے نکل گئے اور آپؓ کو معاذ اللہ کافر کہنے لگے اور واضح طور پر باغی اور دہشت گرد تیار کر کے نام نہاد جہاد کے نام پر حضرت علیؓ اور امت مسلمہ کے خلاف برسر پیکار ہو گئے۔

حالانکہ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کا ساتھ دیا اور حضرت علیؓ کی حکومت کو مانا اور جنگ جمل میں جن لوگوں نے آپؓ کے ساتھ لڑائی کی تھی ان کو کافر قرار دیا۔ پھر انہوں نے جنگ صفین میں "تحکیم" کا انکار کیا اور صفین کے مقام پر حضرت علیؓ کا ساتھ چھوڑ دیا اور "خوارج" قرار پائے۔

خوارج کی نمایاں بدعات:-

چند نمایاں بدعات جن میں سے اکثر کے بارے میں حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) نے پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔

1- وہ کفار کے حق میں نازل ہونے والی آیات کا اطلاق مومنین پر کریں گے۔ (بخاری باب قتل خوارج)

2- وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔ (بخاری الصحیح کتاب التوحید)

3- غیر مسلم اقلیتوں کے قتل کو حلال سمجھیں گے۔ (حاکم المستدرک)

4- عبادت میں بہت متشدد اور غلو کرنے والے Extremist ہوں گے۔ (ابو یعلی۔ المسند)

5- گناہ کبیرہ کے مرتکب کو دائمی جہنمی اور ان کا خون اور مال حلال قرار دیں گے۔

6- جس نے اپنے عمل اور غیر صائب رائے سے قرآن کی نافرمانی کی وہ کافر ہے۔

7- ظالم اور فاسق حکومت کے خلاف مسلح بغاوت اور خروج کو فرض قرار دیں گے۔ (عبدالقاہر بغدادی) (الفرق بین الفرق 73)

امام شہرستانی لکھتے ہیں کہ خوارج حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سمیت تمام اہل اسلام کی جو ان کے ساتھ تھے سب کی تکفیر کیا کرتے تھے اور ان سب کو دائمی دوزخی کہتے تھے۔ (نعوذ باللہ من ذالک) ---- (شہرستانی، الملل والنحل 1:121)

صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی متفق علیہ روایت ہے کہ حضرت ابوسلمہؓ اور حضرت عطاء بن یسارؓ دونوں حضرت ابوخدریؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ " کیا آپ نے حضرت محمد (خاتم النبیین ﷺ) سے حروریہ (خوارج) کے بارے میں کچھ سنا ہے "؟ انہوں نے جواب دیا کہ " مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ حروریہ کیا ہے البتہ میں نے حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "اس امت میں کچھ ایسے لوگ نکلیں گے جن کی نمازوں کے مقابلے میں تم اپنی نمازوں کو حقیر جانو گے۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت کریں گے اور یہ قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور وہ دین سے یوں خارج ہو جائیں گے جیسے تیر شکار سے خارج ہو جاتا ہے"۔ (متفق علیہ)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے ارشاد فرمایا "وہ لوگوں کے سامنے دھوکہ دہی کے لیے اسلامی منشور پیش کریں گے"۔

امام بخاری و مسلم کے بیان کردہ روایت میں یُسیر بن عمرو کہتے ہیں کہ انہوں نے سہل بن حنیفؓ سے پوچھا کہ " آپؓ نے حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) سے خوارج کا ذکر سنا ہے"؟ انہوں نے فرمایا "ہاں میں نے سنا ہے اور اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ (وہ وہاں سے نکلیں گے)"۔

امام بخاری و مسلم حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول پاک (خاتم النبیین ﷺ) کو ممبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا "خبردار ہو جاؤ فتنہ ادھر ہے" ۔آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے مشرق کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا "یہیں سے شیطان کے سینگ (یعنی شیطانی گروہ) ظاہر ہوگا"۔ (بخاری۔ کتاب الفتن)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی درج ذیل حدیث میں آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے اس مشرقی علاقے کا نام بھی بتا دیا۔

حضور پاک حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) نے دعا فرمائی "اے اللہ! ہمارے لیے شام میں برکت عطا فرما، اے اللہ! ہمارے لیے یمن میں برکت عطا فرما"۔ بعض لوگوں نے عرض کیا" یا رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) ہمارے نجد کے لیے بھی دعا فرمایئے"۔ آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے پھر دعا فرمائی "اے اللہ! ہمارے لیے شام میں برکت دے، اے اللہ! ہمارے لیے یمن میں برکت دے"۔ بعض لوگوں نے پھر عرض کیا" یا رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) ہمارے نجد کے لیے بھی دعا فرمایئے"۔

(راوی نے کہا) میرا خیال ہے کہ حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) نے تین مرتبہ ایسا ہی کیا اور پھر تیسری مرتبہ فرمایا " وہاں تو زلزلے اور فتنے ہوں گے اور شیطان کا سینگ (یعنی گروہ) وہیں سے نکلے گا"۔

اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وطن عزیز پاکستان بھی حرمین شریف سے مشرق جانب واقع ہے۔ یہاں بھی خوارج کی صفات وعلامات کے حاملین نے دہشت گردی اور تباہی و بربادی پھیلا کر قیامت صغری برپا کر رکھی ہے۔ آئے روز درجنوں لوگ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ مسجدوں اور مزارات کو مسمار کر دیا جاتا ہے۔ سول آبادیوں اور عام شہریوں کو موت کی گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ بازار، مارکیٹوں اور زیادہ بھیڑ والی جگہوں کو بطور خاص نشانہ بنایا جاتا ہے۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ دہشت گردی پھیلائی جا سکے۔

دہشت گرد خارجیوں کی علامات (مجموعی تصویر):-

مختلف روایات میں ان فتنہ پرور خارجیوں کی متعدد معروف علامات اور واضح نشانیاں بیان کی گئیں ہیں-

1-" وہ کم سن لڑکے ہوں گے"۔ (بخاری باب قتل الخوارج)

2-"دماغی طور پر ناپختہ ہوں گے"۔(brainwashed) (صحیح بخاری)

3- "دین کے ظاہر پر عمل میں غلو سے کام لیں گے اور گھنی داڑھی رکھیں گے"۔ (بخاری کتاب المغازی)

4- "بہت اونچا تہہ بند باندھنے والے ہوں گے"-(مسلم۔ باب ذکر الخوارج)

5- "یہ خارجی (حرمین شریف سے) مشرق کی جانب سے نکلیں گے"۔ (بخاری کتاب التوحید)

6-"یہ ہمیشہ نکلتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کا آخری گروہ دجال کے ساتھ نکلے گا"۔ (نسائی السنن)

7- "ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا"۔ (بخاری باب قتل الخوارج)

8- "وہ عبادات اور دین میں بہت متشدد اور انتہا پسند ہوں گے"۔(مسلم الصحیح، باب قتل الحوارج)

9-"تم میں سے ہر کوئی ان کی نمازوں کے مقابلے میں اپنی نمازوں کو حقیر جانے گا اور ان کے روزوں کے مقابلے میں اپنے روزوں کو حقیر جانے گا"۔(مسلم الصحیح باب ذکر الخوارج)

10-"نماز ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گی"۔(مسلم الصحیح باب قتل الخوارج)

11-"وہ قرآن مجید کی ایسی تلاوت کریں گے کہ ان کی تلاوت کے سامنے تمہیں اپنی تلاوت کی کوئی حیثیت دکھائی نہ دے گی"۔(مسلم الصحیح)

12-"ان کی تلاوت ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گی"۔(بخاری) یعنی تلاوت کا ان کے دل پر کوئی اثر نہ ہوگا۔(بخاری باپ قتل الخوارج)

13- "وہ یہ سمجھ کر قرآن پاک پڑھیں گے کہ اس کے احکام ان کے حق میں ہیں حالانکہ درحقیقت وہ قرآن ان کے خلاف حجت ہوگا"۔(مسلم، باپ قتل الخوارج)

14-"وہ (بذریعہ طاقت) لوگوں کو کتاب اللہ کی طرف بلائیں گے لیکن قرآن کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہ ہوگا"۔(ابوداؤد، باب قتل الخوارج)

15-" وہ بظاہر بڑی اچھی باتیں کریں گے"۔(بخاری) یعنی دینی نعرے بلند کریں گے اور اسلامی مطالبے کریں گے۔(مسلم)

16-"ان کے نعرے لوگوں کو متاثر کرنے والے ہوں گے"۔(طبرانی، المعجم الاوسط)

17-" مگر وہ کردار کے لحاظ سے بڑے ظالم اور گھناؤنے لوگ ہوں گے"۔(ابوداؤد، باپ فی قتال الخوارج)

18-"وہ تمام مخلوق سے بدترین لوگ ہوں گے"۔(مسلم باب الخوارج شر الخلق)

19-" وہ حکومت وقت یا حکمرانوں کے خلاف خوب طعنہ زنی کریں گے اور ان پر گمراہی اور ذلالت کا فتوی لگائیں گے"۔(ابن ابی عاصم السنۃ)

20-" وہ اس وقت منظر عام پر آئیں گے جب لوگوں میں تفرقہ اور اختلاف پیدا ہوجائے گا"۔(مسلم، باب ذکر الخوارج)

21-"وہ ناحق خون بہائیں گے"۔(مسلم، ذکر الخوارج)

22- "وہ قران کی محکم آیات پر ایمان لائیں گے جبکہ اس کی متشابہات کے سبب سے ہلاک ہوں گے"۔(عسقلانی، فتح الباری)

23-" وہ کفار پر نازل ہونے والی آیات کا اطلاق مسلمانوں پر کریں گے"۔

24-"ان کے قتل کرنے والوں کو اجر عظیم ملے گا"۔(مسلم، باپ قتل الخوارج)

25-" یہ دہشت گرد خوارج جہنم کے کتے ہوں گے"۔(ترمذی، السنن)

احادیث و آثار سے ماخوذ علامات سے ثابت ہوتا ہے کہ جو مسلم گروہ یا فرقہ جمہور امت مسلمہ کو گمراہ، بدعتی، کافر یا مشرک کہے۔ عامتہ الناس-مسلم ہوں یا غیر مسلم ان کے خون و مال کو حلال سمجھے۔ حق بات کا انکار کرے۔ مصالحانہ اور پرامن ماحول کو تباہ و برباد کرے۔ وہ خارجی ہے۔ خواہ اس کا ظہور کسی بھی زمانے اور کسی بھی ملک میں ہو۔ اس لیے خوارج سے مراد صرف سیدنا حضرت علیؓ کے عہد میں نکلنے والا گروہ ہی نہیں بلکہ وہ خوارج کا پہلا گروہ تھا۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) نے خوارج کا ذکر فرمایا کہ "وہ میری امت کے بدترین لوگ ہیں اور انہیں قتل کرنے والے میری امت کے بہترین لوگ ہوں گے"۔

خوارج ایک ایسا فتنہ ہے جو گروہ در گروہ ظاہر ہوتا رہا اور اس کے لوگ دجال کے زمانے تک ظاہر ہوتے رہیں گے اور یہ لوگ قیامت تک وقتاً فوقتاً نکلتے رہیں گے۔ حضرت علیؓ کے دور میں ان کا ظہور ہوا۔ یہ فتنہ خوارج کے بانی تھے۔ حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) نے اپنی حیات مبارکہ میں ہی ان کی تمام تر نشانیاں بیان فرما دی تھیں۔ جن میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ "وہ ہر دور میں نکلتے رہیں گے"۔ آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا "خوارج کا آخری گروہ دجال کے ساتھ اس کی حمایت میں نکلے گا"۔

اس کے ساتھ ہی حضرت محمد (خاتم النبیین ﷺ) نے ریاست پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ ان کی بیخ کی جائے تا کہ خلق خدا ان کے شر سے محفوظ ہوجائے۔ اس لیے حضرت علیؓ کی زیر قیادت ریاستی سطح پر صحابہ کرامؓ نے ان کا قلع قمع کیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت ابوعبیدہ بن الجرح رضی اللہ تعالیٰ عنہ (امین الامت)

قبول اسلام:- حضرت ابوعبیدہؓ ہجرت نبوی خاتم النبیین ﷺ سے چالیس سال پہلے پیدا ہوئے۔ قبول اسلام سے پہلے شراب نوشی، بت پرستی اور دوسرے بُرے اعمال میں کبھی نہ پڑے، ان کا اٹھنا بیٹھنا، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ تھا، انہی کی ترغیب سے 29 سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔

ہجرت:- 5 ہجری میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی اجازت سے 11 مرد اور 4 عورتیں حبشہ (موجودہ ایتھوپیا) ہجرت کی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ ان میں شامل نہ تھے لیکن اس کے کچھ ہی عرصے کے بعد مزید 83 مردوں اور 20 خواتین نے بھی ادھر کا رخ کیا۔ حضرت عبیدہؓ نے بھی ان کے ساتھ ہجرت کی پھر مدینے کی طرف عام ہجرت کا حکم ملا تو آپؓ بھی مدینے چلے گئے، مدینہ پہنچ کر آپؓ نے اپنی تمام تر توانائیاں خدمت رسول خاتم النبیین ﷺ کے لیے وقف کر دیں، جنگ بدر، اُحد، خندق، خیبر، بیعت رضوان، فتح مکہ، حنین، طائف، غرض یہ کہ تمام غزوات ومشاہدات میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے ہم رکاب رہے اور شجاعت اور جانثاری کا مظاہرہ کرتے رہے۔

10 ہجری میں حجتہ الوداع کے موقع پر آپ خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ حج کے لیے گئے تھے آپ خاتم النبیین ﷺ آخری دم تک ان سے بہت خوش رہے۔

2 ہجری کفر و اسلام کا معرکہ میدان بدر میں گرم ہے۔ باپ کفر اور شرک کی ساری غضبنا کی کے ساتھ بیٹے پر حملہ کر رہا ہے تا کہ دین آبائی سے منحرف ہونے والے بیٹے کو خاک میں ملا دے۔ مگر بیٹا مسلمان ہونے کے باوجود باپ کا لحاظ کر رہا ہے اس کے وار سے بچ رہا ہے اور خود کوئی وار نہیں کر رہا۔ کافی دیر تک وار بچانے کے بعد بیٹے کو تشویش ہوئی کہ باپ اس کی جان لینے پر تلا ہوا ہے تو اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں اس کی یہ فرزندانہ صلہ رحمی کوششِ اسلام کے لیے باعثِ نقصان اور باعثِ شرمندگی نہ ہو اور پھر ایک ہی وار میں نامبارک اور ناپاک سر کٹ کر دور جا گرا۔ جب پیغمبر اسلام حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ معرکہ بدر سے مدینہ واپس آئے تو وحی خداوندی نازل ہوتی ہے (سورہ المجادلہ، آیت نمبر 22)۔ **"اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبہ (قبیلے) کے (عزیز) ہی کیوں نہ ہوں یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا ہے اور جن کی تائید اپنی روح سے کی ہے اور جنہیں ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے خوش ہیں، یہ خدائی لشکر ہے آگاہ رہو بیشک اللہ کے گروہ والے ہی کامیاب لوگ ہیں۔"** خود حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا چہرہ مبارک خوشی سے دمک اٹھتا ہے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ ایک لمبے قد، چھریرے جسم، چھدری داڑھی والے ادھیڑ عمر، سادہ مزاج، سنجیدہ طبع شخص کی طرف زیر لب تبسم کے ساتھ دیکھتے ہیں جیسے اللہ کی طرف سے نازل شدہ اظہار خوشنودی کے سرٹیفکیٹ پر اپنی مہر بھی ثبت کر دی ہو۔ صحابہ کرامؓ اس شخص کو مبارک باد دیتے ہیں۔ وہ اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ کی خوشی پر خوش ہوتا ہے اس کے علاوہ اور کسی قسم کا ردعمل ظاہر نہیں۔ یہ وہ شخص ہے جس نے بدر کے معرکہ حق و باطل میں اپنے ہاتھوں سے اپنے کافر باپ کو جہنم رسید کیا۔

عجیب بات یہ ہے کہ دربار رسول خاتم النبیین ﷺ کا یہ اہم رکن نہ اپنے اصل نام سے تاریخ میں مشہور ہوا اور نہ اپنے باپ کے نام سے۔ ان کا اصل نام عامر اور باپ کا نام عبداللہ تھا، لیکن ان کی کنیت ابوعبیدہؓ کے نام سے ہوئی اور باپ کے نام کی جگہ، دادا جرح کا نام کنیت کے ساتھ لگا۔ باپ کا نام شاید اس لیے ترک کر دیا گیا تھا کہ وہ حالت کفر میں ان کے اپنے ہاتھ سے قتل ہوا۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے انہیں "امین الامت" کے لقب سے نوازا۔ ان کا تعلق قبیلہ فہر سے تھا جو قریش کی آخری شاخ تھی، فہر پر ان کا سلسلہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے مل جاتا ہے۔ ان کی والدہ امیمہؓ بنت غنم ایمان کی دولت سے بہرہ یاب ہوئیں اور صحابیت کا شرف حاصل کیا۔

شام کے فاتح اور بازنطینیوں کی قوت پر ضرب کاری لگانے والے حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کی شخصیت تاریخ اسلام کے علاوہ تاریخ عالم میں بھی نمایاں نظر آتی ہے اس میں ایک عجیب شان دلربائی ہے۔ غیروں نے اور اپنوں نے بھی کہیں کہیں اسلام کی ابتدائی تاریخ کے بعض دوسرے بڑے بڑے جرنیلوں، فاتحوں اور ابوعبیدہؓ کے ہم عصروں پر نکتہ چینی کی ہے لیکن ابوعبیدہؓ کی شخصیت اور کردار پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکا۔ ان کا کردار ہر لحاظ سے ایک مثالی مومن کا قابلِ تعریف کردار ہے۔ محاسنِ اخلاق کے لحاظ سے اصحابِ رسول خاتم النبیین ﷺ کی صفوں میں ان کا مرتبہ بہت بلند اور بہت آگے ہے۔ جسے خود حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ **"امین الامت"** کہیں ان کا مقام

ایسا ہی ہونا چاہیے۔ دوسری قوموں نے بھی بڑے بڑے جرنیل اور فاتح پیدا کیے۔ ہنی بال، اسکندر یونانی، اٹیلا، چنگیز خان، نپولین وغیرہ کے ناموں اور خونی کارناموں سے دنیا واقف ہے۔ لیکن ان میں اخلاقی بلندی و دلکشی، عظمتِ کردار، تقویٰ، پاکبازی، سادگی، حق پرستی، انصاف پروری، رحم دلی، مساوات اور انکساری کا نام ونشان نہیں ملتا۔ ان کے صحیفہ حیات میں بے مقصد خونریزی سے پرہیز، مفتوحین سے حسنِ سلوک، ان کے جان ومال وعزت وآبرو کی حفاظت اور خدا خوفی کا کوئی باب نہیں پایا جاتا، اس کے برعکس ابوعبیدہؓ نے اپنی بلند کرداری کا لوہا دشمنوں سے بھی منوالیا اور ان کے دل موہ لیے۔ جب جنگی مصلحت کے تحت انہیں حمص اور بعض دوسرے شہر اور علاقے خالی کرنے پڑے تو انہوں نے جو ٹیکس وصول کئے تھے وہاں کے باشندوں کو جوں کے توں واپس کر دیئے، اس پر وہ لوگ رو رو کے ان کی فتح مندانہ واپسی کی دعائیں مانگتے تھے۔ دنیا میں کسی غیر مسلم جرنیل نے ایسا کردار پیش نہیں کیا بلکہ ایسے نازک مواقع پر مزید لوٹ کھسوٹ ہی کی اور مفتوحین کی عزت وآبرو بھی ان سے محفوظ نہ رہی، ابوعبیدہؓ کا اپنے ساتھیوں اور ماتحتوں سے سلوک مساویانہ اور برادرانہ تھا۔ محبت اور خلوص ان کا شعار تھا، ان کے زیرِ کمان مجاہدین ان سے آزادی سے بات کرتے تھے اور کبھی کسی نے حکم عدولی نہ کی۔ بعض نطینی سفیروں نے انہیں معمولی لباس میں عام مجاہدین کے ساتھ اس طرح فرش خاک پر بیٹھا دیکھا کہ انہیں پوچھنا پڑا کہ تمھارا سردار کون ہے؟

ولیم میور لکھتا ہے کہ ایک دفعہ ابوعبیدہؓ موٹے جھوٹے، کھردرے اونی لباس میں مفتوحہ عوام کے سامنے آئے تو ان کے رفقا اور ماتحتوں نے شرم محسوس کی اور ملامت کے انداز میں کہا '' آپ شام میں اسلامی فوج کے سپہ سالار اعظم ہیں۔ اور ہم یہاں دشمنوں سے گھرے ہوئے ہیں۔ دشمنوں کو مرعوب اور متاثر کرنے کے لیے آپ یہ لباس بدل کر بہتر اور نفیس لباس زیب تن کیجیے''۔ لیکن انہوں نے جواب دیا '' میں اپنی وہ حالت تبدیل نہ کروں گا جس میں میں رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے زمانے میں تھا''۔ انہوں نے سپہ سالاری کے منصب کو ایک فرض سمجھ کر قبول کیا تھا اور اپنے اندر کسی قسم کی فاتحانہ تبدیلی نہیں آنے دی۔ نہ اس منصب سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھایا۔ جیسے شروع میں تھے ویسے ہی آخر تک رہے۔ حضرت عمرؓ نے بعض جرنیلوں کے اندوختوں کی حساب طلبی کی اور بظاہر جواز سے فالتو رقمیں ان سے واپس لے کر بیت المال میں داخل کر دیں۔ حضرت ابوعبیدہؓ محاسبہ کی زد میں نہیں آئے۔ بلکہ ان کی سادگی، اخلاص اور دیانت وامانت کی بنا پر حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے'' اگر ابوعبیدہؓ زندہ ہوتے تو میں اپنی جگہ انہیں خلیفہ نامزد کر دیتا''۔

رسول اکرم خاتم النبیین ﷺ کے نزدیک وہ ''امین الامت'' تھے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' ابوعبیدہؓ کیسے اچھے آدمی ہیں''۔ آپ خاتم النبیین ﷺ انہیں بہت عزیز رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ انہیں زہد، اخلاص، سادگی اور دیانت وغیرہ محاسن کی بنا پر اپنا بھائی کہتے تھے اور ان کی مخالفت کو مکروہ سمجھتے تھے۔ شیخینؓ کے نزدیک ان کی بڑی قدر ومنزلت تھی۔

غزوہ احد میں ثابت قدم رہے اور جناب رسول اکرم خاتم النبیین ﷺ کے رخسارِ مبارک سے زرہ کی کڑیاں اپنے دانتوں سے کھینچ کر نکالیں اور اس کوشش میں ان کے دو دانت جاتے رہے۔

سپہ سالاری:- حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں فتنہ ارتداد کو کچلنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بھرپور تعاون کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی وفات سے پہلے 13 ہجری میں ہرقل قیصر قسطنطنیہ کو افواج کا مقابلہ کرنے کے لیے پانچ پانچ ہزار پر مشتمل 4 لشکر تیار کیے تھے۔ ابوعبیدہؓ کو صوبہ حمص (شام کا صوبہ)، یزید بن ابی سفیانؓ کو دمشق، عمرو بن العاصؓ کو فلسطین اور شرجیل بنؓ حسنہ کو اردن کی طرف پیش قدمی کرنے کے لیے لشکر کا سپہ سالار بنایا تھا اور ساتھ ہی یہ حکم دیا تھا کہ اگر چاروں لشکر اتفاق سے کسی ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں تو ابوعبیدہؓ سالار اعظم ہونگے، روانگی سے ایک دن قبل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ کے بارے میں ان خیالات کا اظہار کیا''ابوعبیدہؓ میں نے خوب اچھی طرح دیکھا ہے کہ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ تمہیں کس عزت اور محبت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے اور ان کی نگاہ میں تمہاری کتنی قدر تھی، اس وجہ سے میری نگاہ میں بھی تمہاری بڑی وقعت ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج روئے زمین پر میں کسی شخص کو بھی تمہارے اور عمر بن خطابؓ کے برابر نہیں سمجھتا۔ ہر اس انسان کی عزت جو مجھ سے ملتا ہے میری نگاہ میں تمہاری وقعت سے کم ہے، جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارا حافظ وناصر ہو''۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ تمام معرکوں میں شرکت کی اور بحیثیت سالار ہر جگہ کامیابی نصیب ہوئی۔ فتوحات کے بعد ملکی نظم ونسق کو مستحکم کرنے کی نوبت آئی تو فاروق اعظمؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو سارے شام کا گورنر مقرر کیا۔ شام میں آباد بے شمار عیسائی حضرت ابوعبیدہؓ کے حسن سلوک سے متاثر ہو چکے تھے، سب اسلام لے آئے، یہاں تلواروں سے وہ کام نہ ہوا جو تبلیغ سے ہوا۔

وفات:- 18 ہجری میں جب عرب میں شدید قحط پڑا ہوا تھا تو ابوعبیدہؓ نے چار ہزار غلہ سے لدے ہوئے اونٹ مدینے کے لیے روانہ کیے۔ اس قحط زدہ آبادی کو کافی سہارا ملا، ابوعبیدہؓ کو شام کی امارت سنبھالنے اور قحط کے سلسلے میں امدادی انتظامات کرتے ہوئے تھوڑا عرصہ ہوا تھا کہ 18 ہجری میں شام اور عراق میں طاعون کی شدید وبا پھیل گئی۔ 25 ہزار مجاہدین اس وبا کی بھینٹ چڑھ گئے۔ شام اور فلسطین میں اس کا بہت زور تھا۔ حضرت عمرؓ بن خطاب نے بہت کوشش کی کہ ابوعبیدہؓ شام سے نکل آئیں لیکن وہ نہ مانے اور کہا ''مسلمانوں کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ نے وبا زدہ مقام سے بھاگنے سے منع فرمایا ہے نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ ''طاعون میں مرنے والا شہید ہے، پیٹ کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے جو عورت حاملہ مرجائے وہ شہید ہے اور پسلی کی بیماری والی (نمونیہ کی مریضہ) بھی شہید ہے''۔ (طبقات ابن سعد، جلد سوم)

حضرت عمرؓ ان کا جواب پڑھ کر روئے اور پھر کہا'' اگر تم نہیں آ سکتے تو کم از کم اتنا کر لو کہ افواج کو مرطوب نشیبی مقامات سے دوسرے بہتر مقامات پر منتقل کر و جہاں پر وبا کا اثر نہ ہو یا کم ہو''۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ فوج کو لے کر جابیہ چلے گئے، جو آب و ہوا کے لحاظ سے ایک صحت افزاء اور پُرفضا مقام ہے لیکن وبا سے ان کی صحت متاثر ہو چکی تھی، جابیہ پہنچتے ہی ان پر طاعون کا حملہ ہوا اور وہ موت کو لبیک کہتے ہوئے خالق حقیقی سے جا ملے۔ وفات کے وقت عمر مبارک 58 سال تھی (انا للہ وانا الیہ راجعون)

وفات سے پہلے حضرت معاذؓ کو اپنا قائم مقام بنایا، انہوں نے ہی نماز جنازہ پڑھائی اور دمشق میں دفنائے گئے۔

مشہور صحابی حضرت معاذؓ بن جبل انصاری نے حضرت ابوعبیدہؓ کی وفات پر اہل لشکر کے سامنے ایک درد انگیز تقریر کی، انہوں نے فرمایا:

''ابوعبیدہؓ آپؓ پر اللہ کی رحمت ہو، آپؓ بلا شبہ ان لوگوں میں سے ہیں جو زمین پر نہایت عجز و انکسار سے چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرتے ہیں اور راتوں کو نماز میں کھڑے رہتے ہیں۔ آپؓ نے ساری عمر اعتدال اور میانہ روی میں گزاری، آپؓ یتیموں کے نگران اور مساکین پر رحیم تھے۔ متکبر اور مغرور لوگوں سے الگ رہتے تھے اور عوام سے محبت اور نرمی سے پیش آتے تھے''، پھر مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''مسلمانوں آج تم سے ایسا شخص جدا ہو گیا ہے جس کی مانند میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا وہ تم سب سے زیادہ نمود و نمائش سے بَری تھے، سادگی اور قناعت ان کا زیور تھا اور مسلمانوں کے انتہائی خیر خواہ تھے، وہ خلقِ خدا سے بڑی شفقت سے پیش آتے تھے، پس تم ان کے لیے زیادہ سے زیادہ رحمت کی دعا مانگو، آئندہ کوئی شخص ان کی مانند تمہارا اور میرا سپہ سالار نہیں ہوگا''۔

یہ تھیں وہ خوبیاں جن پر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ، حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمرؓ کی نگاہ تھی، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک بہادر قیس بن مکشوح کو کچھ فوج دے کر ابوعبیدہؓ کے پاس بھیجا تو اسے نصیحت کی کہ ''میں تمہیں ابوعبیدہؓ کی ماتحتی میں بھیج رہا ہوں، وہ اس خوبی کے انسان ہیں کہ جب ان کے ساتھ کوئی زیادتی کرتا ہے تو وہ اس نرمی اور محبت سے پیش آتے ہیں، جو ان سے بدسلوکی کرتا ہے وہ اس سے نیک برتاؤ کرتے ہیں، جو ان کے ساتھ دشمنی کرتا ہے وہ اس سے دوستی کرتے ہیں، پس تم کسی صورت بھی ان کی نافرمانی نہ کرنا، وہ اپنے ماتحتوں پر نہایت مہربان ہیں اور انہیں کوئی ایسا حکم نہیں دیتے جس میں ان کا فائدہ نہ ہو''۔

حضرت ابوعبیدہؓ کو تبلیغ سے بہت شغف تھا، آپؓ کے دو بیٹے تھے جن کے آگے اولاد نہ تھی، آپؓ نے اپنے بیٹے عامر کو وصیت کی کہ عامر! میری کامیابی کا راز یہ تھا کہ میں نے کبھی اپنی ہستی کو مرتبہ انسانیت سے بالا نہیں سمجھا اور میں ایسا کیوں سمجھتا جبکہ میں اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ تھا کہ کوئی قوت بھی فنا سے محفوظ نہیں ہے۔ میری قوت گویائی اور میرا عزم و استقلال ایک ایسی نعمت ہے جو چند لمحوں میں مجھ سے واپس لی جا سکتی ہے۔ میری زندگی بھی زوال اور فنا سے محفوظ نہیں ہے، میں ہمیشہ عالم بیداری میں موت کو آنکھوں کے سامنے رکھتا تھا۔ اور سوتے وقت اپنے سرہانے رکھ کر سویا کرتا تھا جس کی وجہ سے تکبر، گھمنڈ، تصنع اور انانیت نے میرے محسوسات پر اقتدار حاصل نہ کیا بیٹا! میں اپنی اصلاح میں بڑی حد تک کامیاب ہو گیا ہوں، اگر تم میری اس آخری وصیت پر عمل کرو تو میں یقین کرتا ہوں کہ تم بھی اطمینان کے ساتھ زندگی گزارو گے، خدا تم کو نیک عمل کی توفیق دے۔ (آمین)

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے، میری امت کا امین ابوعبیدہؓ ہیں''۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 3744)

حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا ''اگر میں عبیدہ کو پاتا تو انہیں اپنا خلیفہ بناتا''۔

****

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص (شہسوارِ اسلام)

اسلام کے اس پہلے تیر انداز کا نام سعدؓ اور کنیت ابواسحاق تھی ۔ باپ کا اصل نام مالک تھا۔ اور کنیت ابووقاص ۔ وہ ظہورِ اسلام سے پہلے فوت ہو چکے تھے ۔ تاریخ میں حضرت سعدؓ کو کبھی سعدؓ بن مالک اور کبھی سعدؓ بن ابی وقاص کے نام سے یاد کیا جاتا ہے حضرت سعدؓ کا تعلق قریش کے قبیلے بنو زہرہ سے تھا۔ رسولِ اکرم خاتم النبیین ﷺ کی والدہ ماجدہ بھی اسی قبیلے سے تھیں اور حضرت سعدؓ کے والد کی چچا زاد بہن تھیں۔ اس رشتے سے حضرت سعدؓ حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ کے ماموں زاد بھائی ہوئے حضرت سعدؓ کی والدہ حمنہ بنو امیہ سے تھیں ۔ حضرت سعدؓ کی پھوپھی ہالہ بنت وہب کا نکاح حضور خاتم النبیین ﷺ کے دادا عبدالمطلب سے ہوا تھا۔ وہ حمزہؓ بن عبدالمطلب کی والدہ تھیں ۔ اس طرح حضرت حمزہؓ حضرت سعدؓ کے حقیقی پھوپھی زاد بھائی تھے یوں حضرت سعدؓ کی قریش کے تین معزز خاندانوں بنی زہرہ، بنی ہاشم اور بنی امیہ سے قرابت تھی ۔

حضرت سعدؓ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں کلاب بن مرہ پر رسولِ اکرم خاتم النبیین ﷺ سے مل جاتا ہے ۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے سال پیدائش اور عمر کے متعلق روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے ۔ وہ ہجرت نبوی سے تقریباً تیس سال پہلے مکہ میں پیدا ہوئے اور مکہ کے خوشحال گھرانوں کے بچوں کی طرح ان کی پرورش اور تربیت ہوئی ۔ لکھنا پڑھنا سیکھا، مروجہ فنونِ جنگ بالخصوص تیر اندازی میں مہارت حاصل کی اور غالباً عام اہلِ مکہ کی طرح تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔

حضرت سعدؓ نے تقریباً سترہ سال کی عمر میں پہلی نزولِ وحی کے ساتویں دن حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ترغیب سے اسلام قبول کیا۔ آپ کے چہرہ پر ابھی خط نہیں نکلا تھا اور نمازیں فرض نہیں ہوئی تھیں صحیح بخاری کی روائت کے مطابق وہ اپنے آپ کو **"ثلثِ اسلام"** یعنی تیسرا مسلمان کہا کرتے تھے ۔ لیکن مؤرخین کا خیال ہے کہ حضرت سعدؓ سے پہلے چھ سات ہستیاں اسلام کی نعمت سے بہرہ یاب ہو چکی تھیں ۔ حضرت سعدؓ کو اس کا علم نہ تھا کیونکہ ابھی عام تبلیغ کا حکم نہ ہوا تھا اور مسلمان ابھی اپنے اسلام کا اظہار کھلم کھلا نہیں کرتے تھے ۔ سعدؓ تیسرے مسلمان ہوں یا ساتویں اِسلام لانے میں سبقت کے باعث وہ سابقون الاوّلون میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں ۔ ان کے بعد سات روز تک کوئی دوسرا بالغ مرد اسلام نہیں لایا۔ اس لئے اس عرصے میں وہ اپنے آپ کو تیسرا مسلمان سمجھتے رہے ۔

جس وقت وہ اسلام کی نعمت سے بہرہ یاب ہوئے، ان کے خاندان کے تمام مرد و عورت، خورد و کلاں (چھوٹے اور بڑے) کفر و شرک کی ضلالت میں مبتلا تھے ۔ سعید الفطرت سعدؓ نے اپنے اہلِ خاندان کے اعتقادات و جذبات و احساسات اور ردِ عمل کی پرواہ نہ کرتے ہوئے داعیٔ حق کی آواز پر لبیک کہا۔ ماں کو اپنے بیٹے سے بڑی محبت تھی اور وہ بھی اس کے بڑے فرمانبردار تھے ۔ اسے جب معلوم ہوا کہ اس کا پیارا بیٹا آبائی دین کو چھوڑ کر محمد خاتم النبیین ﷺ کے نئے دین کا پیرو بن گیا ہے تو اسے سخت صدمہ ہوا۔ اس نے بیٹے کو سمجھانے اور اسلام سے پھیرنے کی بہت کوشش کی مگر یہ وہ نشہ نہ تھا جسے ترشی اتار دیتی ۔ پھر اس نے بیٹے پر دباؤ ڈالنے کے لئے اس سے بول چال بند کر دی ۔ اور جذباتی اپیل کرنے کے لئے کھانا پینا، سائے میں بیٹھنا بھی ترک کر دیا۔ وہ تین دن تک بھوکی پیاسی رہی حضرت سعدؓ بہت پریشان ہوئے مگر ماں سے محبت کے باوجود ان کے پائے استقامت و عزیمت میں لغزش نہ آئی ۔ ماں نے کہا کہ میرا حق ادا کرنا تجھ پر واجب ہے ۔ تو میری بات نہ مانے گا تو اللہ کی بھی نافرمانی کرے گا۔ لیکن حضرت سعدؓ متاثر نہ ہوئے اور کہا:

"ماں! تم سے مجھے بے حد محبت ہے ۔ لیکن اگر تمہارے جسم میں ہزار جانیں ہوں اور ایک ایک کر کے یہ جان نکل جائے تو بھی اسلام کو نہ چھوڑوں گا" ۔

پھر رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ماجرا عرض کیا۔ اس پر سورہ عنکبوت (۲۹) کی آٹھویں آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے:

ترجمہ: "ہم نے انسان کو ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے لیکن اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسے (معبود) کو شریک ٹھہرائے جسے تو (میرے شریک کی حیثیت سے) نہیں جانتا تو ان کی اطاعت نہ کر" ۔

بعض محدثین (مسلم، ترمذی، احمد، ابوداؤد، نسائی) کے مطابق یہ آیت حضرت سعدؓ ہی کے بارے میں نازل ہوئی، سورۂ لقمان کی آیت ۱۵ میں بھی اس مضمون کا اعادہ کیا گیا۔ اس لیے ممکن ہے کہ بعض دوسرے مسلمان ہونے والے نوجوان بھی اسی قسم کے حالات سے دوچار ہوئے ہوں ۔

بیٹے (حضرت سعدؓ) کے عزم و استقلال کو دیکھ کر ماں نے بالآخر حالات سے سمجھوتہ کر لیا۔

قبولِ اسلام کے بعد حضرت سعدؓ نے مشرکین مکہ کی طرف سے مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم و شدائد کا مقابلہ بڑی استقامت اور پامردی سے

کیا۔شروع میں کفار کے شر و فساد سے بچنے کے لئے مکہ کی پہاڑیوں کی گھاٹیوں میں چھپ چھپ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ایک دفعہ چند دوسرے صحابہ کے ساتھ ایک ویران گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ چند مشرک ادھر آ نکلے۔انہوں نے پہلے اسلام اور مسلمانوں پر آوازیں کسیں،ان کا تمسخر اڑایا اور پھر ان پر حملہ کر دیا۔حضرت سعدؓ کی اسلامی محبت و غیرت جوش میں آ گئی۔کسی مردہ اونٹ کی شانے کی ہڈی قریب ہی پڑی تھی۔انہوں نے اٹھا کر اُس زور سے ایک مشرک کے سر پر دے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔یہ دیکھ کر مشرکین نے راہِ فرار اختیار کی۔اب تک مسلمانوں کو دشمنوں کے مقابلے میں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ تھی۔**حضرت سعدؓ بن ابی وقاص پہلے شخص ہیں جنھوں نے اسلام کی راہ میں دشمن کا پہلا خون بہایا۔**

حضرت سعدؓ مکہ میں رہ کر کفار کی سختیاں برداشت کرتے رہے حتیٰ کہ جناب رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ نے مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کر جانے کا حکم دے دیا۔تب آپ اپنے کمسن چھوٹے بھائی حضرت عمیرؓ کو ساتھ لے کر مدینہ چلے گئے اور وہاں اپنے بڑے بھائی عتبہ کے مکان پر قیام کیا جو مکہ میں ایک شخص کو قتل کر کے مدینہ بھاگ آیا تھا اور وہیں رہائش کر لی تھی لیکن ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

ہجرت مدینہ کے بعد حضرت سعدؓ نے ہر مشکل وقت پر اسلام اور داعیٔ اسلام کے لئے جاں نثاری کا مظاہرہ کیا۔حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ کو ان پر بہت اعتماد تھا۔آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے ہجرت کے تھوڑے دن بعد مشرکین مکہ کی سرگرمیوں کا پتہ چلانے اور ان کے تجارتی قافلوں کو مرعوب کرنے کے لئے حضرت عبیدہؓ بن حارث کی زیر کمان ساٹھ صحابہ پر مشتمل ایک سریہ بطن رابغ کی طرف بھیجا۔حضرت سعدؓ بھی اس میں شامل تھے۔اہلِ سریہ کی مڈبھیڑ مشرکین مکہ کے دوسو افراد پر مشتمل ایک قافلہ سے ہوئی،چونکہ حضور خاتم النبیین ﷺ نے لڑائی میں پہل کرنے سے منع کر دیا تھا،اس لئے مسلمانوں نے قافلے پر حملہ نہیں کیا اور قافلہ بھی پہلو بچا کر نکل گیا۔لیکن حضرت سعدؓ نے اسلامی جوش و حمیت کے تحت کفار کی طرف ایک تیر چلا ہی دیا۔یہ پہلا تیر تھا جو اسلام کی راہ میں چلایا گیا۔**مکہ میں راہِ خدا میں سب سے پہلی خونریزی بھی حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے کی تھی۔مدینہ پہنچ کر راہِ خدا میں پہلا تیر بھی انہی کی کمان سے نکلا۔**

شوال 3 ہجری غزوہ اُحد کا سخت دن ہے۔کفر و اسلام کا معرکہ شدید گرم ہے۔700 مسلمان، 4000 مشرکین مکہ کے سامنے ڈٹے کھڑے ہیں اور انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیتے ہیں،اس کے فوراً بعد ہی اکثریت آپ خاتم النبیین ﷺ کے منع کرنے کے باوجود مال غنیمت اکٹھا کرنے کے لیے ٹوٹ پڑتی ہے،صرف آٹھ دس صحابہؓ آپ خاتم النبیین ﷺ کے پاس باقی رہ جاتے ہیں۔ان میں حضرت ابوبکر صدیقؓ،حضرت علیؓ،حضرت زبیرؓ،حضرت طلحہؓ،حضرت ابودجانہؓ اور ایک صحابیہ ام امارہؓ ہیں۔

پروانوں کے اس ہجوم میں ایک گٹھے ہوئے جسم اور قوی پنجے والا چھوٹے قد کا 31، 32 سال کا ایک جوان بھی ہے جو اپنی ذاتی حفاظت سے قطعاً بے نیاز، دشمنوں پر لگاتار تیر چلا رہا ہے،اسے اگر خیال ہے تو اپنے آقا خاتم النبیین ﷺ کی حفاظت کا،اس کا ہر ہر تیر نشانے پر لگتا ہے،کسی دشمن کو زخمی اور لہولہان اور کسی کو جہنم رسید کرتا جا رہا ہے،اس کی تیراندازی اور جاں نثاری نقطۂ عروج پر ہے،جناب رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ فرماتے ہیں کہ ''تیر چلائے جا میرے ماں باپ تجھ پر قربان'' اور کبھی آپ خاتم النبیین ﷺ فرماتے ہیں ''اے زور آور جوان تیر چلا''۔

آپ خاتم النبیین ﷺ کے یہ جملے اس نوجوان کے سامنے زندگی کا سب سے بڑا شرف اور اعزاز ہیں،طلحہ بن طلحہ ایک دیو قامت کافر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ پر حملہ کی نیت سے آگے بڑھتا ہے،لیکن حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا یہ تیرانداز تاک کر ایک تیر چلاتا ہے جو اس دشمن کو حلق میں جا کر لگتا ہے،زبان کتے کی طرح باہر نکل آتی ہے اور وہیں ڈھیر ہو جاتا ہے،اس طرح اللہ کے اس غازی کی وہ دُعا پوری ہو جاتی ہے جو اس نے جنگ سے پہلے مانگی تھی کہ

''باری تعالیٰ میرا مقابلہ ایک بہت بڑے دشمن دین سے ہو اور میں اسے دین کی خاطر ختم کروں''۔

جب تیرانداز کا اپنا ترکش خالی ہو جاتا ہے تو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ اپنے ترکش کے تیر نکال نکال کر اسے پکڑاتے جاتے ہیں اور وہ تیر چلاتا جاتا ہے،اکثر تیر نشانے پر لگتے ہیں،اسی طرح اس نوجوان نے کوئی ایک ہزار تیر چلائے اور دشمن کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا،بالآخر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ترکش بھی خالی ہو گیا،اس کے بعد دشمن شدت سے حملہ آور ہوتا ہے تو اب صرف بغیر پھل کے ایک تکا باقی ہے،اس نوجوان نے اسی کو ترکش پر چڑھا کر دے مارا جس سے دشمن برہنہ ہو گیا، آپ خاتم النبیین ﷺ یہ دیکھ کر مسکرائے۔پھر یہ فدا ہو جانے والا نوجوان ترکش خالی ہونے کے بعد بھی آپ خاتم النبیین ﷺ کی حفاظت کے لیے وہاں موجود رہا، آپ خاتم النبیین ﷺ اس کے حق میں دعا فرماتے،الٰہی اس کے تیر کو نشانے پر بٹھا اور اس کی دعا قبول فرما'' آخر آپ خاتم النبیین ﷺ دشمن کے نرغے سے نکل کر

احد کی چوٹی پر پہنچ جاتے ہیں اور دشمن مکہ کو لوٹ جاتے ہیں۔

ایک دوسرے موقع پر مدینے میں ایک رات افواہیں اڑتی ہیں کہ رومی حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں اور یہودی بھی رومیوں کے ساتھ ہیں، تاریک اور بھیانک رات ہے، حضور پاک خاتم النبیین ﷺ بستر پر لیٹنے لگتے ہیں تو فرماتے ہیں ''کاش آج کوئی رجل صالح (مرد نیک) اور جری بندہ حفاظت کے لیے ہوتا۔''

فوراً ہی کسی کے پاؤں کی آہٹ اور اسلحہ کی جھنکار کی آواز آتی ہے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ ''پوچھتے ہیں کون ہے؟'' جواب آتا ہے'' یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ آپ خاتم النبیین ﷺ کا خادم سعدؓ بن ابی وقاص۔ میں نے سوچا کہ رات اندھیری ہے کوئی خطرہ پیش نہ آجائے اس لیے پہرہ دینے حاضر ہوا ہوں۔ سرورکائنات خاتم النبیین ﷺ یہ سن کو خوش ہوتے ہیں اور دعا دیتے ہیں (بخاری شریف)

یہ رجلِ صالح (نیک مرد) وہ بزرگ ہیں جنہیں تاریخ ان کے باپ ابو وقاص مالک کی کنیت سے سعدؓ بن ابی وقاص یا سعدؓ بن مالک کے نام سے یاد کرتی ہے اور جنہیں ان کے رفقاء کے مقابلے میں کئی کئی شرف حاصل ہوئے۔ **انہوں نے اسلام کی خاطر پہلی خونریزی کی۔ راہ خدا میں پہلا تیر چلایا۔ راتوں کو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے لیے پہرہ دیا، آپ خاتم النبیین ﷺ نے انہیں لقب ''رجل صالح'' فرمایا۔ یہ وہ واحد صحابیؓ ہیں جن کی نماز جنازہ میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ازواج مطہرات نے بھی شرکت کی۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے انہیں زندگی میں ہی جنت کی بشارت دے دی تھی،** حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی رحلت کے بعد بھی اسلام کے لیے جانثاری کرتے رہے۔ انہوں نے عہد فاروقی میں دنیا کی سب سے بڑی اور قدیم وعظیم سلطنت ایران کا خاتمہ کر کے وہاں اسلام کا بول بالا کیا۔ حضرت سعدؓ نے 17 سال کی عمر میں پہلی وحی کے ساتویں دن حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ترغیب پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ آپؓ کے چہرہ مبارک پر ابھی خط نہیں نکلا تھا۔ صحیح بخاری کے مطابق وہ اپنے آپ کو ثلث اسلامی یعنی تیسرا مسلمان کہا کرتے تھے۔ ہجرت کر کے مدینہ آگئے اور ہر مشکل میں اسلام کے لیے جانثاری کا مظاہرہ کرتے رہے۔ حضرت سعدؓ نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے ہمراہ، بدر، اُحد، خندق، خیبر، فتح مکہ، حنین، طائف وغیرہ تمام غزوات میں شرکت کی۔ فتح مکہ کے موقع پر مہاجرین کے تین جھنڈوں میں سے ایک جھنڈا حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے حضرت سعدؓ کو عطا کیا تھا، بیعت رضوان اور سفر تبوک میں آپ خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ رہے۔

10 ہجری میں حجتہ الوداع کے موقع پر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ حج کیا، پھر مکہ جا کر سخت بیمار ہوئے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ خود عیادت کو آئے۔ حضرت سعدؓ نے رو کر کہا'' یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میرے پاس کافی مال ہے اور اولاد میں صرف ایک بیٹی ہے۔ اگر آپ خاتم النبیین ﷺ اجازت دیں تو میں 2 تہائی مال صدقہ کر دوں اور ایک تہائی بیٹی کے لیے رہنے دوں لیکن آپ خاتم النبیین ﷺ نے ایک تہائی مال صدقہ کرنے کی اجازت دی اور فرمایا کہ یہ بھی بہت ہے اور فرمایا'' اے سعدؓ! تم اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ ڈالو گے تو وہ بھی صدقہ ہے'' حضرت سعدؓ نے پھر رونا شروع کر دیا اور کہا'' میں مکہ میں نہیں، مدینہ میں مرنا چاہتا ہوں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ اللہ سے دعا کریں کہ مجھے مکہ میں موت نہ دے''۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے دعا کی اور بشارت دی کہ'' اے سعدؓ'' تم اس وقت تک زندہ رہو گے جب تک تم سے ایک قوم کو نقصان اور دوسری کو نفع نہ پہنچ جائے گا''۔ اللہ تعالیٰ نے آپ خاتم النبیین ﷺ کی دعا قبول فرمائی۔ حضرت سعدؓ صحت یاب ہو گئے، آپ خاتم النبیین ﷺ کی پیشن گوئی صحیح ثابت ہوئی، چند ہی سالوں بعد حضرت سعدؓ کی سپہ سالاری میں ایران فتح ہو گیا۔ ساسانی سلطنت ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی اور اسلام کا بول بالا ہو گیا۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے بعد حضرت سعدؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

وفات:۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے 55 ہجری میں وفات پائی۔ وفات کے وقت آپؓ کی عمر مبارک 85 سال تھی۔ جب آپؓ کی وفات کی خبر پہنچی تو ایک کہرام مچ گیا۔ جو امہات المومنین حیات تھیں، انہوں نے پیغام بھیجا کہ جنازہ مسجد نبوی خاتم النبیین ﷺ میں پڑھایا جائے تاکہ وہ بھی شریک ہوسکیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور بے شمار دوسرے افراد کے علاوہ امہات المومنینؓ نے بھی عشرہ مبشرہ کے اس آخری بزرگ کی نماز جنازہ پڑھی۔ وفات کے وقت حضرت سعدؓ نے اپنا پرانا جبہ نکلوایا اور فرمایا تھا کہ مجھے اس کا کفن دینا، میں نے یہ اس دن کے لیے محفوظ رکھا تھا، آپؓ جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔

بے شک وہ اسلام کے بڑے رہبروں میں سے تھے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ثالث بالخیر)

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف بعثت نبوی کے وقت تیس سال کے تھے اور ایک کامیاب تاجر تھے۔آپ کے والد عوف کا پیشہ بھی تجارت تھا اور وہ ایک تجارتی سفر کے دوران میں مارے گئے تھے۔حضرت عبدالرحمٰنؓ کی طبیعت میں فطری سلامت روی اور پرہیز گاری تھی۔کبھی شراب نہیں پی۔اہل مکہ کی دوسری اخلاقی برائیوں سے بھی ہمیشہ دور رہے۔ابتدا ہی سے صالح زندگی کی طرف مائل تھے۔حضرت ابوبکر صدیقؓ کی کوشش سے انہوں نے راہِ ہدایت پائی اور اسلام کے السابقون الاولون میں شمار ہوئے۔وہ اور حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح ایک ہی دن اسلام لائے۔ابن سعد کے مطابق رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے ابھی دارِ ارقم کو مرکز دعوت و تبلیغ نہیں بنایا تھا۔بعض نے آپ کو چھٹا مسلمان لکھا ہے،بعض نے تیرہواں۔عبدالرحمٰنؓ کے اسلام پر حضور خاتم النبیین ﷺ کے چہرہ پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے اور آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''میں ایک ایسا چہرہ دیکھتا ہوں جس کو دیکھ کر نیکی کی امید بندھتی ہے۔''اسلام لانے کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ اکثر حضور خاتم النبیین ﷺ کی صحبت میں رہنے لگے۔دوسرے مسلمانوں کی طرح انہیں بھی مشرکینِ مکہ کی طرف سے سختیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

6ہجری کا پرآشوب اور تشویشناک زمانہ تھا،مدینہ دشمنوں میں گرا ہوا تھا۔آپ خاتم النبیین ﷺ دشمنوں کے پیشگی سد باب کے لیے کئی دن سے سوچ رہے تھے،شعبان کی ایک چمکیلی صبح کو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ایک صحابیؓ کو بلا بھیجا۔پیغام ملتے ہی ایک چھریرے جسم کا طویل قامت دراز ریش،سرخ وسفید رنگ، ستواں ناک،ایک شخص جو تھوڑا سا لنگڑا کر چلتے تھے،حاضرِ خدمت ہوئے۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا''ابومحمد مجھے دومتہ الجندل سے تشویشناک خبریں آرہی ہیں۔''وہاں مدینے پر حملہ کرنے کے لیے لشکر جمع ہو رہا ہے۔تم وہاں جاکر ان کے سردار کو اسلام کا پیغام دینا۔لیکن اگر لڑائی کی نوبت آئے تو دیکھنا کہ کسی کو دھوکہ نہ دینا،خیانت اور بدعہدی نہ کرنا،بچوں اور عورتوں کو ختم نہ کرنا اور اللہ کے باغیوں سے اس دنیا کو پاک کردینا''۔

اگلی صبح وہ نوجوان صحابیؓ ہتھیار لگائے عمامہ باندھے حاضرِ خدمت ہوگئے۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے انہیں قریب بلایا ان کا عمامہ اتار کر اپنا سیاہ عمامہ اپنے دستِ مبارک سے ان کے سر پر باندھا اور دونوں شانوں کے درمیان تھوڑا سا شملہ چھوڑ دیا اور فرمایا''ابومحمد عمامہ یوں باندھیے،کیونکہ یہ احسن اور اقرب ہے''۔

ابومحمد نے پھر یہ مقدس عمامہ ہمیشہ بڑی احتیاط سے محفوظ رکھا۔آپؓ اہم مواقع پر اسے استعمال کیا کرتے تھے۔سیاہ عمامہ ابومحمد کو پہنانے کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس سالارِ لشکر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ایک پرتاثیر خطبہ دیا۔

''اے لوگو! بلاؤں کے نازل ہونے سے پہلے پانچ باتوں کا خیال رکھو، **کسی ملک میں جب کم تولنے کا رواج ہوجاتا ہے تو اللہ وہاں قحط نازل فرماتے ہیں اور پھلوں میں کمی واقع ہوجاتی ہے اور جب کسی قوم میں بدعہدی کا رواج ہوجاتا ہے تو اللہ ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کردیتا ہے اور جب زکوٰۃ ادا نہیں کی جاتی تو بارش روک دی جاتی ہے۔اگر بے زبان جانور نہ ہوتے تو ایک قطرہ بھی پانی نہ برستا اور جب کسی قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے تو وہاں طاعون پھیل جاتا ہے اور جب قرآن کے احکامات پر عمل چھوڑ دیا جاتا ہے تو اختلاف بڑھ جاتا ہے اور لوگ ایک دوسرے کے دشمن ہوجاتے ہیں''۔**

یہ ابومحمدؓ جو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خاص عنایت کے مستحق ٹھہرے کون تھے؟ یہ تھے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ جن کے بارے میں آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا تھا، **اہل زمین میں بھی امین ہیں اور اہل آسمان میں بھی، نیز دعا فرمائی، اے اللہ، عبدالرحمن کو عزت اور وقار عطا فرمانا''۔**

ام المومنین حضرت سلمہؓ سے روایت کی کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو شخص میرے بعد تم لوگوں کی (امہات المومنین) خیر خبر گیری کرے گا وہ سچا اور پاک نفس ہوگا اور پھر ابنِ عوف کے حق میں دعا فرمائی''اے اللہ عبدالرحمن کو چشمہ سلسبیل سے سیراب کرنا''۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے انتقال کے بعد عبدالرحمنؓ امہات المومنینؓ کی خبر گیری کرتے رہے۔آپؓ کا تعلق قبیلہ بنو زہرہ سے تھا، گو کہ یہ قبیلہ قریش کی طرف سے جنگ میں شریک ہوا تھا لیکن ان کی تلواریں کسی ایک مسلمان کے خون سے بھی رنگین نہیں ہوسکیں۔یعنی انہوں نے کسی ایک مسلمان کو بھی قتل نہیں کیا۔اسلام سے پہلے آپ ؓ کا نام عبدالکعبہ تھا، کنیت ابومحمد تھی۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے دس سال چھوٹے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ترغیب سے اسلام لائے تھے، غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ خیبر، بیعت رضوان، فتح مکہ، غزوہ حنین، غزوہ طائف سفر، تبوک، حجتہ الوداع میں ہمیشہ ساتھ رہے۔کوئی بھی نہیں چھوڑا۔کوئی موقع یا معرکہ ایسا نہ تھا جس میں آپؓ نے حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا ساتھ نہ دیا ہو، خلفائے راشدین میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ سے پورا تعاون کیا، حضرت عثمان غنیؓ کے انتخاب خلافت میں انتخابی کردار ادا کیا اور تمام تر مشاورت کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی زندگی میں آپ ؓ کو اپنا جانشین

بنانا چاہا تھا تو آپؓ نے انہیں یہ جواب دیا۔ ''بخدا مجھے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کی بجائے میرے گلے پر چھری رکھ کر ایک سرے سے دوسرے سرے تک اتار دی جائے''۔ ان کے انکار پر حضرت عمرؓ نے انہیں انتخابی کونسل کا سب سے اہم رکن منتخب کر دیا تھا۔ حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف۔ روایت حدیث میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ ہر وقت آپ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں رہنے کے باوجود آپؓ سے صرف 65 احادیث مروی ہیں، عشرہ مبشرہ والی حدیث بھی آپؓ نے روایت کی ہے جو یہ ہے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ابوبکرؓ، جنت میں ہیں، عمرؓ جنت میں ہیں، عثمانؓ جنت میں ہیں، علیؓ جنت میں ہیں، طلحہؓ جنت میں ہیں، عبدالرحمن بن عوفؓ جنت میں ہیں، ابوعبیدہؓ جنت میں ہیں، سعید بن زیدؓ جنت میں ہیں، سعد بن ابی وقاصؓ جنت میں ہیں، زبیر بن العوامؓ جنت میں ہیں''۔ (ترمذی شریف، حدیث نمبر 3747)

حضرت سعید بن زیدؓ سے بھی عشرہ مبشرہ والی حدیث مروی ہے، انہوں نے از راہ انکسار اپنا نام نہیں لیا تھا۔

آپؓ کی روایت کردہ چند احادیث:-

1۔ عالم کو عابد پر ستر درجہ فضیلت ہے، ہر درجہ کی پستی اور بلندی میں وہی فرق ہے جو آسمان اور زمین کی پستی اور بلندی میں ہے۔

2۔ تھوڑی سی سمجھ اور مسائل کا علم بہت سی عبادت سے بہتر ہے۔

3۔ صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا

4۔ کوئی بندہ کسی کی زیادتی اور ظلم کو صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے معاف نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ اس کو بہت بلند کرتا ہے اور بڑھاتا ہے۔

5۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں اور میں بہت رحم کرنے والا ہوں، میں نے رحم کو پیدا کیا اور اپنے نام سے حصہ دیا۔ جو صلہ رحمی کرتا ہے میں بھی اپنی رحمت اس کو پہنچاتا ہوں اور جو قطع رحمی کرتا ہے میں بھی اس سے بالکلیہ اپنی رحمت کو منقطع کرتا ہوں اور مایوس کر دیتا ہوں''۔

6۔ جو عورت پانچ وقت کی نماز پڑھے اور روزے رکھے، اپنے شوہر کے حقوق کی نگہداشت کرے، اس کے احکام کی تعمیل کرے تو اس سے کہا جائے گا کہ ''جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جا''۔

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کا پیشہ تجارت تھا، مدینہ جانے کے بعد تھوڑے سے مال سے تجارت شروع کی اور پھر اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت دی کہ نفع اونٹوں پر آنے لگا۔ اس لیے آپ خاتم النبیین ﷺ نے ایک مرتبہ خوابوں کی تعبیر بتاتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''عبدالرحمنؓ تم میری امت کے غنی لوگوں میں سے ہو لیکن جنت میں گھسٹ گھسٹ کر جاؤ گے، صدقہ کیا کرو کہ تمہارے پاؤں کھل جائیں''۔

یہ سن کر عبدالرحمنؓ بن عوف رونے لگے اور فرمایا ''یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کیا میں اپنا سارا مال صدقہ کر دوں؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ہاں میں جواب دیا'' لیکن جب حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف اپنا پورا مال صدقہ کرنے چلے گئے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے واپس بلایا اور فرمایا، عبدالرحمنؓ بن عوف، پورا مال صدقہ نہ کرو، رشتہ داروں پر خرچ کرو، مساکین پڑوسیوں، حاجت مندوں پر خرچ کرو کہ مجھے یہی کہا گیا ہے''۔

رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ حتی الوسع کسی بھی موقع پر آپ خاتم النبیین ﷺ سے جدا ہونا پسند نہ کرتے تھے۔ جب رسول خاتم النبیین ﷺ نے دل میں انتہائی دردوگداز اور استغنا پیدا کر دیا تھا۔ مدینہ میں ایک دفعہ ایک تجارتی قافلہ لدا پھندا ایسے وقت پہنچا کہ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ شہر میں اشیائے خورد نوش کی قلت تھی۔ اس لئے اونٹوں کی آوازیں اور ان کی گھنٹیوں اور ساربانوں کا شور سن کر بہت سے لوگ حضور خاتم النبیین ﷺ کو خطبے میں کھڑا چھوڑ کر قافلے کی طرف دوڑ گئے تاکہ ضروری سامان کی خریداری سے محروم نہ رہ جائیں۔ صرف چند صحابہ حضور خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ مسجد میں رہ گئے۔ جن میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بھی تھے حالانکہ تجارتی قافلہ انہی کا تھا لیکن وہ کسی اشتیاق یا تشویش کا اظہار کئے بغیر دلجمعی اور اطمینان سے جناب رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ کا خطبہ سنتے رہے۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ اکثر سفر و حضر میں حضور خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ اگر حضور خاتم النبیین ﷺ کہیں باہر تشریف لے جاتے تو وہ آپ خاتم النبیین ﷺ کے پیچھے پیچھے ہو لیتے سیر الصحابہ کے مصنف نے مسند احمد کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک دفعہ اپنے حجرہ سے باہر تشریف لائے اور کھجوروں کے باغ میں جا کر سر بسجدہ ہو گئے اور دیر تک اسی عالم میں رہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ حسب معمول آپ خاتم النبیین ﷺ کے پیچھے پیچھے چلے آئے تھے۔ سجدہ کی طوالت سے انہیں

اندیشہ ہوا کہ شائد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی روح اطہر اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس پہنچ گئی۔اس لئے گھبراہٹ کے عالم میں حضور خاتم النبیین ﷺ کے سر اقدس کے قریب ہوئے۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے سر مبارک اٹھا کر فرمایا کہ عبدالرحمٰنؓ کیا بات ہے؟انہوں نے اپنی گھبراہٹ بیان کی۔جناب رحمت للعالمین خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ''عبدالرحمٰنؓ جبریلؑ نے آکر مجھے بشارت دی کہ جو مجھ پر درود بھیجے گا،اللہ اس پر درود بھیجے گا اور جو مجھ پر سلام بھیجے گا،اللہ اس پر سلام بھیجے گا۔پس میرا یہ طویل سجدہ اپنے مولا کے حضور سجدۂ شکر تھا۔''

ابن عساکر سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضور خاتم النبیین ﷺ اپنی صاحبزادی حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔گھر میں چولہا سرد پڑا تھا۔کھانا پکانے اور کھانے کے کوئی آثار نہ تھے۔معلوم ہوا کہ گھر میں فاقہ ہے سرور خاتم النبیین ﷺ کائنات نے اپنے عالی قدر نواسوں حسنؓ اور حسینؓ کو بھوک سے بلکتے دیکھا۔تھوڑی دیر میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اپنے گھر سے سالن اور روٹی لے آئے جسے کھا کر حضرات حسنینؓ خوشی سے کھیلنے کودنے لگے۔حضور خاتم النبیین ﷺ نے عبدالرحمٰنؓ کو دعا دی کہ''اللہ تمھارے دنیاوی امور کی کفالت کرے۔آخرت کا میں ضامن ہوں۔''

اسی طرح ایک موقع پر حضور خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ''اے عبدالرحمٰنؓ!دنیا اور آخرت دونوں میں تم میرے دوست ہو۔''

آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کی زندگی میں حضرت عبدالرحمٰنؓ کو سوتے جاگتے آپ خاتم النبیین ﷺ ہی کا خیال رہتا تھا اور کوشش کرتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ وقت آپ خاتم النبیین ﷺ کی بابرکت صحبت میں گزاریں۔راتوں کو نیند اور بستر سے الگ ہو کر آپ خاتم النبیین ﷺ کی خیر و خیریت دریافت کرنے کے لئے نکل پڑتے کہ مبادا حضور خاتم النبیین ﷺ کو کسی جانب سے اچانک کوئی گزند نہ پہنچ جائے۔حضور خاتم النبیین ﷺ بھی ان کے اخلاص ومحبت،صدق وصفا،تقویٰ اور پاکدامنی،جاں نثاری اور انفاق فی سبیل اللہ سے بہت متاثر تھے اور اکثر انہیں دعائیں دیتے۔حضور خاتم النبیین ﷺ کے انتقال کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ کو یاد کر کے مغموم ومحزون رہتے۔اپنی دولت وثروت کے مقابلے میں آپ خاتم النبیین ﷺ کی فقر وفاقہ کی زندگی کو یاد کر کے رویا کرتے۔شمائل ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ چند صحابہ ان کے مکان پر جمع تھے۔اندر سے ایک بڑے برتن میں روٹی اور گوشت لایا گیا۔عبدالرحمٰنؓ دیکھ کر رونے لگے۔صحابہ نے دریافت کیا کہ اے ابو محمد!کیا بات ہوئی؟کیوں روتے ہو؟جواب دیا کہ''حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ کو اپنے وصال تک کبھی بھی اس کی نوبت نہیں آئی کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے یا آپ خاتم النبیین ﷺ کے گھر والوں نے جو کی روٹی ہی سے شکم سیری کی ہو۔اب حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ کے بعد جہاں تک میرا خیال ہے ہم لوگوں کی یہ ثروت کی حالت کسی بہتری کے لئے نہیں ہے۔''خوف دامن گیر رہتا کہ خدانخواستہ اس وعید میں داخل نہ ہو جائیں کہ تم اپنی خوبیوں اور نیکیوں کا بدلہ دنیا ہی میں پا چکے ہو،جیسا کہ آیت قرآنی (سورہ الاحقاف،آیت نمبر 20) میں وارد ہے کہ''اَذۡهَبۡتُمۡ طَيِّبٰتِكُمۡ فِىۡ حَيَاتِكُمُ الدُّنۡيَا''۔کہا کرتے''اب اس خوشحالی اور فارغ البالی کی حالت میں دنیا میں ہمارا زیادہ عرصے تک رہنا ٹھیک نہیں''۔

ایک دفعہ افطاری کے وقت پر تکلف کھانا سامنے رکھا گیا مسلمانوں کی ابتدائی فقر وفاقہ کی حالت یاد کر کے رونے لگے۔فرمایا کہ''مصعبؓ بن عمیر مجھ سے اچھے تھے کہ شہید ہوئے تو کفن کے لئے صرف ایک چادر تھی جس سے سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے اور پاؤں ڈھانپتے تو سر کھل جاتا۔حضور خاتم النبیین ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کا بھی شہادت کے وقت یہی عالم تھا حالانکہ وہ مجھ سے بہتر تھے۔لیکن اب دنیا ہمارے لئے بہت کشادہ ہو گئی ہے میں ڈرتا ہوں کہ میری نیکیوں کا معاوضہ اسی دنیا میں نہ ہو گیا ہو۔''یہ کہہ کر بہت روئے اور کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔آپ کا دسترخوان بہت وسیع تھا۔اگرچہ پر تکلف نہ تھا لیکن خوشحالی کا آئینہ دار ضرور تھا۔خارش یا کسی دوسرے عارضے کی وجہ سے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے انہیں ریشمی لباس کی اجازت دی تھی اور وہ دور خلفاء میں بھی ریشم وحریر کا قیمتی لباس پہنتے رہے اور حضور خاتم النبیین ﷺ کی اجازت کی وجہ سے کبھی کسی نے شرعی اعتراض نہ کیا۔لیکن ایک دفعہ ان کے صاحب زادے بھی ریشمی قمیص پہن کر ان کے ہمراہ فاروق اعظمؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے صاحب زادے کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر قمیص کو پھاڑ ڈالا اور فرمایا''عبدالرحمٰنؓ!رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے تمہیں ریشم پہننے کی اجازت دی تھی،تمھارے بیٹے کو نہیں''۔عبدالرحمٰنؓ خاموش رہے۔

اکثر سیاہ عمامہ باندھا کرتے اور کہا کرتے''رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کو یہ پسند تھا''۔

وفات:-

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف 75 سال کی عمر میں فوت ہوئے۔حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے کاتب صموان سے حضرت عبدالرحمٰنؓ کے حق میں خلافت کی وصیت لکھوائی

تھی۔انہیں معلوم ہوا تو حضرت عثمانؓ سے ناراضگی کا اظہار کیا اور احتجاج بھی کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی ''باری تعالیٰ مجھے عثمانؓ سے پہلے اس دنیا سے اٹھالے'' اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، حقیقت یہ ہے کہ جن فتنوں کے آثار حضرت عثمانؓ کے آخری عہد میں دکھائی دینے لگے تھے وہ ان فتنوں اور بلاؤں کے نازل ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ جانا چاہتے تھے۔ان کی وفات پر حضرت علیؓ نے فرمایا! اے ابن عوفؓ جا تو نے دنیا کا صاف پانی پیا اور گدلا چھوڑ دیا'' یعنی نیکی اور بھلائی حاصل کی اور برائی اور فتنے چھوڑ دیئے۔

انہیں کفن بھی کیا خوب ملا ، یہ کفن ایک چادر تھی جو کہ ایک خاتون اپنے ہاتھ سے بنا کر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو ہدیہ کرنے کے لیے لائی تھی ، آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس عورت کے ہاتھ سے یہ چادر لے کر تہبند کے طور پر باندھ لی۔ یہ لانے والی عورت کی دلجوئی کا خاص انداز تھا۔حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف نے یہ چادر در آپ خاتم النبیین ﷺ سے مانگ لی، آپ خاتم النبیین ﷺ نے یہ چادر تھوڑی دیر تک بطور تہبند باندھنے کے بعد حضرت عبدالرحمنؓ کو عنایت کر دی۔حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف نے یہ چادر سنبھال کر اپنے کفن کے لیے رکھ لی۔

علالت کے دوران حضرت عائشہؓ نے اپنے طور پر کہلا بھیجا کہ اگر آپؓ چاہیں تو جدھر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دفن ہیں وہاں آپؓ کے دفن کا انتظام ہوسکتا ہے مگر انہوں نے از راہ ادب انکار کر دیا اور شکریہ کے ساتھ کہلا بھیجا کہ آپؓ کا گھر تنگ ہو جائے گا ، مجھے یہ گوارا نہیں ہے اور یہ بھی کہ مجھ میں اور عثمانؓ بن مظعون میں یہ قول و قرار طے پایا تھا کہ ہم میں سے جو بعد میں وفات پائے گا وہ پہلے وفات پانے والے کے پہلو میں دفن ہوگا ، لہٰذا مجھے ان ہی کے پہلو میں دفن کیا جائے ، چنانچہ ان کی وصیت کی تعمیل کی گئی ، خلیفہ وقت حضرت عثمانؓ نے نماز جنازہ پڑھائی ، اور جنت البقیع میں حضرت عثمانؓ بن مظعون کے پہلو میں دفن کئے گئے۔وفات پر حضرت عائشہؓ نے کہا تھا کہ جنازہ میرے گھر کے سامنے لایا جائے۔ چنانچہ آپؓ کی خواہش کا احترام میں ایسا ہی کیا گیا اور آپؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جنازہ اٹھانے والوں میں شامل تھے وہ کہتے جاتے تھے :

''افسوس کہ پہاڑ جیسا انسان چلا گیا''

****

حضرت طلحہ بن عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (صاحبِ اُحد)

حضرت طلحہ بن عبیدؓ کا تعلق قریش کے ایک چھوٹے قبیلہ بن تیم سے تھا۔حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی اسی قبیلہ سے تھے۔ان کا شجرۂ نسب چھٹی پشت میں رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ سے مل جاتا ہے۔ان کے والد عبید اللہ اسلام قبول کرنے سے پہلے وفات پا گئے۔والدہ صعبہ بنت عبداللہ ایمان لائیں اور حضرت عثمانؓ کے عہد تک زندہ رہیں اگرچہ ابتدا میں سخت مخالف رہیں۔حضرت طلحہؓ مکہ کے ان چندلوگوں میں سے تھے جو ظہورِ اسلام سے قبل لکھنا پڑھنا جانتے تھے- دوسرے شرفائے مکہ کی طرح ان کا پیشہ بھی تجارت تھا اور اوائلِ جوانی سے شام، یمن، عراق کی طرف تجارت کی غرض سے جایا کرتے تھے۔فن تقریر و خطابت میں مہارت رکھتے تھے، عرب کے خطباء میں شمار ہوتے تھے۔

حضرت طلحہؓ سترہ اٹھارہ برس کی عمر میں حضرت ابوبکرؓ کی ترغیب و تبلیغ سے ایمان لائے۔ایمان لانے والوں میں ان کا آٹھواں نمبر ہے۔قبولِ اسلام کے ساتھ ہی ابتلا و آزمائش کا دور شروع ہو گیا۔ان کے بڑے بھائی عثمان نے ان کو اور ابوبکرؓ کو ایک ہی رسی میں باندھ کر مارا اور بہت تشدد کیا ان کے قبیلہ بنو تیم نے بھی دونوں کو بچانے کی کوئی کوشش نہ کی۔تاہم حضرت طلحہؓ اسلام پر مضبوطی سے قائم رہے۔حضرت عمرؓ اس واقعہ کی وجہ سے ابوبکرؓ اور طلحہؓ کو ''قرینین'' (ساتھی) کہا کرتے تھے۔طلحہؓ اکثر ابوبکرؓ کی صحبت میں رہتے تھے۔بارہ تیرہ سال تک دوسرے مسلمانوں کی طرح مشرکین قریش کے ہاتھوں سختیاں اور تکلیفیں برداشت کرتے رہے۔شعب ابی طالب میں رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اور بنو ہاشم کے ساتھ بائیکاٹ کے تین جانگزا سال گزارے مگر پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔

جب جناب رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہمراہ لے کر مدینہ ہجرت کی تو حضرت طلحہؓ بہ سلسلۂ تجارت شام گئے ہوئے تھے محمد ابن سعد کی طبقات میں روایت ہے کہ جب رسول اکرم خاتم النبیین ﷺ نے ہجرت مدینہ کے دوران میں الخرار کے آگے کوچ کیا تو اگلے دن صبح کے وقت راستے میں طلحہؓ سے ملاقات ہوئی جو شام سے قافلے کے ہمراہ آ رہے تھے۔انہوں نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو اور ابوبکرؓ کو کچھ شامی پارچات ہدیہ کے طور پر پیش کئے جنہیں اس بے سروسامانی کے عالم میں پا کر آپ خاتم النبیین ﷺ نے خوشنودی کا اظہار کیا اور طلحہؓ کے حق میں دعا کی۔طلحہؓ نے حضور خاتم النبیین ﷺ کو بتایا کہ اہل مدینہ بہت دنوں سے آپ خاتم النبیین ﷺ کی تشریف آوری کے مشتاق اور منتظر ہیں۔مکہ واپس پہنچ کر طلحہؓ نے اپنے تجارتی کاروبار کو سمیٹا اور پھر حضرت ابوبکرؓ کے اہل وعیال کو ساتھ لے کر مدینہ روانہ ہو گئے۔

مکہ کے دور ابتلا میں ایک روایت کے مطابق رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے۔حضرت طلحہؓ کی مؤاخاۃ حضرت زبیرؓ بن العوام سے قائم کی تھی دوسری روایت میں حضرت سعیدؓ بن زید کا ذکر آتا ہے۔دونوں عشرۂ مبشرہ میں سے تھے۔پہلی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ مؤاخاۃ قائم کرتے وقت صحابہ کی مزاجی، معاشی، سماجی، ذہنی اور روحانی کیفیات کو ملحوظ رکھتے تھے، اس لحاظ سے زبیرؓ اور طلحہؓ میں بہت مماثلت پائی جاتی ہے۔دونوں کا کیریئر بھی ملتا جلتا ہے۔ہجرت کے بعد آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے مدینہ میں حضرت طلحہؓ کی مؤاخاۃ حضرت ابیؓ بن کعب انصاری سے قائم کی جو مشہور صحابہ میں سے ہیں حضرت عمرؓ ان کے فہمِ قرآن کی وجہ سے ان کا بہت احترام کرتے تھے اور انہیں ''یا سیدی'' کہہ کر مخاطب کرتے تھے-

غزوۂ بدر کے سوا حضرت طلحہؓ سبھی غزوات و مشاہدہ میں رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ رہے۔غزوۂ بدر میں اس لئے شریک نہ ہو سکے کہ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے انہیں اور حضرت سعیدؓ بن زید کو قریش کے قافلے کی خبر لانے کے لئے بھیج دیا تھا۔قافلہ راستہ بدل کر اور پہلو بچا کر نکل گیا۔جب وہ یہ خبر لے کر آئے تو لشکرِ قریش سے میدانِ بدر میں جنگ ختم ہو چکی تھی۔تاہم آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے طلحہؓ اور سعیدؓ کو مال غنیمت میں سے حصہ دیا اور اس طرح انہیں عملاً اصحاب بدر میں محسوب کیا۔بدر سے غیر حاضری کی تلافی انہوں نے غزوۂ احد میں شجاعت و جاں نثاری کے عظیم مظاہرے سے کی۔جناب رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ فرمایا کرتے تھے ''جسے یہ دیکھنا پسند ہو کہ ایک شخص مر کر بھی زمین پر چلتا پھرتا ہے وہ طلحہؓ بن عبیداللہ کو دیکھے''۔مطلب یہ کہ طلحہؓ زندہ شہید ہیں۔یہ غالباً سورہ الاحزاب کی آیت (۲۳) کی طرف اشارہ ہے: ترجمہ: ''ایمان والوں میں سے کتنے مرد ہیں کہ سچ کر دکھایا جس بات کا عہد کیا تھا پھر کوئی تو ان میں پورا کر چکا ذمہ اپنا اور کوئی ان میں راہ دیکھ رہا ہے اور بدلا نہیں ایک ذرہ''-

غزوۂ حنین میں بھی بڑی پامردی اور جاں فشانی دکھائی۔سرور کائنات خاتم النبیین ﷺ نے ''طلحۃ الجواد'' کا لقب دیا۔تبوک کے جیش عسرت کی تیاری کے لئے بہت سا مال و اسباب پیش کیا اور آپ خاتم النبیین ﷺ نے ''طلحۃ الفیاض'' کے لقب سے نوازا۔

اس لئے لوگ انہیں "طلحۃ الخیر، طلحۃ الجواد، اور طلحۃ الفیاض" کے القاب سے پکارتے تھے۔

غزوہ تبوک کی تیاری کے موقع پر منافقین سویلم یہودی کے مکان پر جمع ہو کر مسلمانوں میں انتشار اور بددلی پھیلاتے اور انہیں جنگ میں شمولیت سے روکنے کے لئے سازشیں کرتے تھے۔ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے طلحہؓ کو اس کے انسداد پر مامور فرمایا۔ انہوں نے چند صحابہ کو ساتھ لے کر بڑی ہوشیاری اور مستعدی سے سویلم کے مکان کو گھیر لیا اور اسے آگ لگا دی اور منافقین کا منصوبہ ناکام بنا دیا۔ حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ نے بعض سرایا کا سالار بنا کر بھی انہیں بھیجا اور وہ کامیاب رہے۔ ۱۰ ہجری میں حضور خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شامل ہوئے۔

صحیح بخاری (کتاب المناقب) میں حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ وفات کے وقت طلحہؓ سے راضی تھے، انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا مضمون نگار لکھتا ہے کہ ہجرت کے بعد طلحہؓ رسول اکرم خاتم النبیین ﷺ کے مشیروں، صلاح کاروں اور قریب ترین دوستوں میں سمجھے جاتے تھے۔

جنگ احد کے میدان کارساز میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اپنی تیر اندازی کے جوہر دکھا رہے ہیں اور ایک درمیانی قد کے گندم گو، خوبرو، پتلی ناک شخص حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے لیے ڈھال بنا ہوا ہے۔ کبھی وہ آگے بڑھ کر حملہ کو روکتا ہے، تیروں اور تلواروں کو اپنے جسم پر کھاتا ہے زخموں سے اس کا جسم چھلنی ہو گیا ہے، تلوار کے وار سے دو انگلیاں کٹ گئی ہیں، حضور پاک خاتم النبیین ﷺ پر آنے والے ایک تیر کو اپنے ہاتھ سے روکا جو ہتھیلی کو چھیدتا ہوا نکل گیا اور ہاتھ ہمیشہ کے لیے شل ہو گیا۔ ایک وار کو پاؤں سے روکا اور رگ/انس کٹ گئی۔ سر میں یکے بعد دیگرے دو نیزے لگے، پیشانی پر ایک چوکور زخم آیا، کندھے پر لگا تار زخم سے ایک گڑھا پڑ گیا۔ لیکن اللہ کا وہ جواں مرد رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کو دشمنوں سے بچاتا رہا، پھر یوں ہوا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ ایک چٹان پر چڑھنے کے ارادے سے آگے بڑھے دوہری زرہ کے بوجھ سے گڑھے میں گر گئے، پھر وہی زخموں سے چور جوانمرد آگے بڑھا اور اپنی پیٹھ آگے کر دی، آپ خاتم النبیین ﷺ اس کی پیٹھ پر چڑھے، اوپر سے حضرت علیؓ کا ہاتھ مبارک پکڑا، اپنی پیٹھ پر سوار کر کے آپ خاتم النبیین ﷺ کو محفوظ مقام پر پہنچایا اور بے ہوش ہو گئے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنے ساتھ آنے والوں سے فرمایا "اپنے بھائی کی خبر لو، اس نے اپنے اوپر جنت واجب کر لی ہے۔ یہ چلتا پھرتا شہید ہے"۔ تاریخ اسلام میں یہ صحابی رسول خاتم النبیین ﷺ طلحہ بن عبیدہؓ کے نام سے مشہور ہیں۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی رحلت کے بعد آپؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کر لی۔ البتہ حضرت عمر فاروقؓ کی نامزدگی پر انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کہا تھا، "عمرؓ آپ کی موجودگی میں ہم پر سخت گیر ہیں۔ جب خود خلیفہ ہوں گے؟ تو کیا کریں گے۔ آپؓ انہیں نامزد کر کے اللہ کو کیا جواب دیں گے"؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا "میں اللہ تعالیٰ سے کہوں گا کہ میں تیرے بہترین بندے کو تیرے بندوں کے معاملات کا نگران چھوڑ کر آیا ہوں" اور سنو عمرؓ اس لیے سختی کرتے ہیں کہ میں نرمی سے کام لیتا تھا، لیکن جب وہ خود خلیفہ منتخب ہوں گے تو ایسی سختی نہ کریں گے۔ کیونکہ جب میں سختی سے کام لیتا تھا تو وہ مجھے نرمی اختیار کرنے کو کہتے تھے۔" یہ بات سن کر حضرت طلحہؓ نے حضرت عمرؓ کی بیعت کر لی اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں ان کے ساتھ برابر تعاون کرتے رہے۔

حضرت عمرؓ نے خلافت کے لیے جن لوگوں کا نام دیا تھا، ان میں ایک حضرت طلحہؓ تھے۔ حضرت طلحہؓ اس وقت مدینے کے باہر ہونے کی وجہ سے انتخابی مجلس کی کاروائی میں شریک نہ ہو سکے۔ حضرت طلحہؓ کو یہ سخت ناگوار گزرا کہ انہیں نظر انداز کر دیا گیا تھا- حضرت طلحہؓ جب واپس آئے اور اپنی اس ناگواری کا اظہار حضرت عثمان غنیؓ کے سامنے کیا تو حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا "طلحہؓ اگر تم خود خلافت کے طلب گار ہو تو میں تمہارے حق میں دستبردار ہوتا ہوں اور تمہارے ہاتھ پر بیعت کر لیتا ہوں"۔ انہوں نے پوچھا "آپ واقعی ایسا کرنے کو تیار ہیں"؟ حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا کہ "بے شک" اس پر حضرت طلحہؓ نے جواب دیا "اب میں مطمئن ہو گیا ہوں"۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ کی بیعت کر لی اور ہمیشہ تعلقات خوشگوار رہے۔

حضرت عثمان غنیؓ کے آخیری عہد میں سبائی گروہوں کی سازشوں اور بعض صحابہؓ سے منسوب جعلی خطوط کی بنا پر حضرت عثمانؓ کی پالیسیوں پر اعتراض ہوا اور بے چینی پیدا ہوئی تو حضرت طلحہؓ بھی معترفین کے ہم نوا ہو گئے۔

اس کے بعد حضرت طلحہؓ نے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ کے ساتھ مل کر وقتاً فوقتاً حضرت عثمانؓ سے ملاقاتیں کیں تاکہ اصلاح حال کی صورت پیدا ہو سکے، لیکن بدقسمتی سے ایسا نہ ہو سکا، سبائی سازش کے تانے بانے بہت مضبوط ہو چکے تھے۔ دراصل اکابر مدینہ جن میں حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص، حضرت سعیدؓ بن زید اور بہت سے دوسرے مہاجرین و انصار شامل تھے یہ گمان بھی نہیں کر سکتے تھے کہ آدھی دنیا کے لاکھوں اور کروڑوں مسلمانوں میں سے کل تہائی

ہزار مصری، کوفی اور بصری باغی ایک گھناؤنی سازش کے تحت بدوؤں، عربوں اور غلاموں کو ساتھ ملا کر خلیفہ برحق کو شہید کر سکتے ہیں۔ ان کے سرغنہ ابن سبأ (یہودی) نے جنگ جمل میں حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں لشکروں میں بیک وقت لڑائی کروائی، سبائی گروہ نے رات کے وقت سوچے سمجھے منصوبے کے تحت دونوں لشکروں میں خود حملہ کر دیا۔ حضرت علیؓ سمجھے یہ طلحہؓ اور زبیرؓ نے غداری کی ہے اور حضرت عائشہؓ نے کہا ''دیکھو علیؓ خون بہانے سے نہ رکے'' - جنگ نے زور پکڑ لیا، حضرت عائشہؓ نے چلا چلا کر لوگوں کو باز رہنے کی تلقین کی۔ حضرت علیؓ نے حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کو آواز دے کر بلایا، اور حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ سے کہا" تم لوگوں نے سامان جنگ اور نوجوانوں کو جمع کر کے میرے ساتھ جو عداوت کی ہے کیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس عداوت کا کوئی جواز ہے؟ کیا میں تمہارا دینی بھائی نہیں ہوں؟ کیا تم میرا خون اور مجھ پر تمہارا خون حرام نہیں ہے؟ کیا کوئی ایسی وجہ بتا سکتے ہو جس سے میرا خون تم پر مباح ہو"؟ حضرت طلحہؓ:" کیا تم عثمانؓ کے قتل کی سازش میں شریک نہ تھے"؟ حضرت علیؓ:"اللہ اپنے دین کو پورا کرے گا اور عثمانؓ کے قاتلوں پر لعنت بھیجے۔ اے طلحہؓ کیا تم نے میری بیعت نہیں کی تھی" ؟ حضرت طلحہؓ:"ہاں لیکن میری گردن پر تلوار تھی"- حضرت علیؓ :"اے زبیرؓ کیا تمہیں وہ دن یاد ہے جب ہم آپس میں نہیں بول رہے تھے اور رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے تم سے پوچھا تھا؟" تمہیں علیؓ سے محبت ہے" ؟ اور تم نے جواب دیا تھا" ہاں یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ" - اس پر آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا تھا" ایک دن ایسا آئے گا کہ تم علیؓ سے لڑو گے اور زیادتی تمہاری ہوگی"- حضرت زبیرؓ:''ہاں مجھے یاد آ گیا واللہ اب میں تم سے ہرگز نہ لڑوں گا''۔

یہ کہہ کر حضرت زبیرؓ لڑائی کے میدان سے نکل گئے اور حضرت طلحہؓ نے بھی لڑائی سے کنارہ کش ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ میدان جنگ سے نکلنا چاہتے تھے کہ ان کے ارادے سے آگاہ ہو کر مروان بن الحکم نے انہیں زہر آلود تیر سے سخت زخمی کر دیا اور وہ اس زخم کے اثر سے شہید ہو گئے۔

ایک تو مروان (حضرت عثمانؓ کے داماد) حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کے قاتلوں میں شمار کرتا تھا کہ انہوں نے محاصرہ کے دوران حضرت عثمانؓ کو باغیوں سے بچانے کی کوشش نہیں کی۔ دوسرے وہ اور اس کے ساتھی اس نیت سے ان کے لشکر میں شامل تھے کہ فریقین کو آپس میں لڑوا کر ختم یا کمزور کر دیں گے اور پھر آسانی سے اپنا مقصد حاصل کر لیں گے۔

حضرت طلحہؓ کو لشکر سے نکلتے ہوئے دیکھ کر مروان کو خطرہ لاحق ہوا کہ اس طرح تو وہ حضرت عثمانؓ کا بدلہ نہ لے سکے گا اور زبیرؓ اور طلحہؓ دونوں کے اس فوج سے نکل جانے سے فوج بددل ہو کر حضرت علیؓ کے خلاف جم کر نہ لڑ سکے گی۔ جب جنگ کے خاتمے پر حضرت علیؓ کو حضرت طلحہؓ کی گرد سے اٹی ہوئی لاش ملی تو آپؓ پر رقت طاری ہو گئی، سخت رنج ہوا، لوگوں سے کہا کہ انہیں بیٹھاؤ، لوگوں نے بیٹھایا تو آپؓ نے اپنے ہاتھ سے حضرت طلحہؓ کے چہرے سے گرد صاف کی اور فرمایا ''اے ابو محمدؓ مجھے یہ بات سخت ناپسند تھی کہ میں تمہیں آسمان کے تاروں کے نیچے اس وادی میں خون میں لتھڑا ہوا دیکھوں، خصوصاً جب کہ تم جہاد فی سبیل اللہ اور رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی حفاظت میں قابل قدر اور نمایاں حصہ لے چکے ہو'' اس کے بعد حضرت علیؓ اور تمام رفقا روئے۔ اس کے بعد فرمایا'' کاش میں اس واقعے سے 20 دن پہلے انتقال کر جاتا''

حضرت علیؓ نے تمام مقتولین کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے بعد لاشوں کو دفن کرنے کا حکم فرمایا۔ اس طرح حضرت طلحہؓ الکلا کے ساحل پر دفن کیے گئے، بہت بعد میں ان کے عزیز نے خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں،''تم لوگ مجھے اس پانی سے بچا کر چین کیوں نہیں دیتے۔ میں غرق ہو گیا ہوں'' تین مرتبہ یہی بات کہی۔ جب قبر کھود کر نعش مبارک نکالی گئی تو وہ پانی کے اثر سے ساگ کی طرح سبز ہو گئی تھی۔ اور داڑھی اور چہرے کا جو حصہ زمین سے متصل تھا اسے زمین کھا گئی تھی۔ پھر حضرت ابوبکرؓ کے مکانات میں سے ایک مکان خرید کر اس میں انہیں دفن کر دیا گیا۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)

گزشتہ صدی کے مشہور حضرت سید غوث علی شاہ قلندر پانی پتی، اپنی کتاب ''تذکرہ غوثیہ'' میں فرماتے ہیں کہ انہوں نے بصرہ کی سیاحت کے دوران حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے مزارات کی زیارت کی تھی۔

عمر میں مماثلت:- وفات کے وقت حضرت طلحہؓ کی عمر تقریباً 64 سال تھی، تقریباً اتنی ہی عمر حضرت زبیرؓ کی ہوئی۔ دونوں اصحابؓ کا کیریر قبول اسلام سے یوم وفات تک متوازی چلا ہے۔ دونوں نے تقریباً ایک ہی عمر میں ایک ہی دن اسلام قبول کیا۔ دونوں نے غزوات میں اسلام اور رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے لیے وفاداری کے جوہر دکھائے۔ بدر کو یوم زبیرؓ اور احد کو یوم طلحہؓ کہا گیا۔ دونوں نے تجارت اور زراعت سے خوب کمایا اور اللہ کی راہ میں خوب لٹایا، دونوں کو جنگ جمل میں دھوکے اور غداری سے شہید کیا گیا۔ نو آباد اسلامی شہر کوفہ اور بصرہ میں زبیرؓ اور طلحہؓ کے حامیوں کی بہت کثرت تھی۔

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حواری رسول خاتم النبیین ﷺ)

حضرت زبیرؓ کی والدہ حضرت صفیہؓ حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی پھوپھی تھیں اور حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ آپؓ کے ماموں تھے، ان کے پردادا خویلد اسلام کی خاتون اول حضرت خدیجہؓ کے والد تھے۔ اس طرح حضرت زبیرؓ، حضرت خدیجہؓ کے حقیقی بھتیجے ہوئے۔ حضرت صفیہؓ نے حضرت زبیرؓ کی تربیت میں بڑا اہم رول ادا کیا تھا۔ حضرت زبیرؓ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ اوائل عمر میں ہی آپؓ کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔

حضرت صفیہؓ اسلام کے ابتدائی عہد میں مسلمان ہوئیں۔ وہ اس خیال سے آپؓ پر سختی کرتی تھیں کہ جوان ہو کر، سخت جان، سخت کوش، نڈر اور بہادر بنیں اور لشکروں کی قیادت کریں، چنانچہ حضرت زبیرؓ بچپن ہی سے بڑے شہہ زور، شجاع، حوصلہ مند اور پر اعتماد تھے، ایک مرتبہ بچپن میں اپنے سے کہیں زیادہ عمر کے آدمی سے لڑ پڑے اور اس کا ہاتھ توڑ ڈالا۔ وہ شکایتاً حضرت صفیہؓ کے پاس لایا گیا تو انہوں نے اپنے بیٹے کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے کی بجائے مطمئن انداز میں شکایت کنندہ سے کہا: ''اے شخص تو نے زبیرؓ کو کیا سمجھا تھا؟ کیا تو نے اسے پنیر سمجھا؟ یا کھجور؟ یا پھر پر پھیلانے والا شکرا، جانا"؟

ابتدائی عمر میں حضرت زبیرؓ نے جنگی فنون میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ ان میں نہایت درجہ کی دلیری، حوصلہ مندی اور اعتماد پیدا ہو گیا تھا۔ محمد ابن سعد (مصنف طبقات) کی روایت کے مطابق حضرت زبیرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے چار پانچ دن بعد سولہ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ اسلام کے سابقون الاولون میں ان کا درجہ بہت بلند ہے۔ عشرہ مبشرہ میں سے حضرت طلحہؓ بن عبیدہ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نیز بعض دوسرے نوجوان مسلمانوں کی عمریں بھی قبول اسلام کے وقت اتنی ہی تھیں۔ قبول اسلام کے بعد حضرت زبیرؓ نے ہر قسم کے مصائب اور تکالیف بڑی ثابت قدمی اور خندہ پیشانی سے برداشت کیے۔ ان کا نکاح حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بڑی بیٹی حضرت اسماءؓ سے ہوا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عروہ بن زبیرؓ ان کے بیٹے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مدینہ میں پیدا ہونے والے پہلے مسلمان بچے تھے جن کی پیدائش پر سارے مسلمانوں نے خوشی منائی۔

کفارِ قریش کے مظالم جب حد سے گزر گئے تو ۵ نبوی میں ہادیٔ برحق خاتم النبیین ﷺ نے پیروان توحید کو حبشہ (موجودہ ایتھوپیا) کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی۔ ہجرت کرنے والوں میں حضرت زبیرؓ بھی شامل تھے۔ مسلمان حبشہ میں امن چین سے رہے۔ اس دوران میں شاہ حبشہ کو کسی دشمن سے جنگ پیش آ گئی۔ مہاجر صحابہ نے اپنے میں سے کسی کو محاذِ جنگ پر بھیجنا چاہا تا کہ جنگی صورت حال کی خبریں بھیجتا رہے اور ضرورت ہو تو مہاجرین بھی شاہِ حبشہ کی مدد کے لئے لڑنے جائیں۔ زبیرؓ سب سے کمسن تھے، مگر انہوں نے اپنے آپ کو اس خدمت کے لئے پیش کیا۔ وہ مشک کے سہارے دریائے نیل کو عبور کر کے میدانِ جنگ میں پہنچے اور چند روز کے بعد واپس آ کر شاہِ حبشہ کی فتح کی خبر سنائی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زبیرؓ طبعاً مہم جو تھے اور خطرات میں کودنے سے نہ گھبراتے تھے، اسلام اور مسلمانوں کے لئے اپنی جان بھی داؤ پر لگانے سے نہ گھبراتے تھے۔ بعد ازاں جب رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے اللہ کے حکم سے ۱۳ نبوی میں مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی تو حضرت زبیرؓ نے بھی مدینہ کی طرف ہجرت اختیار کی۔ سب سے آخر میں جب خود آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ ہجرت کی تو راستے میں زبیرؓ سے ملاقات ہوئی جو شام کے تجارتی سفر سے واپس آ رہے تھے، انہوں نے حضور خاتم النبیین ﷺ کو کچھ پارچات بطور ہدیہ پیش کئے جو سفر ہجرت کی بے سروسامانی میں غنیمت معلوم ہوئے۔

مدینہ پہنچ کر حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ نے زبیرؓ کی مواخاۃ حضرت کعبؓ بن مالک انصاری سے قائم کی۔ حضرت کعبؓ کا بلند مرتبہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ یہ وہ بزرگ تھے جن سے غزوۂ تبوک میں عدم شمولیت کی بنا پر باز پرس کی گئی تو انہوں نے دوسروں کی طرح عذر تراشنے کی بجائے اپنے تساہل اور کوتاہی کا صاف صاف اعتراف کیا۔ اس پر مسلمانوں کو ان سے ہر طرح کے تعلقات منقطع کر لینے کا حکم دیا گیا حتیٰ کہ بیوی کو بھی انہیں چھوڑ کر میکے چلے جانے کی ہدایت کی گئی۔ اس عالم میں کعبؓ پر زمین و آسمان کی وسعتیں تنگ ہو گئیں۔ قیصر روم نے انہیں ورغلانے اور لالچ دینے کے لئے اپنے آدمی بھیجے مگر انہوں نے ان کو دھتکار دیا اور ایک سچے مگر خطا کار مسلمان کی طرح توبہ وزاری کرتے رہے تا آنکہ اللہ نے سورۂ توبہ میں ان کی قبولیتِ توبہ کی نوید سنائی۔ حضرت زبیرؓ نے انہیں سب سے پہلے قبولیتِ توبہ کی خوشخبری اور مبارکباد دی جسے انہوں نے کبھی فراموش نہ کیا بلکہ احساسِ ممنونیت کے ساتھ یاد رکھا۔ 2 ہجری کو بدر کا معرکہ تھا۔ بظاہر یہ 313 بے سروسامان اللہ والوں کا ایک ہزار مشرکین مکہ کے فوجی دستے سے مقابلہ تھا جو ہر طرح سے جنگی سامان سے لیس تھا۔ لیکن حقیقت میں یہ حق و باطل کی ایک انتہائی فیصلہ کن لڑائی تھی۔ بدر کے دن صرف 2 مسلمانوں کے پاس گھوڑے تھے، جن میں ایک گھوڑا سوار حضرت زبیرؓ تھے اور اپنا مخصوص زرد عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ وہ ایسی بہادری سے لڑے کہ یوم بدر کو یوم زبیرؓ کہا گیا۔ عتبہ بن

سعید بن العاص کو اپنی بہادری پر بڑا ناز تھا، وہ مشرکین مکہ کی طرف سے آہن پوش ہو کر میدان میں آیا اور پکارا۔

''کوئی ہے جو میرے مقابلے میں آ کر اپنی بیوی کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کر دے'' آپ خاتم النبیین ﷺ کا اشارہ پا کر حضرت زبیرؓ آگے بڑھے، زرہ میں عتبہ کی صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ حضرت زبیرؓ نے تاک کر ایسے زور سے تیر مارا، تیر آنکھ میں گڑھ کر رہ گیا، حضرت زبیرؓ نے اس کی لاش پر پاؤں رکھ کر بڑی مشکل سے آنکھ سے تیر نکالا۔ یہ نیزا تاریخ میں عنزہ کے نام سے مشہور ہوا۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے بعد یہ نیزہ خلفائے راشدین کے پاس رہا۔ حضرت زبیرؓ کی تلوار ان کے صاحبزادے عبداللہؓ کے پاس رہی، غزوہ بدر میں مسلمانوں کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتے بھیجے تھے یہ فرشتے حضرت زبیرؓ کی ہیت پر نازل ہوئے، انہوں نے آپؓ کی طرح زرد عمامے باندھے ہوئے تھے۔

اگلے سال ۳ ہجری میں غزوۂ احد پیش آیا۔ اس میں حضرت مصعبؓ بن عمیر کو علم اور حضرت زبیرؓ کو سپہ سالاری عطا ہوئی۔ وہ بڑی بے جگری اور جاں بازی سے لڑے۔ وہ ان فدائیانِ رسول خاتم النبیین ﷺ میں سے تھے جو مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہو جانے کے باوجود پروانوں کی طرح شمع رسالت خاتم النبیین ﷺ کے گرد جمع رہے۔ دشمنوں کے ہاتھوں زخم پر زخم کھائے لیکن آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کی حفاظت میں ڈٹے رہے۔ جنگ کے خاتمے کے بعد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے یہ سوچ کر کہ ابوسفیان مسلمانوں کو پراگندہ اور زخمی سمجھ کر کہیں دوبارہ حملہ نہ کر دے، مسلمانوں سے فرمایا کہ ''کون ہے جو ابوسفیان اور اس کے لشکر کا تعاقب کرے گا؟'' زخم خوردہ ہونے کے باوجود ستر صحابہ کی ایک جماعت تعاقب کے لئے تیار ہو گئی جن میں ابوبکرؓ اور زبیرؓ۔ (سسر اور داماد) دونوں شامل تھے حالانکہ حضرت زبیرؓ سخت زخمی تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں (سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۷۲)

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۚ

ترجمہ: " وہ جو اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہوئے بعد اس کے کہ انہیں زخم پہنچ چکا تھا ان نیکوں کاروں اور پرہیزگاروں کے لئے بڑا ثواب ہے" - کا اشارہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت زبیرؓ کی طرف ہے۔

۵ ہجری میں غزوۂ خندق کے موقع جب شاعرِ رسول خاتم النبیین ﷺ حضرت حسانؓ بن ثابت مسلمان خواتین کے کیمپ کی حفاظت خاطر خواہ طریقے سے نہ کر سکے اور حضرت صفیہؓ (بنت عبدالمطلب والدہ زبیرؓ) اور دوسری خواتین نے خیموں کی چوبوں سے یہودیوں کو مار بھگایا بلکہ ایک کو تو حضرت صفیہؓ نے جہنم رسید ہی کر دیا، تو حالات کی نزاکت کو بھانپ کر رسول اکرم خاتم النبیین ﷺ نے زبیرؓ کو کیمپ کی حفاظت پر مامور کر دیا۔ انہوں نے کیمپ کو دشمن کے حملہ سے بڑی ہوشیاری اور بہادری سے محفوظ رکھا۔ اسی غزوۂ کے موقع پر انہیں حضور خاتم النبیین ﷺ کی طرف سے ''حواریٔ رسول خاتم النبیین ﷺ'' کا لقب عطا کیا گیا۔

5 ہجری جنگ احزاب کا پرآشوب زمانہ ہے، نبی کریم خاتم النبیین ﷺ بنی قریظہ کے عزائم، تیاریوں اور نقل و حرکت کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے، ارشاد فرماتے ہیں، کوئی ہے جو بنی قریظہ کی خبر لائے؟۔

آپ خاتم النبیین ﷺ تین مرتبہ یہ بات دہراتے ہیں اور ہر مرتبہ ایک نوجوان دراز قد اور قوی جواب دیتا ہے ''میں حاضر ہوں یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ''

آپ خاتم النبیین ﷺ دعا فرماتے ہیں ''فداک ابی وامی (میرے ماں باپ تجھ پر قربان) پھر جاں نثاروں کے مجمع سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔'' ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں میرے حواری زبیرؓ بن العوام ہیں''۔

یہ خصوصیت حواری صرف اسی صحابیؓ کو ملی۔ صحابہؓ میں سے کسی اور کو یہ شرف حاصل نہ ہوا۔ جبکہ جہاں تک ''فداک ابی وامی (میرے ماں باپ تجھ پر قربان)'' کا تعلق ہے تو اس میں حضرت زبیرؓ کے ساتھ ایک دوسرے صحابیؓ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص بھی شریک ہیں کہ ان کو بھی آپ خاتم النبیین ﷺ نے ایک مرتبہ ایسا کہا تھا۔ مدتوں بعد ایک شخص نے کہا تھا" میں حواری رسول خاتم النبیین ﷺ کا بیٹا ہوں"۔ تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا تھا" اگر تو زبیرؓ بن العوام کا بیٹا ہے تو تو سچ کہتا ہے۔ ورنہ تو جھوٹا ہے" - مطلب یہ تھا کہ صرف حضرت زبیرؓ کو ہی حواری رسول خاتم النبیین ﷺ کا لقب ملا تھا۔

۶ ہجری میں بیعت رضوان اور صلح حدیبیہ کے چودہ سو نفوس قدسی میں زبیرؓ بھی شامل تھے جن سے سورۂ فتح میں اللہ نے اپنی خوشنودی کا اظہار کیا۔ حدیبیہ سے مراجعت کے بعد ے ہجری کی ابتدا میں یہودِ خیبر کی سازشوں اور فتنہ انگیزیوں کا قلع قمع کرنے کے لئے خیبر پر حملہ کیا گیا تو زبیرؓ حضور خاتم النبیین ﷺ کے ہم رکاب تھے۔ خیبر کے سردار مرحب کے مارے جانے کے بعد اس کا بھائی یاسر، جو ہزار جنگ جوؤں پر بھاری سمجھا جاتا تھا، میدان میں نکل کر مقابلے کے لئے کھڑا ہوا اور حضرت

زبیرؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

۸ ہجری میں فتح مکہ کے دن آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے مہاجرین کے تین علمبرداروں میں سے ایک زبیرؓ کو مقرر کیا تھا۔ جب وہ فتح مکہ کے بعد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو رسول اکرم خاتم النبیین ﷺ نے خود اٹھ کر ان کے چہرے سے گرد صاف کی جو ایک بڑا اعزاز تھا۔ فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین میں بھی شریک ہوئے۔ دشمنوں کی بے پناہ تیر اندازی سے اسلامی لشکر ابتداءً تتر بتر ہو گیا۔ زبیرؓ حضور خاتم النبیین ﷺ کے گرد ثابت قدمی سے لڑتے رہے دشمن کی ایک بڑی تعداد ایک گھاٹی میں گھات لگائے بیٹھی تھی۔ زبیرؓ ادھر سے گزرے تو سب نے بیک وقت ان پر حملہ کر دیا مگر حواری رسول خاتم النبیین ﷺ نے بڑی جرأت اور استقامت سے مقابلہ کیا اور گھاٹی ان سے خالی کرالی۔ طائف کے محاصرے، تبوک کی مہم اور حجۃ الوداع کے موقع پر بھی زبیرؓ حضور خاتم النبیین ﷺ کے ہم رکاب رہے، غرضیکہ کوئی ایسی مہم یا معرکہ نہیں ہوا جس میں زبیرؓ حضور خاتم النبیین ﷺ کے ہمراہ نہ رہے ہوں۔ ولیم میور لکھتا ہے کہ ''وہ (زبیرؓ) پیغمبر اسلام خاتم النبیین ﷺ کے جلو میں رہنے والے مشہور ترین ہیروؤں میں سے ایک تھے۔''

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی زندگی میں حضرت زبیرؓ نے تمام غزوات میں شرکت کی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ پورا تعاون کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کی مجلس شوریٰ کے اہم رکن تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے بعد خلافت کے لیے جن کے نام دیئے تھے ان میں حضرت زبیرؓ کا نام بھی شامل تھا۔ لیکن انہوں نے حضرت علیؓ کا نام تجویز کیا۔ پھر جب حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے حضرت عثمانؓ کو منتخب کیا تو حضرت زبیرؓ نے بلاحیل وحجت ان کی بیعت کر لی۔ عہدِ عثمان میں دوسرے بزرگ صحابہؓ کی طرح مدینے میں رہ کر تجارت وزراعت میں مصروف رہے۔

جنگ جمل میں حضرت علیؓ کی یاددہانی پر کہ زبیرؓ کیا تمہیں یاد ہے میں اور تم ایک مرتبہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ تھے، تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے تم سے پوچھا تھا؟ تمہیں علیؓ سے محبت ہے؟ اور تم نے جواب دیا تھا ہاں بے شک یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ۔ تو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا تھا" ایک دن ایسا آئے گا کہ تم اور علیؓ ایک دوسرے سے لڑائی کے لیے جمع ہو گے اور اس وقت زیادتی تمہاری ہوگی''۔ حضرت زبیرؓ نے فوراً کہا ''ہاں مجھے یاد آ گیا اور اب میں آپؓ سے ہرگز نہیں لڑوں گا''۔ یہ کہا اور اپنا گھوڑا میدانِ جنگ سے نکال کر لے گئے۔ جاتے ہوئے انہوں نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو بھی لے جانا چاہا تھا لیکن انہوں نے اپنی خالہ حضرت عائشہؓ کے تنہا رہ جانے کی وجہ سے آپؓ کے ساتھ جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ بہرحال حضرت زبیرؓ اپنا گھوڑا نکال کر بصرہ سے مدینے کے لیے روانہ ہوئے تو راستے میں وادی السباع میں پہنچے تو ابن جرموز نامی ایک شخص جو آپؓ کا ہمسفر بن گیا، ظہر کے وقت جب دونوں ایک دوسرے کو امان دے کر نماز پڑھنے لگے تو ابن جرموز نے حضرت زبیرؓ کو نماز کی حالت میں شہید کر دیا (سجدے کی حالت میں) اور پھر حضرت علیؓ کی خوشنودی اور انعام کی توقع میں حضرت زبیرؓ کا سر اور ان کی تلوار لے کر حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن حضرت علیؓ کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے ملنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ''ابن صفیہؓ کے قاتل کو دوزخ کی بشارت دے دو۔ اس بدبخت نے کیا کیا زبیرؓ اہل مصیبت میں سے نہ تھے "؟ یعنی جن پر قیامت کے دن مصیبت آئے گی اور اللہ کا عذاب ہوگا۔

حضرت علیؓ نے فرمایا ''تیرے منہ میں خاک میں تو یہ امید کرتا ہوں کہ میں زبیرؓ اور طلحہؓ ان لوگوں میں ہوں گے جن کے لیے قرآن پاک نے فرمایا ہے کہ ''ہم قیامت کے دن ان لوگوں کے دلوں سے کینہ نکال دیں گے اور وہ بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے''۔ (سورہ الحجر، آیت نمبر 47)

ابن جرموز حضرت زبیرؓ کا سر اور ان کی تلوار وہیں چھوڑ کر مایوس اور نامراد واپس لوٹ گیا۔ حضرت علیؓ اپنے پھوپھی زاد پچاس سال کے اسلامی بھائی اور تمام غزوات میں رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے شانہ بشانہ راہ خدا میں لڑنے والے حضرت زبیرؓ پر روئے اور ان کی تلوار پکڑ کر فرمایا ''واللہ یہ وہ تلوار ہے کہ بار ہا اس سے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے چہرے مبارک سے بے چینی دور ہوئی اور مصائب کا ازالہ ہوا"۔ یہ ایک بہت بڑا اور سچا خراج تحسین ہے، جو حضرت علیؓ نے حضرت زبیرؓ کو پیش کیا۔ وہ زبیرؓ کو ''اشجع العرب'' کہا کرتے تھے۔

حضرت زبیرؓ وادی اسباع میں دفن کئے گئے۔ عجیب اتفاق ہے کہ وادی اسباع کے معنی ہیں شیروں کی وادی اور زبیرؓ کے معنی ہیں شیر کی طرح بہادر اور وہ حضرت علیؓ شیر خدا کے خلاف معرکہ آرائی کے لیے وہاں جمع ہوئے تھے۔ بہرحال یہ ایک اندوہ ناک حقیقت ہے کہ حضرت عثمانؓ کی تنبیہ اور پیشن گوئی کے مطابق ان کی شہادت کے بعد مسلمانوں میں باہم خون ریزی کا دروازہ کھل گیا۔

سبائیت آج بھی زندہ ہے اور فعال ہے۔ آج بھی عالم اسلام ایک شدید بحران سے دوچار ہے اور نہ جانے کتنے ابن سبا اپنی ریشہ دوانیوں تخریبی کارروائیوں میں لگے ہوئے ہیں۔ جنگ جمل کے بعد امت مسلمہ کا اونٹ کبھی سیدھی کروٹ نہ بیٹھ سکا۔ وفات کے وقت حضرت زبیرؓ کی عمر 64 برس تھی۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مستجاب الدعوات)

حضرت سعیدؓ بن زید، حضرت عمر فاروقؓ کے چچازاد بھائی اور بہنوئی تھے۔ اور قبیلہ بنی عدی سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت سعیدؓ بن زید ہمیشہ بغض و افتراق سے بچ کر رہے اور جمیع مسلمانوں کی خیر خواہی کا جذبہ ان کے دل میں موجزن رہا۔ طبیعت میں سادگی اور انکسار تھا۔ دل دنیاوی جاہ وحشمت سے بے نیاز تھا۔ علم وفضل کے لحاظ سے فضلائے صحابہ میں سے تھے۔ صرف عقیق کی جاگیر پر گزر بسر تھی۔ آخر میں حضرت عثمانؓ نے عراق میں کچھ جاگیر دے دی تھی۔ ''اہل بدر'' اور ''اہل احد'' کے برابر وظیفہ ملتا تھا۔ طمع سے پاک اور قناعت پسند تھے۔ لوگوں کے حقوق کا خاص خیال رکھتے تھے۔ مستجاب الداعوات واقع ہوئے تھے۔

تو یہ تھے ابوالاعور سعیدؓ بن زید بن عمرو بن نفیل۔ موحد ابراہیمی زید بن عمرو کے سابق الایمان موحد ومومن بیٹے جن کے باپ قیامت کے دن تن تنہا ایک امت کی حیثیت سے اٹھیں گے۔ حدیث عشرہ مبشرہ کے راوی بھی یہی حضرت سعیدؓ بن زید ہیں۔

حضرت سعیدؓ بن زید، حضرت عمرؓ کے بہنوئی تھے، حضرت عمر فاروقؓ کو جب معلوم ہوا تھا کہ ان کی بہن اور بہنوئی ایمان لے آئے ہیں تو غصہ اور غضب کی حالت میں بہن کے گھر آئے اور حضرت سعیدؓ بن زید کو مار مار کر لہولہان کر دیا اور پھر ان ہی کے گھر پر قرآنی آیات سن کر ایمان لے آئے۔

حضرت سعیدؓ بن زید کی کنیت ابوالاعور تھی۔ ان کے والد زید بن عمرو بن نفیل اپنے زمانے کے دین ابراہیمی کے واحد موحد تھے۔ جو نہ بتوں کی پوجا کرتے تھے، نہ ان پر چڑھاوے چڑھایا کرتے تھے، نہ بتوں کے نام پر قربانی کرتے تھے نہ ان کے نام پر کھانا دیتے اور کھاتے تھے۔ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے انہیں نبوت سے پہلے دیکھا تھا۔ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ ''اے اللہ تو گواہ رہنا کہ میں تیرے پیغمبر ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہوں''۔ وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ''اے اللہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تجھے اپنی عبادت کا کونسا طریقہ پسند ہے تو بس اس طریقے پر تیری عبادت کرتا''۔

آپ خاتم النبیین ﷺ کا زمانہ ملتا تو وہ ضرور آپ خاتم النبیین ﷺ پر ایمان لے آتے، لیکن آپ خاتم النبیین ﷺ کی رسالت سے پانچ سال پہلے ہی کسی نے انہیں قتل کر دیا تھا، وہ غار حرا کے دامن میں دفن کئے گئے۔ جہاں سے اسلام کا سورج طلوع ہوتا ہے، حضرت زید کہا کرتے تھے کہ ''میں اس نبی کا منتظر ہوں جو آل اسماعیل میں سے ہوگا''۔ ابن سعید کی روایت کے مطابق انہوں نے عامر بن ربیعہ سے کہا تھا ''اگر میں نے آل اسماعیل میں ہونے والے نبی خاتم النبیین ﷺ کو پا لیا تو میں ان پر ایمان لے آؤں گا۔ ''لیکن اگر بدقسمتی سے مجھے یہ سعادت نصیب نہ ہوئی تو اے عامر اگر تمہاری زندگی وفا کرے اور تم انہیں پاؤ تو میرا اسلام عرض کرنا''۔

چنانچہ جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کے بعد عامر اسلام لے آئے تو آپ خاتم النبیین ﷺ کو زید کا سلام پہنچایا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور رحمت کے لیے دعا کی۔ نیز فرمایا کہ میں نے زید کو جنت کے دامن میں دیکھا ہے۔ بعد میں حضرت سعیدؓ بن زید اور حضرت عمرؓ بن خطاب نے حضرت زید کے متعلق سوال کیا تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

''اللہ زید کی مغفرت کرے اور ان پر رحمت کرے، وہ دین ابراہیمی پر مرے ہیں اور قیامت کے دن وہ تنہا ایک امت کی حیثیت سے اٹھیں گے''۔

اس کے بعد مسلمانوں میں سے کوئی یاد کرنے والا ان کے لیے دعائے مغفرت کئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ زید کی ایک بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ وہ زندہ درگور کی جانے والی بچیوں کو بچا کر اپنی پناہ اور پرورش میں لے لیا کرتے تھے، پھر اگر بعد میں ان کے والدین ان کو واپس رکھنے اور پرورش کرنے کے لیے خواہش ظاہر کرتے تو وہ ان کو دے دیا کرتے تھے، ورنہ خود پرورش کرتے اور جوان ہونے پر ان کی شادی کر دیا کرتے۔ یہ اتنی بڑی اخلاقی اور سماجی خوبی تھی کہ اسلام سے پہلے یہ خوبی کسی اور میں نہ تھی۔ ''تو اپنی ذات میں ایک امت'' زید بن عمرو کے بیٹے سعیدؓ بن زید تھے جنہوں نے اسلام لانے میں بہت جلدی کی تھی، کیونکہ موحد باپ کی تربیت اور عملی مثال نے انہیں اسلام لانے کے لیے پہلے سے تیار کر رکھا تھا، انہوں نے 15 سال کی عمر میں اسلام قبول کیا اور انہی سعیدؓ بن زید اور ان کی بیوی کا قبول اسلام حضرت عمرؓ بن خطاب کے قبول اسلام کا باعث بنا۔

آپؓ نے مدینے کی طرف ہجرت کی اور بدر کے سوا تمام غزوات میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ رہے۔ غزوہ بدر سے کچھ دن پہلے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے حضرت طلحہؓ اور سعیدؓ بن زید کو شام سے آنے والے قافلہء قریش کی خبر لانے کے لیے بھیجا تھا۔ جب یہ دونوں حضرات قافلے کی خبر لے کر واپس آئے تو آپ خاتم النبیین ﷺ بدر کی فتح سے واپس آ رہے تھے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے سعیدؓ بن زید اور حضرت طلحہؓ کو بھی مال غنیمت سے حصہ دیا اور فرمایا کہ انہیں جہاد کا ثواب ملے گا۔

صحیح بخاری میں حضرت سعیدؓ بن زید کا نام اصحاب بدر کی فہرست میں پایا جاتا ہے۔ فتح مکہ میں فوج کے ایک دستہ کے آفیسر تھے۔ جناب رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے بعد خلفائے راشدین سے تعاون کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں جہاد شام میں فوج کے سالار تھے۔ جنگ اجنادین میں رسالہ کے سپہ سالار تھے اور اپنی شجاعت سے امتیاز حاصل کیا۔ دمشق کے محاصرے میں بھی آپؓ نے حصہ لیا۔ جنگ فحل میں پیدل فوج کی قیادت کی۔ حمص کے رومی گورنر کولڑائی کے دوران قتل کیا۔ جنگ یرموک میں بہادری کے کارنامے دکھائے۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے کچھ مدت کے لیے انہیں دمشق کا گورنر بھی مقرر کیا تھا۔ لیکن وہ گورنری سے مستعفی ہو کر رضا کارانہ طور پر جہاد میں شریک ہو گئے اور جب تک پورا شام فتح نہ ہوا جہاد میں اپنی ہمت اور توانائی صرف کرتے رہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی وفات کے وقت اپنے جانشین کے انتخاب کے لیے جو مجلس شوریٰ یا انتخابی کونسل نامزد کی تھی اس میں سعیدؓ بن زید کو اس لیے شامل نہ کیا تھا کہ وہ ان کے بہنوئی تھے۔ اور سعیدؓ بن زید کو یہ بات ناگوار نہیں گزری تھی۔ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد خاموشی سے گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ سانحہ شہادت عثمانؓ کی خبر پر بے حد رنج کیا۔ کوفہ کی جامع مسجد میں تقریر کی اور کہا ''اے لوگو تم نے عثمانؓ کے ساتھ جو سلوک کیا ہے، اگر اس سلوک کی وجہ سے کوہ احد اپنی جگہ سے ٹل جائے تو اس کا ٹل جانا مناسب ہوگا''۔

شہادت عثمانؓ کے بعد فتنوں کے دور میں بالکل الگ تھلگ رہے اور حالات پر کڑھتے رہے۔ یہ اپنی جاہ اور نمود و نمائش سے دور بھاگتے تھے۔ حضرت سعیدؓ بن زید سادہ طبیعت تھے اور سادہ زندگی گزارتے تھے علم و فضل کے لحاظ سے بڑے صحابہؓ میں سے تھے۔ صرف عقیق کی جاگیر پر گزر بسر کی۔ آخیر میں حضرت عثمانؓ نے عراق میں کچھ جاگیر دے دی تھی۔ اہل بدر واہل احد کے برابر وظیفہ ملتا تھا۔ مستجاب الدعوات تھے۔

ایک مرتبہ بنی امیہ کے زمانہ میں جب مروان بن الحکم مدینے کا گورنر تھا اروی نامی ایک عورت نے مروان سے شکایت کی کہ حضرت سعیدؓ بن زید نے اس کا ایک قطعہ زمین زبردستی ہتھیا لیا ہے۔ مروان نے حضرت سعیدؓ بن زید کو بلا بھیجا اور عورت کی شکایت دہرائی۔ حضرت سعیدؓ بن زید نے مروان سے کہا ''تم میرے متعلق یہ بد گمانی کرتے ہو کہ میں نے یہ قطعہ زمین واقعی اس عورت سے ہتھیا لیا ہوگا؟ جبکہ میں نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص کسی کی ایک بالشت قطعہ زمین پر ناجائز قبضہ کرے گا۔ قیامت کے دن اسے سات قطعات کا طوق پہنایا جائے گا''۔ لیکن مروان نہ مانا اور حضرت سعیدؓ سے قسم کھانے کو کہا، حضرت سعیدؓ بن زید نے قسم کھانے کی بجائے اس متنازعہ زمین کو چھوڑ دیا اور اس سے دستبردار ہو گئے لیکن وہاں ہی بد دعا کی کہ ''یا اللہ یہ عورت جھوٹی ہے تو یہ اندھی ہو جائے اور اسے اس زمین میں موت آئے یا یہ اپنے ہی گھر کے کنویں میں گر جائے۔ اور مسلمانوں پر میرا حق اور میری سچائی ظاہر ہو جائے'' اللہ تعالیٰ نے اپنے سچے اور نیک بندے کی دعا قبول کی تھوڑی ہی مدت کے بعد اس عورت کی بینائی جاتی رہی، پھر ایک دن وہ اپنے ہی گھر کے کنویں میں گر کر مر گئی۔ اس وقت سے اہل مدینہ میں یہ کہاوت بن گئی کہ تجھے بھی اللہ تعالیٰ ایسا ہی اندھا کرے جیسے اس نے اروی کو اندھا کیا تھا۔ حضرت سعیدؓ بن زید سے 48 احادیث مروی ہیں۔ عشرہ مبشرہ والی حدیث کے راوی بھی یہی ہیں۔

ایک دن کوفہ کی جامع مسجد میں کوفہ کے گورنر مغیرہ بن شعبہ کے سامنے ایک دریدہ دہن نے حضرت علیؓ کے بارے میں گستاخانہ کلمات کہے، سعیدؓ بن زید یہ برداشت نہ کر سکے اور گورنر کو مخاطب کرتے ہوئے سختی سے فرمایا ''اے مغیرہ یہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ تیرے سامنے رسول خاتم النبیین ﷺ کے اصحابؓ کو برا بھلا کہتے ہیں اور تو انہیں منع نہیں کرتا۔ کیا تو نہیں جانتا کہ علیؓ ان لوگوں میں ہیں جنہیں خود رسول خاتم النبیین ﷺ نے جنت کی بشارت دی تھی''؟ حضرت سعیدؓ بن زید کی یہ بات سن کر مغیرہ آئیں بائیں کر کے ٹال گئے۔

وفات:۔ حضرت سعیدؓ بن زید نے مدینے کے نزدیک ایک وادی عقیق میں جمعہ کے دن دوپہر سے قبل وفات پائی۔ جہاں انہوں نے مستقل رہائش اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی تھی۔ وفات کے وقت عمر مبارک 80 برس تھی۔ مدینہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نماز جمعہ کی تیاری کر رہے تھے کہ انہیں سعیدؓ بن زید کی وفات کی خبر ملی۔ انہوں نے نماز جمعہ ترک کر دی اور عقیق تشریف لے گئے، عقیق سے ان کی میت لوگوں کے کندھوں پر مدینہ لائی گئی۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے غسل دیا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حنوط ملا اور نماز جنازہ پڑھائی، پھر حضرت سعدؓ اور حضرت عبداللہؓ نے انہیں لحد میں اتارا۔ حضرت سعیدؓ بن زید کو جنت البقیع میں سپرد خاک کیا گیا۔

****

آئمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہ

آئینہ حق

انبیاء کرامؑ، صحابہ کرامؓ، اور اولیاء کرامؒ نے اپنی گفتار اپنے کردار سے ایک معیاری زندگی کا نمونہ پیش کیا، کم کھانا، کم بولنا اور لوگوں سے کم میل جول رکھنا ان کا طریقہ کار تھا۔ عشق الٰہی میں وہ ایسے سرمست و سرشار رہتے تھے کہ ان کو اپنی ہستی کا پتہ نہ تھا۔ تسلیم و رضا، توکل و قناعت، امید و بیم، محبت و اخوت، خلوص و خدمت، فقر و فاقہ، ایثار و استقامت ان کا شعار تھا۔ وہ اپنے درد اور اپنے درماں، اپنی دعا اور اپنی دوا، اپنے سوز اور اپنے ساز اپنی زندگی اور اپنی موت، اپنی فتح اور اپنی شکست کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے، وہ عشق الٰہی کے اسیر تھے، دن کے نصیر تھے وہ روشن ضمیر تھے، بے کسوں کے دستگیر تھے، کامل بشر تھے یہ لوگ دُر بیش بہا و بے نظیر تھے۔

طالبوں کی طلب جب ان کو ان حضرات کے میخانے میں لاتی تو یہ ان کو تائب کر کے آلائش دنیا سے پاک کر دیتے تھے۔ یہ لوگ جبر و تشدد کرنے کو ناروا سمجھتے تھے، محبت اور خلوص کے دل نشیں ہتھیاروں سے غیروں کو اپنا بنایا کرتے تھے۔ **یہ لوگ اسیر شریعت تھے، امیر طریقت، امیر حقیقت اور امیر معرفت تھے۔** صاحب نسبت تھے، شمع شبستان ہدایت تھے۔ یہ علم ظاہر اور علم باطن میں کامل تھے مخلوق سے بے نیاز، قومی اور نسلی امتیاز ذات سے پاک صاف، تعصّبات سے آزاد تھے۔ یہی لوگ تھے جو شمس و قمر میں، جان و جگر میں، لعل و گہر میں، شام و سحر میں، برگ و شجر میں، آتش غرور میں، گلزار ابراہیم علیہ السلام میں، غرضیکہ ہر طرف اللہ تعالیٰ کا جلوہ کارفرما دیکھتے تھے۔

ان ہی لوگوں کی زندگیاں شریعت کا جامع، نکاتِ طریقت کا دفینہ، معرفت کا آئینہ، وصول الی اللہ کا خزینہ اور معرفت الٰہی کا سرچشمہ تھیں۔

غرض ان حضرات نے اپنی روحانی طاقت، اپنے کردار اور اپنی گفتار سے، اپنے ایثار، اپنے خلوص اور رواداری سے ایک نئے سماج کی تشکیل کی۔

عشق کی چوٹ تو پڑتی ہے دلوں پر یکساں
ظرف کے فرق سے آواز بدل جاتی ہے

****

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

امام اعظم سراج الامت مُجتہد مطلق

نام= نعمان بن ثابتؒ کنیت= ابوحنیفہ لقب= امام اعظم

ولادت= 80 ہجری وفات= 150 ہجری

''ابوحنیفہؒ'' کا مفہوم ہے صاحبِ ملت حنیفہ' یعنی باطل مذہبوں سے گریز کر کے دینِ حق کو اختیار کرنے والا۔

''نعمان'' لغت میں اس خون کو کہتے ہیں جس پر بدن کا تمام ڈھانچہ قائم ہوتا ہے، جس کے ذریعے ایک ایک عضو حرکت کرتا ہے اور زندگی پاتا ہے۔ علامہ حجرؒ نے اپنے اس قول کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ نعمان بن ثابتؒ بھی دستور اسلامی کے لئے ایک محور ہیں، اور تمام عبادات اور معاملات کو سمجھنے کے لئے روح کا درجہ رکھتے ہیں۔

ایران کا آتش کدہ جو صدیوں سے روشن تھا طلوع اسلام کے بعد بجھ گیا۔ آگ کے پجاری کہا کرتے تھے "اس آتش کدہ کے شعلے کبھی سرد نہیں ہو سکتے اور انہیں بجھانے والی مخلوق کبھی پیدا نہیں ہوگی"۔

بیت المقدس نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے وصال کے تقریباً 3 یا 4 سال کے بعد فتح ہوا۔

16-17 ہجری (637-638ء) میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو امیر لشکر بنایا جبکہ حضرت خالد بن ولیدؓ سپہ سالار لشکر تھے۔ 6 ماہ تک بیت المقدس کا محاصرہ رہا۔ اس 6 ماہ کے محاصرے کے بعد اس شرط پر ہتھیار ڈالنے کی آمادگی ظاہر کی گئی کہ خلیفہ وقت خود آ کر چابیاں لیں۔ حضرت عمرؓ نے سفر کیا، وہاں پہنچ کر معاہدہ صلح نامہ لکھا گیا، جس میں عیسائیوں کو جان و مال اور مذہبی آزادی دی گئی۔

معاہدہ گواہ پر حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف اور معاویہؓ بن ابوسفیان نے دستخط کئے۔

اس کے بعد مسلمانوں نے بیت المقدس میں داخل ہو کر اسے فتح کیا اور شہر میں داخل ہو کر نماز قائم کی۔

مسلمانوں کے امیر لشکر حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت عمر بن خطاب فاروق اعظمؓ کو قرار آ گیا۔ اب مفتوحہ علاقے کے لوگ مکمل آزاد تھے انہیں ہر آسائش حاصل تھی۔ ان پر کسی قسم کا جبر نہ تھا، پھر جن کے لئے ہدایت لکھ دی گئی تھی وہ ہدایت پا گئے۔ ان ہی ہدایت یافتہ افراد میں ایک شخص زوطی بھی تھے۔ زوطی کے دل میں ہر وقت ایک خلش رہنے لگی، ان پر کسی قسم کا تشدد نہیں تھا۔ آخیر اسی خلش نے انہیں آتش پرستوں کے حصار سے باہر کھینچ لیا۔ وہ دل ہی دل میں اسلام کی صداقتوں کو مان گئے تھے۔ اور پھر ایک دن یہ صداقت زبان تک آ گئی، عزیز رشتہ داروں نے زوطی کو ہر طرح سے سمجھایا لیکن زوطی نے اپنے ماضی کی طرف لوٹنے سے انکار کر دیا۔

پھر وہ دن بھی آ گیا جب زوطی اپنا آبائی وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ انہوں نے اپنی بیوی کو ساتھ لیا اور ایران کی حدود سے نکل گئے۔ اب یہ عراق کی جانب جا رہے تھے، پھر یہ کوفہ پہنچ گئے، یہ 63 ہجری کا واقعہ ہے۔ اس وقت حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے تھے اور حضرت علیؓ نے انتہائی خراب حالات میں اسلام کی خدمت کا یہ بار گراں اُٹھا لیا تھا۔

زوطی کی رسائی کسی نہ کسی طرح حضرت علیؓ کے دربار خلافت تک ہو گئی تھی۔ تاریخوں سے اس امر کی نشاندہی نہیں ہوتی کہ زوطی کس طرح دربار خلافت پہنچے۔ مگر زوطی کو یہ شرف حاصل تھا کہ حضرت علیؓ ان پر بڑے مہربان تھے۔

ظاہری اعتبار سے زوطی ایک ستم رسیدہ شخص تھے جنہیں ایمان لانے کے جرم میں اپنا آبائی وطن چھوڑنا پڑا تھا۔

غلامی کی تہمت:- کچھ لوگوں کے خیال میں زوطی کو کابل (افغانستان) سے گرفتار کر کے کوفہ لایا گیا تھا، اور زوطی نے کچھ عرصہ غلامی کی زندگی گزاری۔ اگر اس روایت کو درست تسلیم کیا جائے تو حضرت علیؓ کے دربار میں زوطی کی رسائی مشکوک ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ عام قسم کا غلام مختصر سے عرصے میں خلیفہ وقت کی توجہ کا مرکز نہیں بن سکتا۔ ہمارے نزدیک اس تعلق کی بس ایک بنیاد ہی ہو سکتی ہے کہ زوطی نے اسلام کی خاطر ہجرت کی اور کوفہ پہنچے۔ اور حضرت علیؓ نے اس جذبہ ایثار کی قدر شناسی کے طور پر انہیں اپنے حضور رسائی کا اعزاز بخشا۔

اس ضمن میں مولانا شبلیؒ کی یہ روایت قابل غور ہے۔ مولانا شبلیؒ اپنی مشہور تصنیف ''سیرت نعمان'' میں اس طرح رقم طراز ہیں ''زوطی کی غلامی کا قصہ غلط ہے۔

زوطی کے باپ دادا کے نام فارسی زبان میں ہیں۔خود حضرت امام ابوحنیفہؒ کی نسبت ثابت ہے کہ وہ خاندانی حیثیت سے فارسی زبان جانتے تھے،اور ظاہر ہے کہ کابل کی زبان فارسی نہیں تھی''۔

الزام تراشی کی یہ مہم بہت قدیم ہے،اتنی قدیم کہ امام اعظم کی زندگی میں ہی کچھ لوگوں نے آپؒ کو''غلام زادہ'' کہنا شروع کر دیا تھا۔مگر حضرت ابوحنیفہؒ لوگوں کے تصور سے بھی زیادہ اعلیٰ ظرف تھے۔اپنی زندگی میں آپؒ نے ان باتوں پر توجہ ہی نہ دی۔آپؒ کے وصال کے بعد آپؒ کے بیٹے حضرت حمادؒ نے بھی اپنے والد کی طرح ان الزامات پر کسی قسم کی لب کشائی نہ کی۔پھر جب حضرت حمادؒ بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو مخالفین اور سرکش ہو گئے۔ان حالات میں حضرت حمادؒ کے بیٹے حضرت اسماعیل بن حمادؒ مجبور کر دیئے گئے۔آپؒ نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی،پھر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی رقت آمیز گواہی دی اور سب سے آخیر میں اپنا نسب نامہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''لوگو!جب تم نے ظاہری آزادی وغلامی کو عزت وتحقیر کا پیمانہ بنا ہی دیا ہے تو پھر سنو!"ہمارے بزرگوں کی گردنوں میں نہ کسی کے طوق کا بارگراں تھا اور نہ ہی پیروں میں کسی زنجیر کا زخم۔ہم سب کے سب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آزاد پیدا ہوئے تھے۔ہماری طرف دیکھو میں اسماعیل بن حماد بن نعمان (ابوحنیفہؒ) بن ثابت بن نعمان (زوطی) بن مرزبان ہوں۔ہم لوگ نسل فارس سے تعلق رکھتے تھے اور کبھی بھی کسی کی غلامی میں نہیں آئے۔ہمارے دادا ابوحنیفہؒ 80ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ہمارے پردادا حضرت ثابتؒ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔امیرالمومنین نے ہمارے خاندان کے حق میں دعائے خیر کی تھی ہمیں یقین ہے کہ حضرت علیؓ کی وہ دعا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوئی اور ہم لوگ بے پناہ رحمتوں سے نوازدیئے گئے''۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ قبول اسلام کے بعد زوطی نے اپنا نام نعمان رکھ لیا تھا۔غلام ہونا کسی قسم کا طعنہ نہیں ہوتا یہ بھی قدرت کا ایک عجیب راز ہے کہ جسے چاہے نواز دے۔ماضی میں نظر ڈالیں تو کئی غلام خاندانوں کے افراد نے علم کی دنیا پر غلبہ حاصل کیا اور صدیاں گزر جانے کے بعد بھی ناقابل تسخیر ٹھہرے۔

اس ضمن میں کچھ تاریخی واقعات بیان کئے جاتے ہیں جو درحقیقت آقائیت اور غلامی کا ایک منفرد معیار ہے اور جسے اس زمین پر سب سے پہلے اسلام نے روشناس کروایا۔

کوفے کے مشہور قاضی حضرت ابن ابی لیلیٰؒ نے اس واقعے کو بیان فرمایا آپ فرماتے ہیں: ''ایک روز خلیفہ منصور کے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ نے جو کوفہ کا حاکم بھی تھا،مجھ سے دریافت کیا۔"ابی لیلیٰؒ!مجھے بتاؤ کہ فقہائے عراق کون تھے"؟میں عیسیٰ کی فطرت سے بخوبی واقف تھا۔اس کے عقائد نہایت سخت تھے اور مذہبی جنون اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا۔پھر بھی اس سوال کا جواب مجھ پر قرض تھا اس لئے میں نے صاف صاف کہا''حسن بن ابی حسنؒ''اس کے علاوہ دوسرے فقہائے کرام کون ہیں؟عیسیٰ نے وضاحت طلب کی۔''محمد بن سیرینؒ''میں نے جواباً کہا"ان دونوں کی خاندانی حیثیت کیا تھی"؟اچانک ایک نیا سوال کر ڈالا''یہ دونوں نسلی اعتبار سے غلام تھے''میں نے جواباً کہا "مجھے یہ بتاؤ کہ فقہا مکہ کون تھے"؟عیسیٰ بن موسیٰ نے پوچھا؟''عطا ابن ابی رباحؒ''سعید بن جبیرؒ''مجاہدؒ اور سلیمان بن یسارؒ''میں نے مشہور فقہائے مکہ کے نام بتاتے ہوئے کہا" یہ چاروں کون تھے"؟عیسیٰ بن موسیٰ نے پوچھا؟میں آپ کا مفہوم نہیں سمجھا؟میں نے معذرت کے انداز میں پوچھا؟" مجھے فقہائے مکہ کی قومیت کے بارے میں بتاؤ''۔اس بار حاکم کوفہ کے لہجے میں تھوڑی سی تلخی بھی شامل تھی۔''یہ چاروں بھی غلام کا درجہ رکھتے تھے''میں نے آہستہ سے کہا۔پھر اس نے میری طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا"فقہائے مدینہ کون تھے"؟''زید بن اسلمؒ'اور نافع رحمۃ اللہ علیہ''میں نے حقیقت کا اظہار کر دیا لیکن ساتھ ہی عیسیٰ کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ ''ان دونوں کا عرب کے کن قبائل سے تعلق تھا''؟حاکم کوفہ کا لہجہ مزید تلخ ہو گیا،"ان دونوں کا اہل عرب سے کوئی تعلق نہ تھا''میں نے جواباً کہا۔حاکم کوفہ نے پوچھا" پھر یہ دونوں کون تھے"؟میں نے جواباً کہا"اتفاق سے یہ دونوں بھی غلام تھے"۔یہ الفاظ سنتے ہی حاکم کوفہ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔اہل قباء میں سب سے بڑا فقیہی کون تھا؟

وہاں کے سب سے بڑے فقیہی ربیعہ رائیؒ تھے۔''یہ کون شخص تھا؟اس کا خاندانی پس منظر کیا ہے؟اب حاکم کوفہ غصے میں تھے۔''ربیعہ رائیؒ ایک غلام خاندان سے تعلق رکھتے تھے"۔اب حاکم کوفہ کا چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہو گیا۔تم مجھے یہ بتاؤ"فقہا یمن کون تھے"؟اب عیسیٰ کا لہجہ ایسا تھا کہ وہ اپنے غلام سے مخاطب ہو۔''طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ''میں نے آہستہ سے جواب دیا۔"طاؤس کون تھا"؟اب عیسیٰ کا لہجہ گستاخانہ تھا۔''وہ بھی غلام تھے''عیسیٰ کے اعصاب جواب دے چکے تھے۔وہ اپنی نشست سے اٹھا اور میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔''یہ بتاؤ فقہا خراساں کون تھے؟''عطا بن عبداللہ خراسانیؒ''میں نے جواب دیا۔"یہ عطا خراسانی کون تھے"؟اب حاکم کوفہ کے لہجے سے بے ادبی نمایاں تھی۔''ان کے خاندان کی گردن میں بھی طوق غلامی موجود تھا''میں نے آہستہ سے جواب دیا۔''فقہا شام کون تھے"؟اب حاکم کوفہ کا بدن لرزنے لگا تھا۔" مکحول رحمۃ اللہ اور یہ بھی غلام تھے"۔میں نے ساتھ ہی جواب دیا۔حاکم کوفہ کے چہرے پر نامرادی کا دھواں پھیلتا جا رہا تھا۔پھر اس نے بڑے شکستہ لہجے

میں پوچھا، "فقہا کوفہ کون تھے"؟ یہ پوچھتے ہوئے عیسیٰ کے چہرے پر ایسی سیاہی پھیل گئی تھی کہ میں خوف زدہ ہو گیا۔ خدا کی قسم اگر میں حاکم کوفہ سے ڈر نہ گیا ہوتا تو کہتا کہ حکم بن عتبہؒ اور حماد بن ابی سلیمانؒ (یہ دونوں بھی غلام تھے)۔ مگر مجھے عیسیٰ کی باتوں میں فتنہ اور شر کی بو محسوس ہو رہی تھی۔ اس لئے پہلی بار میں نے مصلحت سے کام لیتے ہوئے اپنا لہجہ بدل دیا اور کہا، ''کوفے میں ابراہیم نخعیؒ اور شعبیؒ بڑے فقیہی تھے''۔" کیا یہ دونوں بھی غلام تھے"؟ یہ کہتے کہتے عیسیٰ کی آواز ڈوبنے لگی۔ اگر وہاں کوئی تیسرا شخص ہوتا تو اپنی آنکھوں سے یہ عجیب منظر دیکھتا کہ خلافت عباسیہ کا یہ معزز ترین رکن کس طرح بے دست و پا نظر آ رہا ہے۔ اور مسند عالم پر غلاموں کی جلوہ آرائی عیسیٰ کے اقتدار کی کس طرح نفی کر رہی ہے۔ ''نہیں وہ غلام نہیں تھے'' پھر وہ دونوں کون تھے؟ اچانک حاکم کوفہ پر جوش نظر آنے لگا۔ "امام نخعیؒ اور امام شعبیؒ کا تعلق نسل عرب سے تھا"۔ میرا جواب سنتے ہی عیسیٰ بن موسیٰ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور اب حاکم کوفہ نہایت ہی مسرور اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔

اسی انداز میں ایک واقعہ بنواُمیہ کے دور حکومت میں پیش آیا۔

اس وقت ہشام بن عبدالملک سلطنت بنواُمیہ کا ایک طاقتور حکمران تھا۔ اس کے مزاج میں سخت گیری تھی۔ بیشتر مورخین کی رائے میں ہشام ایک سفاک فطرت کا مالک تھا۔ ہشام بن عبدالملک نے ایک بار مشہور فقیہہ حضرت عطاء بن عبداللہ خراسانیؒ کو اپنے دربار میں طلب کیا اور پوچھا ''کیا تمہیں مختلف شہروں کے علماء کا کچھ حال معلوم ہے؟ ہشام نے جواب دیا؟'' جی ہاں! میں اہل علم کی جماعت سے اچھی طرح باخبر ہوں''۔ ''تمہارے نزدیک مدینہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے فقیہہ کون تھے"؟ ہشام نے دریافت کیا۔ حضرت عطا بن عبداللہ خراسانیؒ نے جواب دیا۔ ''حضرت نافعؒ، عبداللہ بن عمرؓ کے غلام''۔ ہشام نے پوچھا "فقہائے مکہ کون ہیں"؟ "عطا بن ابی رباحؒ"، حضرت عطاؒ نے جواباً کہا۔ ہشام نے محسوس کیا کہ جب بھی عطاؒ کی زبان پر فقہائے اسلام کا نام آتا ہے تو ان کے چہرے سے عقیدت و احترام کے جذبات ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ ہشام نے پوچھا ''عطا بن ابی رباحؒ نسلاً عربی ہے یا غلام"؟ آپؒ نے جواباً فرمایا" وہ اپنے نسب نامہ کے اعتبار سے غلام ہیں''۔ "اہل یمن کے فقہا کون ہیں"؟ ہشام نے تیسرا سوال کیا۔ ''طاؤس بن کیسانؒ'' آپؒ نے جواب دیا۔ "وہ عربی ہے یا غلام"؟ ہشام نے پوچھا۔ ''خاندانی اعتبار سے طاؤس بن کیسانؒ غلام زادے ہیں'' آپؒ نے جواب دیا۔ ہشام کے سوالات کا سلسلہ وسعت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ اس نے اب پوچھا ''اہل یمامہ کے فقہا کون ہیں"؟ "عطا خراسانیؒ" نے ہشام کے رعب وجلال سے بے نیاز ہو کر جواب دیا۔ ''یحییٰ بن کثیرؒ''۔ ہشام نے پھر دریافت کیا "یحییٰ کون ہے"؟ آپؒ نے جواب دیا کہ یہ ''یحییٰ بن کثیر'' بھی غلام ہیں۔ ہشام نے اب پوچھا "اہل شام کے فقہا کون ہیں"؟ آپؒ نے جواب دیا کہ ''مکحولؒ اور وہ بھی غلام ہیں"۔ اب ہشام نے پوچھا "اہل جزیرہ کے فقیہی کون ہیں؟ اور ان کا نسب نامہ کیا ہے"؟ آپؒ نے جواب دیا کہ ''میمون بن مہرانؒ'' اور یہ بھی غلام خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ "فقہائے خراساں کے نام بتاؤ اور ان کا سلسلہ نسب بھی بیان کرو"؟ ''ضحاک بن مزاحمؒ کی ذات گرامی سے خاک خراساں روشن و تابناک ہے مگر اتفاق سے وہ بھی ابن غلام ہیں"۔ ہشام بن عبدالملک کے چہرے کی اب یہ حالت ہو گئی تھی جیسے کھلے اور صاف آسمان پر گہرے بادل چھا جائیں لیکن اس کے باوجود اس نے سوالوں کے سلسلے کو ختم نہیں کیا، اور پھر پوچھا کہ ''فقہائے بصرہ کون ہیں؟ وہ بھی غلام ہوں گے'' آپؒ نے جواب دیا "امیر المومنین کا اندازہ درست ہے"۔ فقہائے بصرہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے لباس میں بھی پیوند غلامی نمایاں ہے''۔ اعلیٰ نسبی کا بت ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ اب ہشام شدت اضطراب میں اپنی نشست سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور کہا " اہل کوفہ میں عالم فقہ کون ہیں؟'' ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ'' عطا خراسانی نے کسی جھجک کے بغیر جواب دیا۔ ''کیا یہ بھی غلام ہیں'' ہشام نے پوچھا؟ آپؒ نے فرمایا ''نہیں ابراہیم نخعیؒ کا تعلق نسل عرب سے ہے'' جیسے ہی آپؒ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے ہشام اپنی نشست پر دوبارہ بیٹھ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ بہت دیر تک اس کی یہی کیفیت رہی، پھر اس کے چہرے کا گم شدہ سرخ رنگ لوٹ آیا۔ ہشام نے آنکھیں کھولیں اور عطا خراسانی کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے بولا'' مجھے یقین ہو چلا تھا کہ میری جان چلی جائے گی مگر تمہاری زبان پر کسی عربی کا نام نہیں آئے گا''۔

ان دونوں واقعات سے ایک عام انسان اندازہ کر سکتا ہے کہ حدیث و فقہ میں غلاموں کو کیا درجہ حاصل ہے۔ پھر بھی کوئی کج ذہن حضرت امام ابوحنیفہؒ کے خاندان کو غلامی سے آلودہ کرنا چاہتا ہے تو غلام ہونا کوئی داغ معصیت نہیں کہ حنفی مسلک کے ماننے والے شرمسار ہو جائیں۔ یہ دیکھیں کہ اعلیٰ نسب منصور فنا ہو گیا، اس کی عظیم سلطنت اجل کی خوراک بن گئی مگر خاندان ابوحنیفہؒ کی شان اب بھی قائم ہے اور مملکت بھی۔ جب غلامی اس قدر قابل احترام شے ہے تو شہنشاہیت کس کام کی؟

حضرت امام ابوحنیفہؒ پیدائشی طور پر دنیا کے ان چند ذہین ترین انسانوں میں سے تھے جن کا عکس تلاش کرتے صدیاں گزر جاتی ہیں۔ ذہانت کا اپنا ایک مزاج ہوتا ہے اور اپنی ایک روح ہے، اور یہ روح جہاں جہاں سے گزرتی ہے گرد و پیش کو متاثر کرتی چلی جاتی ہے۔ اس پر تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ ثابتؒ نے اپنے فرزند کو

تجارتی نشیب وفراز سے بخوبی آگاہ کر دیا تھا۔ اس لئے بیشتر کتابوں میں آپؒ کی تجارتی اُمور میں دلچسپی کا ذکر نظر آتا ہے۔ آپ کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ کا بچپن:۔ حضرت نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ 80ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ زمانہ خاندان بنواُمیہ کے عروج کا زمانہ تھا۔ آپ کی عمر جب تین سال کی ہوئی تو آپ کے والد آپ کو لے کر مشہور قاری عاصمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے (امام عاصمؒ کا شمار ان سات بزرگوں میں ہوتا ہے جو قرأت کلام میں درجہ کمال رکھتے ہیں)۔

حضرت عاصمؒ نے امام اعظمؒ کے معصوم چہرے پر نگاہ کی، اس کے بعد آپ نے نعمانؒ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''تمہارا یہ فرزند اس لائق ہے کہ جدھر سے گزرے گا درسگاہیں خود اسے پکاریں گی۔ اساتذہ خود آواز دیں گے کہ اے علم کے وارث! ہماری طرف آ۔ ہمارے حلقوں میں بیٹھ اور اپنی وہ امانت حاصل کر لے جو برسوں سے ہمارے سروں پر ہے'' حضرت عاصمؒ کے اس اعتراف نے ثابتؒ کے یقین کو مزید پختہ کر دیا کہ حضرت علیؓ کی دعائیں رنگ لا رہی ہیں۔ حفظ قرآن کے بعد سیاسی حالات خراب ہونے کی وجہ سے آپ کے والد ثابتؒ نے آپ کا رخ اپنے آبائی پیشے تجارت کی طرف کر دیا، یہ بنواُمیہ کے عروج کا زمانہ تھا۔ عبدالملک بن مروان، حجاج بن یوسف اور ولید بن عبدالملک کے ظلم وستم سے زمین لرز رہی تھی۔ بڑے بڑے صحابہ اکرامؓ منہ کھولنے کی وجہ سے سر عام سزا پا رہے تھے۔ خون کا بازار گرم تھا۔ عبدالملک بن مروان کی وفات کے وقت امام ابوحنیفہؒ کی عمر چھ برس تھی۔ یہی وہ نامساعد حالات تھے جن کے زیر اثر رہ کر ثابتؒ ذہنی انقلاب سے دوچار ہو گئے اور آپؒ نے اپنے فرزند نعمانؒ کو قرآن پاک کی ابتدائی تعلیم دلائی اور پھر آبائی پیشے کے طور پر تجارتی امور کی تربیت دینے لگے۔ ثابتؒ اپنے کم سن بچے کو زمانے کی گرم ہواؤں سے بچانا چاہتے تھے۔ گو نعمان بن ثابتؒ علم ہی کے لئے پیدا ہوئے تھے مگر حجاج بن یوسف اور دیگر خلفائے بنواُمیہ کے ظلم وستم اور تباہ کاریوں نے وقتی طور پر آپ کے جذبے کو سلا دیا تھا (بے شک قدرت اپنے بندوں کی حفاظت خود کرتی ہے)۔ غرض یہی وہ اسباب تھے جن کے گہرے اثرات نے ایک طویل عرصے کے لئے نعمان بن ثابتؒ کا تعلیمی سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ پھر تقریباً 16 سال کی عمر میں نعمانؒ کی زندگی کے ایک اہم واقعہ کا ذکر ملتا ہے جس کو خود نعمان بن ثابتؒ بیان فرماتے ہیں۔ میں 80ھ میں پیدا ہوا۔ اپنے والد کے ہمراہ 96ھ میں حج ادا کیا اس وقت میری عمر 16 سال تھی۔ جب میں مسجد حرام میں داخل ہوا تو میں نے ایک بڑا حلقہ دیکھا، میں نے اپنے والد سے پوچھا یہ حلقہ کن لوگوں کا ہے؟ میرے سوال کے جواب میں میرے والد نے کہا کہ یہ حلقہ حضرت عبداللہؓ بن حارثؓ (صحابی) کا ہے۔ پھر میں نے حضرت عبداللہ بن حارثؓ کو یہ کہتے سنا کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا! ''جس نے دین کا فقہ حاصل کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے مقاصد کا ذمہ دار ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچائے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہوگا''۔

اس واقعے سے یہ ثبوت مل جاتا ہے کہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ بعض صحابہ اکرامؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اس طرح آپ کو تابعیت کا شرف عظیم حاصل ہو گیا تھا۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب خلیفہ ولید بن عبدالملک کو مرے ہوئے چند دن ہی گزرے تھے۔ ولید بن عبدالملک کے بعد سلیمان بن عبدالملک کا زمانہ شروع ہوا۔ یہ ایک نیک دل انسان تھا سلیمان نے اپنے پیچھے ''خدمت خلق'' کا کوئی سرمایہ چھوڑا ہو یا نہ ہو مگر اس سچائی کو کوئی نہیں جھٹلا سکتا کہ وہ دنیا سے عدل وانصاف سے محروم زمین پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی شکل میں ایک ایسی علامت خیر چھوڑ گیا جس نے طرز شہنشاہی کو خلافت راشدہ کی طرف موڑ دیا۔

اس وقت نعمان بن ثابتؒ کی عمر انیس سال تھی اور آپ ایک تاجر کی حیثیت سے مشہور تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت سے کچھ دن پہلے ایک واقعہ پیش آیا۔ حضرت نعمان بن ثابتؒ کوفہ کے بازار کی طرف جا رہے تھے، راستے میں امام شعبیؒ کا مکان تھا اور امام اپنے دروازے پر ہی کھڑے تھے، جیسے ہی ان کی نظر نعمانؒ پر پڑی تو انہوں نے کہا نوجوان ادھر آؤ، کدھر جا رہے ہو؟ حضرت نعمانؒ نے جواب دیا کہ میں تجارت کرتا ہوں اور اُسی غرض سے بازار جا رہا ہوں، اس بات پر چونک پڑے تمہیں کسی نے بتایا نہیں کہ تم کون ہو اور اس دنیا میں کس کام کے لئے آئے ہو؟ نعمانؒ خاموش کھڑے تھے پھر امام شعبیؒ نے فرمایا کہ میری آنکھ جو کچھ دیکھ رہی ہے خدا کرے کہ وہ عملی شکل میں ظاہر ہو جائے۔ امام شعبیؒ کی بصیرت نے نعمانؒ کی پیشانی پر لکھی ہوئی وہ عبارت پڑھ لی تھی، جو کاتب تقدیر نے روز اوّل میں تحریر کر دی تھی۔ اس کے بعد امام شعبیؒ نے امام کی طرف دیکھ کر کہا ''علماء کی صحبت میں بیٹھا کرو'' آپؒ واپس لوٹے تو امام کی پرجلال آواز آپؒ کے ذہن میں گونجی ''میری آنکھ جو کچھ دیکھ رہی ہے خدا کرے کہ وہ عملی شکل میں ظاہر ہو جائے''۔

اس کے بعد آپؒ حضرت حماد بن سلیمانؒ کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے۔ حضرت حماد بن سلیمانؒ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فقہی سلسلے اور ان کے علوم کی آخیری کڑی تھے۔ کچھ مورخین کا خیال ہے کہ حضرت امام شعبیؒ کی نصیحت کے فوراً بعد نعمان بن ثابتؒ حضرت حمادؒ کی درس گاہ میں داخل ہو گئے تھے۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ حضرت امام شعبیؒ سے ملاقات کے بعد نعمانؒ علم کی طرف متوجہ ضرور ہو گئے تھے مگر ان کا رُخ مجلس حماد کی طرف نہیں تھا، اس ذیل میں تین روایات ہیں۔

1۔ایک روایت:۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد حضرت امام یوسفؒ کی ہے۔آپؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت ابوحنیفہؒ سے پوچھا گیا آپؒ کوفقہ کی توفیق کیسے ہوئی ؟جواب میں امام اعظمؒ نے فرمایا توفیق تو اللہ کی طرف سے تھی ، جب میں طلب علم کی طرف متوجہ ہوا تو تمام علوم پر نظر ڈالی۔

1۔سب سے پہلے میرے دل میں آیا کہ علم کلام پڑھوں مگر پھر غور کرنے پر اندازہ ہوا اس کا انجام اچھا نہیں اور اس علم میں فائدہ کم ہے۔

2۔پھر میں نے ادب ولغت پر غور کیا اور اندازہ کیا کہ وہاں بھی کچھ حاصل نہ ہوگا، سوائے اس کے کہ بیٹھ کر بچوں کو صرف ونحو کا سبق دیتے رہو۔

3۔پھر میں نے شعروشاعری کے بارے میں سوچا پھر اندازہ ہوا کہ کسی کی تعریف، کسی کی برائی، ان باتوں کا مطلب تخریب کاری کے سوا کیا ہوسکتا ہے؟

4۔پھر طلب حدیث پر عمر بسر کرنے کا سوچا، خیال آیا کہ رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ کی احادیث جمع کرنے کے لئے ایک طویل عمر چاہئے۔دوسرے یہ خطرہ بھی موجود ہے کہ لوگ کذب بیانی اور حافظہ کی خرابی کا الزام عائد کرسکتے ہیں۔

5۔پھر آخیر میں میں نے فقہ کی روگردانی شروع کی ، پھر جیسے جیسے اس علم کی تکرار ہوتی گئی ، مجھے فقہ میں کوئی عیب دکھائی نہ دیا۔میں نے سوچا کہ حصول فقہ کے دوران مجھے بڑے بڑے علماءاور مشائخ کی صحبت نصیب ہوگی، ان کے اخلاق جلیلہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے مواقع میسر ہوں گے۔

آخیر میں اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ فرض کی ادائیگی ، بندگی کا اظہار اور دنیا وآخرت کا حصول فقہ کے بغیر ممکن نہیں۔اگر کوئی فقہ کے ذریعے دنیا کمانا چاہتا ہے تو نہایت بلند منصب پر فائز ہوسکتا ہے۔اور اگر عبادت وگوشہ نشینی کا آرزومند ہو تو کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ حصول علم کے بغیر عبادت میں مشغول ہے، بلکہ اس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ وہ صاحب فقیہ ہے اور مسلسل علم کے راستے پر گامزن ہے۔حضرت امام یوسفؒ کی اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امام شعبیؒ کی نصیحت سے متاثر ہوکر حضرت نعمانؒ نے کچھ دن تک تمام علوم کی حقیقت پر غور کیا، اور پھر اپنی زندگی کو علم فقہ کے لئے وقف کر کے حضرت امام حمادؒ کے حلقہ درس میں شامل ہوگئے۔

2۔دوسری روایت:۔ یحییٰ بن شعبانؒ کی ہے اس روایت کے مطابق امام اعظمؒ نے فرمایا!''مجھے مناظرے سے فطری طور پر لگاؤ تھا، جب جب مجلس مناظرہ آراستہ ہوتی تو میں علم الکلام کے اسلحہ سے جنگ کرتا۔اس زمانے میں بصرہ مناظرہ اور بحث کا اکھاڑہ تھا۔میں بیس سے زیادہ بار بصرہ گیا، میں نے خارجیوں ،فرقہ اباضیہ اور فرقہ صفریہ سے کئی جھڑپیں کیں۔علم الکلام میرے لئے''افضل العلوم'' تھا۔علم کلام کا تعلق اصول دین سے ہے کافی عرصہ بعد میرے نظریے میں تبدیلی رونما ہوئی۔میں نے سوچا صحابہ اکرامؓ اور تابعینؒ شرعی امور پر زیادہ قادر تھے،اس کے باوجود انہوں نے مناظرہ کا بازار گرم نہیں کیا۔اس حقیقت کے واضح ہوتے ہی میں نے علم الکلام کو خیرآباد کہہ کر اپنا رُخ اسلاف کی طرف موڑ دیا''۔

یحییٰ بن شعبان کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ نے علم الکلام سیکھا تھا، اور آپؒ بصرہ جا کر اس علم کے ماہرین سے بحث ومناظرہ بھی کرتے تھے۔لیکن اس علم کلام میں آپؒ کے اساتذہ کون تھے اس کا کچھ پتہ نہیں۔

نوعمری کے باوجود آپؒ بصرے میں خارجیوں کے مختلف فرقوں میں الجھے ہوئے تھے اور اپنے مذہب کا پورا پورا دفاع کیا کرتے تھے۔پھر 20(بیس) سال کی عمر میں اس احساس کا زندہ ہونا کہ اہل کلام غلط راستے پر ہیں یہ خالصتاً غیبی امداد تھی۔

پھر جب 99ھ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو اہل کلام اور دیگر عقلیت پرستوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔عمر ثانیؒ کے دور میں صرف کردار ہی نہیں علم بھی زندہ ہوا تھا۔یزید اس کے بعد عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک اور ان دونوں کے درمیان حجاج بن یوسف نے اہل علم کو ختم کردیا تھا۔کچھ اہل علم منہ چھپائے گوشہ نشین ہوگئے تھے کہ دین کی بچت ان کی خاموشی میں ہی تھی۔

تاریخ پر نظر ڈالیں اور مندرجہ بالا حکمرانوں کو دیکھیں تو دل خون کے آنسو رونے لگتا ہے کہ ان ظالموں کے بعد دین بچ کیسے گیا؟ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے دین اسلام کو زندہ کیا۔ان کا سب سے بڑا کارنامہ مذہبی علوم کا احیاء تھا۔آپؒ نے امام زہریؒ کو حکم دیا کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی تمام احادیث کو جمع کریں۔یہی وہ زمانہ تھا جب نعمان بن ثابتؒ ایک اور نئے ذہنی انقلاب سے دوچار ہوئے۔پہلا انقلاب امام شعبیؒ سے ملاقات کے بعد ظاہر ہوا تھا اور اس کے نتیجے میں آپؒ علم کلام کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

اب دوسرے انقلاب کی فضاء اس وقت ہموار ہونے لگی جب امام زہریؒ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم پر احادیث جمع کررہے تھے۔اگرچہ 100ھ اور 101ھ میں نعمان بن ثابتؒ اہل کلام کے حلقے سے باہر نہیں آئے تھے۔لیکن پھر بھی آپؒ کو اس قبیلے کے لوگوں سے اکتاہٹ سی محسوس ہونے لگی تھی۔سچ تو یہ ہے کہ حضرت

امام ابوحنیفہؒ کی ذات گرامی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی مجتہدانہ کوششوں کا ایک عکس ہے۔

3۔تیسری روایت:- حصول علم کے حوالے سے امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام زفرؒ کی ہے۔ان کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے امام ابوحنیفہؒ سے سنا،

آپؒ فرماتے تھے کہ میں علم کلام پڑھتا بھی تھا اور پڑھاتا بھی تھا،اس میں کافی شہرت حاصل کر لی تھی۔

ہماری نشست حضرت حماد بن سلیمانؒ سے زیادہ دور نہ تھی۔ایک روز ایک عورت آئی اور مجھ سے پوچھنے لگی ''ایک شخص نے ایک کنیز سے نکاح کر رکھا ہے اور اب اسے سنت کے مطابق طلاق دینا چاہتا ہے،اس صورت میں اسے اپنی کنیز کو کتنی طلاقیں دینی چاہئے؟''میں نے اس عورت سے کہا کہ مجھے اس سوال کا جواب معلوم نہیں ہے،امام حمادؒ کے پاس چلی جاؤ اوران سے یہ مسئلہ دریافت کرو اور وہ جو جواب دیں مجھے بھی اس سے آگاہ کر دینا۔اور پھر کچھ دیر کے بعد وہ واپس آئی اور مجھے امام حمادؒ کا فتویٰ سنایا۔آپؒ کے لب غیور پر ایک ضرب سی پڑی آپؒ نے اپنے دوستوں سے فرمایا! آخیر میں اس علم کے تعاقب میں کیوں عمر بسر کر رہا ہوں جو ایک عورت کا معمولی سا مسئلہ حل نہ کر سکے۔

دوستوں نے ذہنی خلش دور کرنے کی کوششیں کیں مگر نعمان بن ثابتؒ یہ کہتے ہوئے حلقہ یاراں سے اٹھ گئے ''افسوس میرے شب وروز رائیگاں گئے اب مجھے علم کلام کی حاجت نہیں'' آپؒ یہ کہہ کر اٹھے اور سیدھے حضرت حمادؒ کی درس گاہ میں داخل ہو گئے۔

نعمان بن ثابتؒ مجلس درس میں شریک ہو گئے،حضرت حمادؒ نے نئے شاگرد کی طرف دیکھا اور چند ساعتوں کے لئے آپؒ کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا،تمام طالب علموں کی نگاہیں اپنے امام کے چہرے پر مرکوز تھیں۔مگر نعمانؒ ایک تنہا شخص تھے جن کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور ساعت پورے انہماک کے ساتھ تقریر کی طرف متوجہ تھی۔پھر دوسرے دن بھی مقررہ وقت پر مجلس درس آراستہ ہوئی شاگردوں کی نشست کی وہی ترتیب برقرار تھی۔اور آپؒ اسی طرح اسی حالت میں اپنی جگہ بیٹھے رہے۔پھر اچانک امام حمادؒ نے ایک سوال نعمان بن ثابتؒ سے کیا۔آپؒ نہایت عاجزی کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھے اور سوال کا جواب دیا،پھر ایسا ہی معمول بن گیا۔امام حمادؒ اپنے نئے شاگرد سے کوئی نہ کوئی سوال پوچھتے،اوران کے جواب دینے پر استاد محترم اور باقی تمام شاگرد اندازہ کر لیتے کہ آپؒ کس قدر انہماک سے استاد محترم کی طرف متوجہ ہیں۔

پھر وہ دن بھی آ گیا جب حضرت حمادؒ نے برسر مجلس پکار کر کہا''نعمان تمہاری جگہ وہ نہیں ہے تم اگلی صف میں میرے روبرو بیٹھا کرو'' یہ بڑا اعزاز تھا بڑا اشرف تھا جس نے حلقہ حمادؒ میں یقینی طور پر ایک ہیجان برپا کر دیا تھا۔

آخیر وہ کیا شے تھی جس نے کوفہ کے ایک نوجوان تاجر کو بارگاہ حمادؒ میں حضوری بخشی؟ وہ نعمان بن ثابتؒ کا دل ہی تو تھا کہ جس نے استاد گرامی کے سینہ سوزاں کی تپش کو ادب اور عشق کی تمام تر روائیتوں کے ساتھ محسوس کیا۔دراصل ادب بذات خود کوئی چیز نہیں۔روحانیت ہو یا مادیت بنیادی طور پر عشق ہی مکمل ترین شے ہے۔

جب عشق رگ وجاں سے گزر کر دل اور روح کی گہرائیوں میں اُترتا ہے تو ردعمل کے طور پر ہمیں انسانی زندگی میں مختلف عکس نظر آتے ہیں۔احترام وادب،وفا اور جانثاری یہ سب عشق ہی کے ذیلی مناظر ہیں۔اگر عشق منزل طلب میں نعمانؒ کا رہبر نہ ہوتا تو آپؒ کبھی بھی حضرت حمادؒ کے دل کے قریب نہ پہنچتے۔اور یہ قربت اس وقت تک ممکن نہ تھی جب تک خاندان زوطی کا یہ وارث اپنی ذات کی نفی نہ کر دیتا۔حضرت حمادؒ بھی اپنے استاد ابراہیم نخعیؒ کی خاطر دنیا کو بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے۔اس لئے ضروری تھا کہ امام حمادؒ کی درس گاہ میں بھی کوئی ایسا ہی جانثار آئے ورنہ عشق کا یہ دائرہ مکمل کیسے ہوتا؟ بالآخر کوفے ہی کی سرزمین سے ایک شرارہ عشق چھوٹا اور نعمان بن ثابتؒ نے اس دائرے کو مکمل کر دیا۔

تھوڑے ہی عرصے میں امام ابوحنیفہؒ کے چرچے ہر خاص وعام کی زبان پر تھے۔جب حلقہ حمادؒ میں ابوحنیفہؒ کا شور بلند ہوا تو عقلیت پرستوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔خارجیوں کی نیندیں حرام ہو گئیں اور معتزلہ کا صبر وقرار چھن گیا۔ایک خارجی نے دوسرے سے کہا"امام ابوحنیفہؒ کا یہ علم ہمارے لئے سامان موت ہے"۔دوسرے نے جواب دیا"ابوحنیفہؒ ذہین ہے مگر ہمارے علم تک اس کی رسائی نہیں،ہم اسے مناظرے میں شکست دے دیں گے"۔

آخیر کار منصوبہ تیار کیا گیا اور خارجیوں کی ایک جماعت ابوحنیفہؒ کے پاس آئی،آپؒ نے جانچ لیا کہ ان کے ارادے ٹھیک نہیں ہیں۔پھر ایک بوڑھا خارجی آگے بڑھا اور کہا''میں تم سے ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کیا تمہارا علم مجھے اور میری جماعت کو مطمئن کر سکے گا''؟ آپؒ نے جواب دیا"میری حیثیت اسلامی فقہ کے ایک طالب علم کی ہے پھر بھی میں کوشش کروں گا کہ کسی طرح تم لوگ اطمینان قلب حاصل کر لو"۔

بوڑھے خارجی نے ابوحنیفہؒ سے کہا کہ مسئلہ یہ ہے "مسجد کے دروازے پر دو جنازے رکھے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک جنازہ ایسے شرابی کا ہے جو شب و روز شراب پیتا تھا، کثرت شراب نوشی نے اس کی صحت خراب کر دی تھی، پھر ایک دن وہ شراب پی رہا تھا کہ سانس گھٹ جانے سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ دوسرا جنازہ اس عورت کا ہے جو بدکاری کی مرتکب ہوئی، پھر کچھ دن کے بعد اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا یہاں تک کہ اس نے رسوائی کے خوف سے خودکشی کر لی۔ اب تم بتاؤ دونوں جنت میں جائیں گے یا دوزخ ان کا مقام ہوگا"؟

حضرت ابوحنیفہؒ نے ان لوگوں کے سوال کو غور سے سنا اور پوچھا" ان دونوں کا تعلق کس مذہب سے تھا؟ خارجی خاموش رہے، کیا مرنے والے یہود تھے"؟ ابو حنیفہؒ نے سوال کیا بوڑھے نے کہا نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے دوبارہ پوچھا" کیا وہ عقائد کے اعتبار سے عیسائی تھے"؟ "نہیں" بوڑھے نے سر ہلایا۔" کیا وہ مجوسی نظریہ رکھتے تھے"؟ امام ابوحنیفہؒ نے ایک اور سوال کیا، بوڑھے نے بیزاری سے کہا" نوجوان تم ہمیں فروعی مسائل میں پھنسا رہے ہو"۔ آپؒ نے جواب دیا" میں تفصیل جانے بغیر مرنے والوں کی نشاندہی نہیں کر سکتا"۔ مجبوراً بوڑھے خارجی نے کہا" یہ دونوں (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ) کہنے والی ملت سے تعلق رکھتے تھے"۔ اچھا تو اب یہ بتاؤ" کلمہ طیبہ ایمان کی شہادت کا تیسرا حصہ ہے چوتھا یا پانچواں"؟ حضرت ابوحنیفہؒ نے ان سے سوال کیا؟" ایمان میں اجزا کی تقسیم نہیں ہوسکتی" بوڑھے خارجی نے چراغ پا ہو کر جواب دیا۔" اچھا تم اس بات کی وضاحت کر دو کہ ایمان کو شہادت سے کیا نسبت ہے"؟" ہمارے نزدیک یہ شہادت ایمان کامل ہے"، بوڑھے نے جواب دیا۔

" جب تم شہادت کو ایمان کامل سمجھتے ہو تو مرنے والوں کے بارے میں سوال کرنے کا کیا مطلب"؟ ''ابوحنیفہؒ تم موضوع سے ہٹ رہے ہو'' بوڑھے نے غصے سے کہا۔

" میں اصولی بات کر رہا ہوں جو لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول کریم خاتم النبیین ﷺ کی رسالت پر گواہی دے چکے ہوں ان کے بارے میں پوچھنا ہی عبث ہے"۔ بوڑھے نے کہا" تم یہ فضول باتیں چھوڑو، بس یہ بتاؤ کہ مرنے والے جنت میں جائیں گے یا دوزخ میں"؟ حضرت ابوحنیفہؒ نے فرمایا،" تم مجھ سے مرنے والوں کے حشر کے بارے میں پوچھ رہے ہو اور میں وہی الفاظ دہراتا ہوں جو حضرت ابراہیمؑ نے ان سے بھی بُری قوم کے بارے میں فرمائے تھے۔ جس نے میری اتباع کی وہ میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو اے اللہ! تو بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے"۔

پھر ابوحنیفہؒ نے بوڑھے خارجی کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا" تم مجھ سے ایسے مرد کے بارے میں سوال کرتے ہو جو نشے کی حالت میں انتقال کر گیا۔ اور تم ایک ایسی عورت کا انجام جاننا چاہتے ہو جس نے خودکشی کر لی۔ غور سے سنو میں تمہیں حضرت عیسیٰؑ کی بات یاد دلاتا ہوں جو انہوں نے بہت بڑی گناہ گار قوم کے حق میں کہی تھی۔

''اگر آپ ان کو عذاب دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر بخش دیں تو آپ غالب اور حکمت والے ہیں''۔ (سورہ المائدہ، آیت نمبر 118)

حضرت ابوحنیفہؒ نے تیسری بار خارجیوں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا،" میں تمہیں وہی بات یاد دلاتا ہوں جو حضرت نوحؑ نے علی الاعلان کہی تھی کہ ''جو کچھ انہوں نے کیا وہ مجھ میں نہیں، ان کا حساب تو اللہ پر ہے وہ جو چاہے کرے''۔

پھر حضرت ابوحنیفہؒ نے قرآن پاک کے مختلف حوالوں سے یہ ثابت کر دیا کہ کلمہ طیبہ کی گواہی دینے والا خواہ کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو وہ اول و آخر مسلمان ہے۔ جبکہ خارجیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے۔ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوحنیفہؒ کے یہ دلائل سن کر خارجیوں کی وہ جماعت اپنے عقائد سے تائب ہو گئی تھی اور انہوں نے اہل سنت کا مسلک اختیار کر لیا تھا۔

<u>استاد کی نگاہ:-</u> جیسے ہی نعمان بن ثابتؒ مجلس حمادؒ میں داخل ہوتے، فوری طور پر استاد کے نظر کرم بن جاتے۔

حضرت امام حمادؒ اس مسند پر جلوہ افروز تھے جس پر کبھی حضرت ابراہیم نخعیؒ تشریف فرما ہوتے تھے۔ درس گاہوں میں علم کے بے شمار طلب گار جمع ہوتے ہیں۔ استاد کسی تفریق کے بغیر دولت علم لٹاتا ہے، مگر یہ پانے والے پر منحصر ہے کہ اس نے کیا پایا؟ **یہ طالب علم کی صلاحیت ہے کہ اس نے ذخیرہ علم میں سے کیا کیا ڈھونڈا اور کیا کیا جذب کیا؟ یہ سب فطری ذہانت اور کشادگی قلب کی باتیں ہوتی ہیں۔** حضرت حمادؒ نے اپنے خاندانی سرمائے کو حقارت سے ٹھکرا کر استاد گرامی حضرت ابراہیم نخعیؒ کی صحبت اختیار کی تھی اور تاج زریں سجانے کے بجائے ایک مرد فقیہہ کے نقش پا کو اپنے سر کی زینت بنا لیا تھا۔ تاریخ ایک بار پھر اسی انداز سے رقم ہو رہی تھی۔ نعمان بن ثابتؒ بھی دنیا کی تمام آسائشوں کو جھٹلا کر درس گاہ حمادؒ میں دست بستہ بیٹھے رہتے تھے۔ **احترام استاد کو تحریری شکل میں ظاہر کرنے کے لئے ایک بڑا مجموعہ الفاظ بھی ناکافی ہوتا ہے۔ یہ صرف جذبوں کا معاملہ ہوتا ہے اور اگر جذبے کاغذ پر منتقل کئے جائیں تو اپنا سوز، اپنی خلش، اپنا درد اور اپنی شگفتگی سب کچھ کھو بیٹھتے ہیں۔**

ایک بار حضرت امام حمادؒ کوفہ سے باہر تشریف لے گئے، آپؒ کا یہ سفر نسبتاً طویل تھا۔ ایسے موقع پر حضرت حمادؒ اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؒ یا دوسرے جلیل القدر شاگرد کو اپنا جانشین نامزد کر کے کوفہ سے باہر چلے جاتے تھے۔ اس مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا۔ بظاہر نعمان بن ثابتؒ کو ابھی وہ شرف حاصل نہیں ہوا تھا کہ استاد گرامی کی غیر موجودگی میں مسند فقہ پر جلوہ افروز ہوتے۔ لیکن عام حاضرین مجلس یہ اندازہ کر رہے تھے کہ نعمان بن ثابتؒ حضرت حمادؒ کی نگاہوں کا مرکز بنتے چلے جا رہے ہیں لیکن یہ بات لوگوں کے ذہن کے کسی گوشے میں موجود نہ تھی کہ حضرت حمادؒ حضرت نعمانؒ کو سب سے زیادہ چاہتے ہیں۔ یہ راز اس دن فاش ہوا جب حضرت حمادؒ سفر سے واپس تشریف لائے، سفر کی تھکاوٹ کے باوجود حضرت حمادؒ سیدھے درس گاہ تشریف لے گئے۔ تمام شاگردوں عقیدت مندوں اور اہل خانہ نے والہانہ آپؒ کا استقبال کیا۔ مغرب کی نماز کے بعد آپؒ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ جب خلوت میسر ہوئی تو آپؒ کے صاحبزادے حضرت اسماعیلؒ نے اندر آنے کی اجازت طلب کی، فرزند "آؤ کیا بات ہے "؟ حضرت حمادؒ نے پوچھا؟ "اگر آپؒ سفر کی تھکن نہ محسوس کر رہے ہوں تو میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں "؟ "تم جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو میری تھکن کا خیال نہ کرو۔ تمہارے سوال میرے جسمانی اعضاء کی تھکاوٹ سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ ایک فقیہہ کے لئے یہ بہتر ہے کہ وہ خود کسی تکلیف میں مبتلا ہو جائے مگر علم کا کوئی مسئلہ باقی نہ رہے۔ میں اس وقت فقہ کا کوئی مسئلہ دریافت کرنے نہیں آیا، میں آپؒ کے سفر کے حالات دریافت کرنے آیا ہوں"۔ امام حمادؒ نے کہا "فرزند اللہ نے تمام آزمائشوں سے محفوظ رکھا اور قدم قدم پر سرفراز فرمایا۔ پھر آپؒ نے گھریلو نوعیت کی باتیں شروع کیں۔ پھر یکا یک اسماعیلؒ نے اپنے والد گرامی سے دریافت کیا ''اس سفر میں آپؒ کو اہل کوفہ بھی یاد آتے ہوں گے''؟ آپؒ نے فرمایا'' کیوں نہیں؟ میں اپنے شہر کو کیسے فراموش کر سکتا ہوں "؟ "اہل کوفہ میں کون آپؒ کو سب سے زیادہ یاد آتا تھا"؟ بڑی جذباتی فضا تھی۔ حضرت اسماعیلؒ نے اس یقین کے ساتھ باپ کی محبت کو آزمایا تھا کہ امام حمادؒ کا جواب فرزند کی محبت سے نکل ہی نہیں سکتا تھا۔ ''ابوحنیفہ'' آپؒ کے فرزند نے بڑی حیرت کے عالم میں اپنے والد گرامی کے چہرے کو دیکھا۔ بہت ہی اعلیٰ ظرفی کے ساتھ اپنے والد گرامی کا جواب سنا اور پھر اس بات پر رضامند ہو گئے کہ والد گرامی کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کو زیادہ قربت حاصل ہے۔

ابوحنیفہؒ کے لفظ کی تاریخی حیثیت کیا ہے؟ اس کا جواب دینے والوں نے بڑی روشن دلیل سے یہ ثابت کیا ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ نے قرآن کریم کی اس آیت سے اپنی کنیت اخذ کی، (سورہ آل عمران، آیت نمبر-95)

فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حنيفا ترجمہ: ''تم سب ابراہیم حنیف کی ملت کی پیروی کرو''

اب یہ نعمان بن ثابتؒ کا خلوص نیت تھا کہ آپ نے اس لفظ کو قبولیت دوام بخشا۔

حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کو'' ابوحنیفہؒ کے نام سے پکارا تھا۔ اس تاریخی حوالے کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس وقت حضرت حمادؒ زندہ تھے اور آپؒ کی موجودگی ہی میں اس لقب یا کنیت کو اختیار کر لیا گیا تھا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اس طرز عمل پر تو استاد کا احترام ختم ہے کہ آپؒ جب تک زندہ رہے امام حمادؒ کے مکان کی طرف پاؤں پھیلا کر نہیں سوئے۔ آپؒ اس کو گستاخی سے تعبیر فرمایا کرتے تھے۔ استاد کے مکان کی طرف پیر پھیلانے کے عمل کو گستاخی سے تعبیر فرمانا دراصل امام ابوحنیفہؒ ہی کی شان شایان تھا۔ آپ جس طرح حدیث وقرآن کے رموز ونکات پر غور فرماتے، اسی طرح آپؒ کی حساس فطرت انسانی کردار کی بلندیوں سے بھی ہمکنار رہتی تھی۔ مثال کے طور پر حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، مدینہ میں برہنہ پا رہا کرتے تھے۔ جب کوئی شخص آپؒ سے اس کی وجہ دریافت کرتا تو آپؒ فرماتے: ''پتا نہیں مدینہ کی سرزمین پر کہاں کہاں میرے آقا کے قدم پڑے ہیں، غلام نہیں چاہتا کہ اس کے جوتوں سے وہ ''مقدس نشانات'' آلودہ ہو جائیں''۔

حضرت امام مالکؒ کا یہ جذبہ کیا تھا؟ ہم اسے عشق کے سوا اور کیا نام دے سکتے ہیں؟ حضرت امام مالکؒ ہی کیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ، حضرت بلالؓ، یہ سب عشق کے مدارج طے کر کے ہی مقبول دو جہاں ہوئے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ بھی منزل عشق کے مسافر تھے۔ دراصل عشق کا اپنا ایک مزاج ہے اور اس مزاج کو ناپنے کے لئے اصول وقانون کا کوئی پیمانہ مقرر نہیں کیا جا سکتا۔

☆ ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

حضرت ابوحنیفہؒ اپنے استاد سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ انہوں نے اپنے فرزند کا نام بھی حماد رکھا۔ ذہانت، تدبر اور عقل وفراست میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا کوئی حریف نہیں تھا۔ علی بن عاصمؒ کے الفاظ ہیں ''اگر آدھی دنیا کی عقل ایک پلڑے میں اور دوسرے پلڑے میں امام ابوحنیفہؒ کی عقل رکھی جاتی تو امام ابوحنیفہؒ کا پلہ بھاری رہتا''۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت حمادؒ کے خصوصی تربیت یافتہ اور اعلیٰ جانشین ثابت ہوئے۔ آپؒ پورے اٹھارہ سال تک حضرت حمادؒ کی رفاقت اور علمی صحبت میں رہے۔ امام

صاحب نے اگر چہ حضرت حمادؒ کی زندگی میں ہی اجتہاد کا درجہ حاصل کرلیا تھا۔مگر آپؒ کے شاگردانہ آداب نے یہ گوارہ نہ کیا کہ استادمحترم کے ہوتے ہوئے اپنی مجلس الگ آراستہ کریں۔

خودحضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب تک حضرت حمادؒ زندہ رہے میں نے کبھی ان کے مکان کی طرف پاؤں نہیں پھیلائے۔میں نے کبھی کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی جس میں میں نے اپنے والدین کے ساتھ حضرت حمادؒ اوراپنے باقی تمام اساتذہ کے لئے دعا نہ کی ہو'۔اس میں کوئی شک نہیں کہ فقہ حنفی کا اصل سرچشمہ وہ فقی ذخیرہ ہے،جو حضرت حمادؒ نے حضرت ابراہیم نخعیؒ سے ورثہ میں پایا تھا،مگر حضرت حمادؒ کی شاگردی کے باوجود حضرت امام حنیفہؒ دوسرے اساتذہ سے بھی استفادہ حاصل کرتے رہے۔

تاریخ کے کچھ فتنہ گراور حضرت ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ:

1۔ پہلا فتنہ گر: (رومی راہب) خاندان بنواُمیہ کے مشہور خلیفہ ہشام بن عبدالملک کا دور تھا۔ہشام مضبوط عقیدہ رکھنے والاحکمران تھا۔اسے مذہب میں ایسی کوئی بدعت پسند نہیں تھی،جس سے عام مسلمانوں کے عقائد خلل پذیر ہوں۔اس کے زمانے میں فساد برپا کرنے والی ایک غیر مسلم طاقت نے رومی راہب کواس بات پرآمادہ کیا کہ وہ اپنی عقلیت پرستی کے ذریعے کچھ ایسے حالات ترتیب دے جنہیں سن کر عام مسلمانوں کے دل منتشر ہوجائیں۔

اس منصوبے کے تحت رومی راہب نے ایک طویل عرصے تک گوشہ نشین رہ کر سادہ لوح مسلمانوں کے لئے الفاظ کا ایک جال زریں تیار کیا۔رومی راہب نے بطورآزمائش اپنے نظریات کا خاکہ ان لوگوں کے سامنے پیش کیا جن کا شمار مشرکین میں ہوتا تھا۔یہ تمام لوگ راہب کے خیالات سن کر بہت متاثر ہوئے۔ان سب کی نظر میں یہ ایک مکمل منصوبہ تھا جو اسلامی عقائد کی پرسکون صفوں میں ابتری پھیلاسکتا تھا۔

رومی راہب نے اہل کلام کے انداز میں ایک عجیب وغریب سوال نامہ ترتیب دیا تھا۔ان کا خیال تھا کہ ملت اسلامیہ میں کوئی شخص بھی رومی راہب کے سوالوں کا ایسا جواب نہ دے سکے گا،جسے سن کر عام ذہنی سطح رکھنے والامسلمان آسودہ اور مطمئن ہوجائے۔پھرایسا ہی ہوا،وہ عیارراہب شہرشہر،قریہ قریہ اورکوچہ کوچہ مسلمانوں سے بحث ومباحثہ کرنے لگا،اوراس کو یقین ہوگیا کہ کوئی بھی اس کے سوالات کا جواب نہیں دے سکے گا۔علمائے وقت تو یہ کہہ کراپنا دامن بچالیتے تھے کہ یہ رومی راہب شیطان کا ایک سفیر ہے۔جواہل ایمان کے دلوں میں وسوسے ڈالنے کے لئے پیدا ہوا ہے۔مگر عوام الناس اس نظریے سے مطمئن نہیں ہوسکتے تھے۔انہیں اپنے علماء کے بارے میں ایک عجیب حسن ظن تھا،وہ ہرصورت میں اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ دنیا کا مشکل ترین مسئلہ بھی علمائے اکرام کے ذہنوں کی دسترس میں ہے۔وہ جب چاہیں گے رومی راہب کو برسرِمجلس لاجواب کردیں گے،مگراہل دمشق کی یہ خواہش تکمیل کو نہ پہنچ سکی اور ہرطرف ایک عجیب ساشکست آمیز سکوت طاری ہوگیا۔

پھرایک دن لوگوں نے دیکھا کہ رومی راہب خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے دربار میں شرف بازیابی طلب کررہا ہے۔ہشام نے اپنی حکومت کے چند معتبر لوگوں کو رومی راہب کے پاس بھیجا کہ وہ اس کی آمد کا مقصد دریافت کرسکیں۔

رومی راہب نے انتہائی سادہ دل اور معصوم چہرے کے ساتھ کہا،میرے ذہن میں چند علمی سوالات ہیں،جنہیں میں علمائے اسلام کے سامنے پیش کرکے اپنی ذہنی الجھنوں کا علاج کرنا چاہتا ہوں۔عیسائی اور یہودی اہل کمال تو مجھے مطمئن نہ کرسکے،اگر حلقہ اسلام میں بھی اتنی کشادگی نہیں تو پھر میں واپس چلا جاتا ہوں۔

رومی راہب نے بڑی ہی فریب کاری کے ساتھ خواہش ملاقات کی وجہ بیان کی۔جب رومی راہب کا نقطہ نظر ہشام بن عبدالملک کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے کسی فکروتدبر کے بغیر رومی راہب کو دربار میں آنے کی اجازت دے دی۔

ہشام بن عبدالملک نے علماء کی ایک جماعت کو بلایا اور رومی راہب نے اپنے سوالات ان کے سامنے پیش کئے۔

۱۔خدا سے پہلے کون تھا؟

۲۔خدا کا رخ کس طرف ہے؟

۳۔اب خدا کیا کررہا ہے؟

علماء اکرام نے اسلام کے مطابق رومی راہب کو جوابات دیےلیکن رومی راہب بہت منصوبہ ساز تھا۔اس نے کہا کہ تمام دربار گواہ ہے کہ میں نے خدا کو پہچاننے کا کوئی دعویٰ نہیں کیا ہے۔میرے ذہن میں بےشمار شکوک ہیں،میں چاہتا ہوں کہ مسلمان ان سوالات کے جوابات دیں،اورایسے دیں کہ میں مطمئن ہوجاؤں۔تمام مسلمان علماء نے اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہمارے نزدیک خدا کا تصور جداگانہ ہے۔ہم اس مقدس ہستی کو انسانی حرکات کے دائرے میں لانے کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔

پھر اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تم لوگ خدا کی ذات پر اندھا یقین رکھتے ہو۔ پھر تو تمہارا یہ دعویٰ غلط ہے کہ تم اس زمین پر خدا کو سب سے زیادہ جاننے والی مخلوق ہو، رومی راہب نے بے باکی سے کہا۔

اپنے علماء کی بے بسی اور رومی راہب کی دلیری کو دیکھتے ہوئے ہشام نے رومی راہب سے کہا تم ابھی کچھ دن دمشق میں قیام کرو میں مملکت اسلامیہ کے اہل علم کو طلب کروں گا، وہ تمہارے ذہن کی تمام گرہیں کھول دیں گے۔

اس کے بعد ہشام بن عبدالملک نے دربار برخاست کر دیا اور رومی راہب کے رہنے کے لئے تمام تر سرکاری آسائش مہیا کرنے کا حکم دیا۔ روایت ہے کہ اس کے بعد ہشام نے بہت سے علماء سے رجوع کیا مگر وہ رومی راہب کے ان بے تکے سوالات کے جوابات پر ہشام کو مطمئن نہ کر سکے۔ ہشام کے اردگرد کے لوگوں نے مشورہ دیا کہ جعفر بن درہم اور غیلان بن یونس کی طرح اس فتنہ باز کو بھی ختم کر دیا جائے۔ یہ بھی شیطانی دماغ کا مالک ہے۔ ہشام نے تمام مشورے سنے اور سب کو بُری طرح جھڑک دیا اور کہا کہ ''جعفر بن درہم اور غیلان بن یونس خود کو مسلمان کہتے تھے، مگر ان کی باتیں گمراہ کن تھی۔ اس لئے میں نے ان کو ان کے عقائد کے ساتھ دفن کر دیا۔ رومی راہب مسلمان نہیں ہے پھر اسلام پر طعنہ زنی بھی نہیں کر رہا، میں کس بات پر اس کو ہلاک کر دوں؟ دنیا کیا کہے گی؟ یہود اور عیسائی میرے اس عمل کو آڑ بنا کر اسلام کو کس طرح بدنام کریں گے، اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ میں اس راہب کو مملکت اسلام کی حدود سے نکال بھی نہیں سکتا، یہ تو میرے اہل علم کی کھلی شکست ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی بہتر سبب پیدا کرے گا اور پھر سارا عالم اس راہب کے فلسفے کی دیوار کو زمین بوس ہوتے ہوئے دیکھے گا''۔

لیکن اس سلسلے میں ہشام کا اضطراب بڑھتا گیا۔ پھر کسی نے کہا امیر المومنین! دمشق کے تمام علماء کی ذہنی آزمائش ہو چکی۔ کوفے کے ایک نوجوان تاجر کو طلب کیجئے۔ ''تاجر کو'' ہشام نے حیرت سے پوچھا؛ ''ہاں تجارت اس کا آبائی پیشہ ہے اور علم مقصد حیات'' کہنے والے نے پوری صداقت کے ساتھ نوجوان فقیہہ کا مختصر سا تعارف کروایا اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ اس کا نام ''ابوحنیفہؒ'' ہے اور وہ حمادؒ کا شاگرد ہے۔ امام حمادؒ کا نام سن کر ہشام چونکا۔ حمادؒ تو بہت بڑے بزرگ ہیں مگر ان کا شاگرد، امیر المومنین آپؒ ایک بار اسے طلب کر کے تو دیکھیں اس میں کیا قباحت ہے؟ خلیفہ ہشامؒ کے قاصد امام ابوحنیفہؒ کے گھر پہنچے اور بتایا کہ خلیفہؒ کو کوئی مسئلہ درپیش ہے، اس لئے آپؒ کو بلایا ہے۔ ابوحنیفہؒ نے یہ سنا تو اپنی والدہ کے پاس جا کر اجازت طلب کی اور دعا کے طالب ہوئے۔ پھر اپنے استاد گرامی سے اجازت چاہی، اس کے بعد قاصدوں کے ہمراہ ہشام بن عبدالملک کے ہمراہ دربار میں پہنچ گئے۔

دربار خلافت میں موجود ہر شخص حیران تھا۔ حاضرین کو ہرگز یہ توقع نہیں تھی کہ رومی راہب کے سوالات کے جواب کے لئے ایک ایسے نوجوان کو لایا جائے گا، جس کی عمر چھبیس، ستائیس سال سے زیادہ نہیں۔ نوجوان ہشام بن عبدالملک نے ابوحنیفہؒ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، دمشق کے کچھ لوگ تمہاری ذہانت کے قائل ہیں۔ میں ذاتی طور پر تمہاری شخصیت سے واقف نہیں۔ پھر بھی ایک مسلمان کی حیثیت سے تمہارا فرض ہے کہ تم ہمارے رومی مہمان کے چند سوالات کا جواب عقل کی روشنی میں دو۔ نوجوان آگے بڑھو، ہشام ابوحنیفہؒ سے مخاطب ہوا۔

تاریخ آدم کا یہ ذہین ترین انسان دربار کے رسموں کے مطابق خلیفہ کی نشست کے عین سامنے کھڑا تھا۔ ہشام کے دائیں جانب مملکت کے وزیر اور عین بائیں جانب رومی راہب کبر و غرور کی ایک خاص ادا کے ساتھ موجود تھا۔ حضرت ابوحنیفہؒ نے ایک باوقار انداز سے رومی راہب کی طرف دیکھا اور کہا" آپ سائل ہیں"؟ "ہاں" رومی راہب نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اگر ابوحنیفہؒ سائل ہوتا اور آپ کے در پر کچھ طلب کرنے آتا تو وہ اسی جگہ پر کھڑا ہوتا جہاں اب میں کھڑا ہوں۔ صورتحال یہ ہے کہ آپ مجھ سے کسی چیز کی طلب رکھتے ہیں، اور طلب رکھنے والے کا یہ انداز ہرگز نہیں ہوتا کہ مانگنے والا اپنی نشست پر آرام سے بیٹھا رہے، اور دینے والا اس طرح کھڑا رہے جیسے وہ خود سائل ہو"۔ "نوجوان تم کیا کہنا چاہتے ہو"؟ رومی راہب نے پوچھا! اور پہلی بار حاضرین نے محسوس کیا کہ راہب کی آواز میں ہلکی سی لرزش موجود ہے۔ "اس کے سوا کچھ نہیں کہ آپ اپنی نشست سے اٹھ کر میری جگہ تشریف لائیں"، امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ''میں نے اپنی آنکھوں سے مجلس علم میں اسی روایت کو زندہ تابندہ دیکھا ہے'' رومی راہب اس جرأت گفتار کی تاب نہ لا سکا اور خاموشی کے ساتھ اپنی نشست چھوڑ کر نیچے اتر آیا۔ اس کے بعد حضرت ابوحنیفہؒ باوقار انداز میں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ہشام کی بائیں جانب تشریف فرما ہو گئے، جہاں چند لمحے پہلے رومی راہب بیٹھا ہوا تھا۔ رومی راہب کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی، " خدا سے پہلے کون تھا"؟ آپؒ نے فرمایا" گنتی جانتے ہو؟ اعداد شمار کرو"، رومی راہب خاموش رہا۔ ابوحنیفہؒ نے دوبارہ اس کو اعداد شمار کرنے کے لئے کہا، رومی راہب گنتی گننے لگا۔ ابوحنیفہؒ نے کہا ''ایک سے پہلے کا عدد بتاؤ، ایک سے پہلے کچھ نہیں، ایک سے پہلے ایک ہی ہے''۔ "جب واحد مجازی لفظی سے پہلے کچھ نہیں تو پھر واحد حقیقی سے پہلے کیسے کوئی ہو سکتا ہے؟ ایک سے پہلے ایک ہی

ہے تو خدا سے پہلے بھی خدا ہی تھا"۔ رومی خاموش ہوگیا، اب اس نے دوسرا سوال کیا۔ "میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ خدا کا رُخ کس طرف ہے"؟ "خدا کو کسی ایک سمت میں قید نہیں کیا جا سکتا، جس طرح وہ اپنی قدرت میں لامحدود ہے اسی طرح اس کا رخ بھی کسی ایک جانب نہیں ہوتا۔ وہ ہر جگہ موجود ہوتا ہے اور اس کا نورانی رخ ہر جگہ ہر جانب ہوتا ہے"۔ ابوحنیفہؒ نے جواب دیا "یہ خدا کی ذات کے بارے میں ایک عام بات ہے اور یہ بات میں پہلے بھی سنتا آیا ہوں۔ انسانی آنکھ اور عقل اس دعوے کا عملی ثبوت چاہتی ہے"۔ راہب نے گستاخانہ انداز میں کہا "اب حضرت ابوحنیفہؒ نے ہشام کی طرف دیکھا اور کہا! "امیر المومنین ہمارے محترم مہمان ہر ایک شے کو عالم اسباب میں مادی طور پر دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ اس لیئے میں آپ سے درخواست کروں گا کہ مجھے ایک مومی شمع فراہم کر دی جائے"۔ کچھ دیر کے بعد حضرت ابوحنیفہؒ کو مومی شمع فراہم کر دی گئی۔ آپؒ چند قدم آگے بڑھے اور ایک بلند مقام پر شمع کو روشن کر دیا۔ پھر رومی راہب سے مخاطب ہو کر کہا، "میں اپنے معزز مہمان سے یہ سوال کرنا پسند کروں گا کہ وہ یہ بتائیں کہ شمع کی روشنی کا رُخ کس طرف ہے"؟ رومی راہب گھبرا گیا اور کہا، "شمع کا کوئی رخ متعین نہیں ہوتا شمع کی روشنی ہر طرف ہوتی ہے۔ کون ذی ہوش اس کی روشنی کو ایک دائرے میں قید کر سکتا ہے؟ یہ نور ہے اس کے لئے ساری جہت برابر ہے"۔ "ارض روم کے معزز شخص جب ایک شمع کا رخ متعین نہیں کیا جا سکتا تو پھر انسانی ذہن کا یہ کیا خلل ہے کہ وہ خدا کی صورت گری کے لئے مجرمانہ سرکشی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ ہمیشہ رہنے والا رب، سب کو نور اور نورانیت دینے والا اس کے لئے کوئی خاص جہت کیسے"؟

ہشام نے محبت سے ابوحنیفہؒ کی طرف دیکھا۔ "امیر المومنین میں مجبور ہوں کہ اپنے معزز مہمان کو سمجھانے کے لئے مجھے مادی شے کا سہارا لینا پڑا"۔ رومی راہب کا اضطراب نا قابل بیان تھا۔ دونوں مرحلوں میں اسے سخت ندامت اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس نے اپنی شرمندگی مٹاتے ہوئے بولنا شروع کیا، "نوجوان تمہارا عقیدہ ہے کہ خدا ہمہ وقت بیدار رہتا ہے اور اسے اونگھ تک نہیں آتی اور تم یہ بھی کہتے ہو کہ خدا پر جمود طاری نہیں ہوتا وہ مستقل حرکت میں رہتا ہے"، "بے شک ہمارا یہ عقیدہ ہے"۔ "جب خدا اتنا فعال ہے تو بتاؤ کہ خدا اس وقت کیا کر رہا ہے"؟

ابوحنیفہؒ چند ساعتوں کے لئے خاموش رہے اور پھر آپ نے بڑی وارفتگی کے عالم میں فرمایا! "جب ممبر پر آپ جیسا اللہ کی مثل ثابت کرنے والا آ جائے تو کچھ دیر پہلے میرا خدا اس کام میں مصروف تھا کہ اس نے آپ جیسے معزز و محترم شخص کو درباری نشست سے اٹھا کر فرش پر کھڑا کر دیا۔ اور کوفے کے ایک عام نوجوان کو خلیفہ وقت کے برابر بیٹھنے کا اعزاز بخشا۔ اب میرے خدا کی نئی مصروفیت یہ ہے کہ اس نے روم کے ایک عظیم دانشور کو ایک ایسے طالب علم کے سامنے عاجز کر دیا ہے جس کا علم معمولی ہے۔ ہر گھڑی اس کی ایک نئی شان ہوتی ہے"۔ حضرت ابوحنیفہؒ نہایت انکساری کے ساتھ بول رہے تھے، اور خلیفہ ہشام بن عبدالملک اور اس کے درباری اس نوجوان کے وسعت علم اور حاضر جوابی کا شاندار الفاظ میں اعتراف کر رہے تھے۔ رومی راہب خاموش ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی شکست تسلیم کر لی تھی، اس نے اپنا سر جھکایا اور دربار سے باہر نکل گیا۔

دربار میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کو داد دی جا رہی تھی۔ ہشام نے آپؒ کی تعریف کی اور مدد کی پیش کش بھی کی لیکن حضرت ابوحنیفہؒ نے شکریہ ادا کیا اور کوفہ واپس آ گئے۔ آپؒ نے واپس آنے کے بعد پہلے اپنی والدہ اور پھر اپنے استاد حمادؒ کو تمام واقعہ کہہ سنایا۔ اور پھر کہا کہ استاد محترم یہ مجلس حمادؒ کا فیضان ہے کہ ایک مشرک کی محفل عیار کو فرار کا کوئی رستہ نہ مل سکا۔ حضرت حمادؒ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور پھر دنیائے اسلام کے عظیم فقیہہ نے بے اختیار ہو کر فرمایا! "نہیں ابوحنیفہؒ کوئی نہیں ابراہیم نخعیؒ کے علم کا وارث تیرے سوا کون ہو سکتا ہے؟ جو اِن سوالوں کا جواب دے سکتا ہے۔ اللہ تیرے علم کو اتنی کشادگی بخشے کہ اہل دنیا قطار در قطار تیری طرف آتے رہیں۔ یہاں تک کہ ان کے ذہن خالی ہو جائیں اور روئے زمین پر کوئی مسئلہ باقی نہ رہے"۔

شاگرد کا انکسار بھی عجیب تھا اور استاد کی دعا بھی عجیب تھی۔ چشم فلک سر زمین کوفہ پر دو عجیب انسانوں کو محو کلام دیکھ رہی تھی، اور وقت اشارہ کر رہا تھا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ ہی مستقبل میں عقل و دانش کی بنیاد قرار پائیں گے اور مکتب حمادؒ ہی زیادہ وسیع النظر ٹھہرے گا۔

2۔ دوسرا فتنہ گر (جہم بن صفوان):- ایک مرتبہ "جہمیہ" فرقے کا بانی جہم بن صفوان حضرت ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ بڑا شاطر اور عیار تھا۔ حضرت ابوحنیفہؒ اس سے مناظرہ نہیں کرنا چاہتے تھے، لیکن اس نے کسی نہ کسی طرح آپ کو اس کے سوالوں کا جواب دینے پر آمادہ کر ہی لیا۔ تنگ آ کر حضرت ابوحنیفہؒ نے اس سے کہا "پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو"؟

جہم بن صفوان نے کہا "کہ ایک شخص دل سے اللہ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات میں واحد تسلیم کرتا ہے، نیز وہ صفات الٰہی سے بھی آشنا

ہے، مگر ان تمام باتوں کا اپنی زبان سے اقرار کئے بغیر مرجاتا ہے۔ تم بتاؤ کہ وہ شخص کفر پر مرا یا اس کی موت اسلام پر ہوئی؟ وہ جنت میں جائے گا یا دوزخ میں''؟ "میرے خیال میں مرنے والا کافر ہے، اور ایک کافر دوزخ کے سوا کوئی دوسری پناہ گاہ حاصل نہیں کرسکتا''، حضرت ابوحنیفہؒ نے وضاحت کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''جب تک کوئی شخص قلبی معرفت کے ساتھ زبانی طور پر گواہی نہ دے تو اس وقت تک وہ مسلمان نہیں ہوسکتا''۔ "آخیر وہ مومن کیوں نہیں؟ جب کہ اسے اللہ کی معرفت حاصل ہے؟ اور وہ اللہ کی تمام صفات کو دل سے مانتا ہے"، جہم بن صفوان نے جرح کرتے ہوئے کہا": کیا تم قرآن پاک پر ایمان رکھتے ہو"؟ حضرت ابوحنیفہؒ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، "کیونکہ اگر کتاب مقدس پر تمہارا ایمان نہیں تو پھر تم سے اسی لہجے میں گفتگو کروں گا جو مخالفین اسلام کے لئے روا رکھا جاتا ہے"۔ "میں اللہ کی کتاب پر نہ صرف ایمان رکھتا بلکہ اسے حجت بھی تسلیم کرتا ہوں"۔ جہم بن صفوان نے کہا" تو پھر غور سے سنو! حضرت ابوحنیفہؒ کی پُرجلال آواز گونجی:

"اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے! ''ایمان کا تعلق انسان کے دو اعضاء سے ہے ایک دل اور دوسرا زبان'' یہ کہہ کے حضرت ابوحنیفہؒ نے سورہ مائدہ کی یہ آیات تلاوت فرمائیں۔ (سورہ المائدہ-5 آیت نمبر 83،84،85)

ترجمہ:"(جب وہ لوگ آیت قرآنی سنتے ہیں تو معرفت حق کے سبب انکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں، اور علی الاعلان کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم ایمان لا چکے۔ ہمیں حق کی شہادت دینے والوں میں لکھ لے اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم اللہ اور اس کے نازل کردہ حق اور صداقت کو نہ مانیں۔ ہم امیدوار ہیں کہ ہمارا اللہ ہمیں نیک لوگوں کی جماعت میں داخل کردے گا۔ ان کے اس قول کی وجہ سے اللہ نے انہیں بدلے میں جنت عطا فرمائی، جس کے اندر نہریں جاری ہیں اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور نیکی کرنے والوں کی یہی جزا ہے''۔

یہ آیات تلاوت کرنے کے بعد حضرت امام ابوحنیفہؒ نے جہم بن صفوان کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا! ''تم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے معرفت قلب اور زبانی اقرار کے سبب انہیں جنت کی بشارت دی اور انہیں مومن کا درجہ عطا فرمایا''۔

اس کے بعد حضرت امام ابوحنیفہؒ نے سورہ ابراہیم کی آیت نمبر 27 باآواز بلند پڑھی،

ترجمہ:"اللہ تعالیٰ مومنین کو دنیا اور آخرت میں قول محکم کی وجہ سے ثابت قدم رکھتا ہے"۔

پھر ابوحنیفہؒ نے سورہ نمل کی یہ آیت نمبر 27 تلاوت فرمائی،

ترجمہ:"یقین کرنے کے باوجود انہوں نے انکار کیا"۔

حضرت ابوحنیفہؒ نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے جہم بن صفوان سے کہا "اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جن لوگوں کا ذکر کیا ہے وہ دل سے اس کی خدائی کا اعتراف کرتے تھے۔ مگر ان کی زبانیں صرف اقرار سے محروم تھیں، اس لئے معرفت قلب کے بعد بھی کافر ٹھہرے"۔ اس کے بعد حضرت ابوحنیفہؒ نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی یہ حدیث بطور سند پیش کی، "**لَا اِلٰہَ اِلا اللّٰہ** کہہ دو فلاح پاؤ گے''

پھر حضرت ابوحنیفہؒ نے آپ خاتم النبیین ﷺ کی دوسری حدیث پیش کی، "جو شخص زبان سے **لَا اِلٰہَ اِلا اللّٰہ** کہہ دے اور وہ دل سے بھی اس پر ایمان رکھتا ہو تو وہ دوزخ سے نکل جائے گا"۔

ان تمام حوالوں کے بعد ابوحنیفہؒ نے جہم بن صفوان سے فرمایا! ''اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کے ہاں اقرار قلب کے ساتھ قول و زبان کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ بے شک جب تک یہ دونوں چیزیں شہادت کے ایک نقطے پر جمع نہیں ہوتیں، اس وقت کسی شخص کا ایمان مکمل نہیں ہوسکتا۔ اگر صرف دل کا اقرار کافی ہوتا تو لوگ اپنی زبانیں خاموش رکھ کر ایمان کے حصار میں داخل ہوجاتے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے، اگر بالفرض تمہارے نزدیک محض دل کی معرفت ایمان کی تکمیل کے لئے کافی ہے تو پھر ابلیس کے انکار کو کس صف میں شامل کرو گے"؟ "شیطان کو مکمل طور پر اس حقیقت کا علم تھا کہ اللہ اپنی ذات میں واحد ہے، کائنات کا خالق ہے، رب ہے قادر ہے اور تمام جانداروں پر موت و حیات کا نظام مسلط کرنے والا ہے۔ پھر ابلیس رجیم کو کافروں کی قوم میں کیوں شامل کیا گیا"؟

جہم بن صفوان حضرت ابوحنیفہؒ کی قرآن اور حدیث سے اخذ کردہ دلائل سنتا رہا اور نادم و پشیمان سر جھکا کر بیٹھا رہا، آخیر میں اس نے کہا! ''ابوحنیفہؒ تم نے میرے دل کی دنیا ہی بدل ڈالی میں پھر لوٹ کر آؤں گا''۔ اتنا کہہ کر وہ اٹھا اور اپنے اعصاب پر شکست کا بارگراں لے کر چلا گیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس کے بعد کئی سال تک وہ حیران و پریشان ہوتا رہا۔ وہ اکثر لوگوں سے کہا کرتا تھا، "ابوحنیفہؒ نے چند لمحوں میں میرے عقائد کے محل کو مسمار کردیا جسے میں نے زندگی بھر کی کاوشوں کے بعد تعمیر کیا تھا"

یہ سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوحنیفہؒ کے ذریعے جھم بن صفوان کے ذہن کی تمام گرہیں کھول دی تھیں ،لیکن ہدایت اس کے مقدر میں نہ تھی ۔ یہاں تک کہ مسلم بن احوز مانی کی شمشیر بے نیام ہوئی اور جہمیہ فرقے کا یہ بانی اپنے خون میں نہا گیا۔

اگر چہ جھم بن صفوان کی جسمانی موت کئی سال بعد ہوئی لیکن عقلی طور پر حضرت امام ابوحنیفہؒ اسے بہت پہلے ہلاک کر چکے تھے۔

3۔تیسرا فتنہ گر:۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے وہ اسلام کے معترضین کو ان ہی کے جال میں جکڑ دیتے ہیں۔
ایک شخص نے ایک بوتل میں گیلی مٹی اور کچھ اجزاء جمع کئے ۔ جب وہ گل سڑ گئے اور ان میں کیڑے پیدا ہو گئے تو اس نے دعویٰ کیا کہ میں ان کا خالق ہوں ۔حضرت امام ابو حنیفہؒ نے جب یہ بات سنی تو آپ نے اسے کہا "اگر تو ان کا خالق ہے تو ان کی تعداد بتادے"؟ اس پر وہ لا جواب ہو گیا اور اپنے دعوے سے باز آ گیا۔

4۔چوتھا فتنہ گر:۔ ایک امیر آدمی حضرت عثمانؓ کے ساتھ قلبی عناد رکھتا تھا اور نعوذ باللہ آپ کو یہودی کہتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپؒ نے اس سے فرمایا "میں ایک یہودی کے ساتھ تمہاری بیٹی کی شادی کروانا چاہتا ہوں"۔اس نے غصے سے آپ کی طرف دیکھا اور کہا "آپ مسلمانوں کے امیر ہو کر ایسی باتیں کرتے ہیں، بھلا ایک مسلمان اپنی بیٹی کا رشتہ ایک یہودی سے کر سکتا ہے؟ یہ تو حرام ہے" آپؒ نے فرمایا" تیرے حرام کہنے سے کیا فرق پڑتا ہے ۔جبکہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اپنی دو صاحبزادیاں ایک یہودی کو دے دیں تھیں"۔اس پر وہ یہودی آپ کے اشارے کو سمجھ گیا تھا توبہ کی اور آئندہ کے لئے ایسے خیالات کو دل میں نہ لانے کا وعدہ کیا۔

آپؒ کے علم کے بارے میں سوال:۔

ایک مرتبہ حضرت ابوحنیفہؒ سے ابوجعفر منصور نے سوال کیا تھا" آپ نے علم کس سے حاصل کیا"؟ امام صاحب نے جواب دیا،" حضرت عمر کا علم اصحاب عمرؓ سے ،حضرت علیؓ کا علم اصحاب علیؓ سے،حضرت ابن مسعودؓ کا علم اصحاب ابن مسعودؓ سے،حضرت ابن عباس کا علم اصحاب ابن عباسؓ سے اور ابن عباسؓ کے مقابلے میں کوئی ان سے بڑھ کر عالم نہ تھا"۔ یہ سن کر ابوجعفر منصور نے فرمایا ''آپ نے بہت ہی معتبر اور مستند علم حاصل کیا ہے''۔

فتویٰ اور تقویٰ:۔

ایک مرتبہ حضرت امام ابوحنیفہؒ بازار سے گزر رہے تھے۔گرد و غبار کے کچھ ذرات آپؒ کے کپڑوں پر پڑ گئے آپؒ نے دریا پر جا کر کپڑوں کو اچھی طرح دھو کر پاک کیا۔لوگوں نے آپؒ سے پوچھا ''حضرت آپؒ کے نزدیک اتنی نجاست تو جائز ہے'' آپؒ نے فرمایا ''وہ فتویٰ ہے یہ تقویٰ ہے''۔

خشیت الٰہی:۔

آپ کے خوف خدا کی یہ کیفیت تھی کہ معمولی باتوں پر بھی آپ کا جسم کانپنے لگتا تھا۔ایک مرتبہ بازار سے گزرتے ہوئے اچانک آپ کا پاؤں ایک لڑکے کے پاؤں پر پڑ گیا وہ چیخا، " تو خدا سے نہیں ڈرتا'' آپ پر غشی طاری ہو گئی۔مشہور بزرگ مشہر بن کدامؒ آپ کے ہمراہ تھے،انہوں نے آگے بڑھ کر سنبھالا۔ ہوش میں آئے تو حضرت مسعرؒ نے کہا "ایک لڑکے کی بات پر اس قدر بے قرار ہونا کیا معنی رکھتا ہے"؟ حضرت ابوحنیفہؒ نے فرمایا!" کیا عجب ہے کہ اس لڑکے کا کہنا غیبی آواز ہو"۔

حضرت ابوحنیفہؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپؒ نے پچپن یا چھپن حج کئے۔پہلی بار آپ سولہ سال کی عمر میں اپنے والد گرامی کے ساتھ حج پر گئے تھے۔شروع میں حج کی ادائیگی کے بعد آپ کوفہ واپس آجاتے تھے۔ بعد میں آپ کا طریقہ کار یہ ہو گیا تھا کہ حج سے واپسی پر آپ محدثین کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے۔

جہاں تک فقہ کا تعلق ہے، حضرت ابوحنیفہؒ،حضرت حمادؒ کے شاگرد اور جانشین تھے لیکن جب شوق طلب کی بات کرتے ہیں تو شاید تاریخ انسانی میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی ،کہ جب ایک شخص نے تلاش علم میں چار ہزار سے زیادہ معتبر درس گاہوں میں حاضری دی ۔حضرت ابوحنیفہؒ کے زمانے میں وہ کون سا فقیہہ تھا جس کے دروازے پر آپ کے قدم نہ پہنچے ہوں؟ وہ کون سا محدث تھا جس کے در پر حضرت ابوحنیفہؒ نے بصد احترام دستک نہ دی ہو؟ اور وہ کونسا ہوشمند تھا جس سے ابوحنیفہؒ نے عقل کی بات نہ سیکھی ہو؟۔

بقول حضرت عطا ابن ابی رباحؒ کے ''علم کسی عمر،کسی خاندان اور کسی موسم کا پابند نہیں ہوتا۔اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہزار سالہ زندگی بھی بخش دی جائے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ اسے آگہی بھی نصیب ہو جائے گی۔بے شمار انسان اپنی طویل عمروں کے ساتھ زیر قبر چلے جاتے ہیں اور انہیں ایک حرف کا بھی شعور حاصل نہیں ہوتا،اور جن پر قدرت کا کرم خاص سایہ فگن ہوتا ہے وہ چند ساعتوں میں علم کے خزانے بھی سمیٹ لیتے ہیں۔اور پھر اس دولت کو بندگان خدا

میں تقسیم کر کے دنیا سے گزر بھی جاتے ہیں۔ یہ آسمان والے کا فیصلہ ہے، جس پر کسی کو بھی اختیار نہیں۔ یہ اللہ کی ایک نوازش بے کنار ہے جو ہر شخص کا مقدر نہیں بن سکتی''۔ حضرت ابوحنیفہؒ کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔ آپؒ کا سفر علم لمحوں اور ساعتوں میں طے ہوتا رہا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ جہاں بھی کوئی چشم علم نظر آتا تھا اہل دنیا خاندان زوطی کے اس وارث کو وہاں موجود پاتے تھے۔ آپ کے مسلسل شوق طلب نے آپ کو جابر جعفی جیسے بدعقیدہ انسان سے بھی عقلیت کا درس لینے کے لئے اس کے پاس بھیج دیا۔ جابر جعفی بدعات کا شکار تھا مگر جب عقل کی بنیاد پر کسی سے بحث کرتا تو اسے منطق اور استدلال کے ذریعے عاجز کر دیتا تھا۔ ابویحییٰ رحمانیؒ کی روایت ہے کہ ایک بار کسی نے حضرت ابوحنیفہؒ سے جابر جعفی کے بارے میں پوچھا تو آپ نے نہایت ہی بے باکی سے کہا، ''میں نے اپنی زندگی میں عطا بن ابی رباحؒ سے زیادہ افضل کسی انسان کو نہیں پایا اور میری آنکھوں سے جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا کوئی دوسرا نہیں گزرا''۔

حضرت ابوحنیفہؒ جب بھی جابر جعفی سے ملاقات کرتے تو گھنٹوں گفتگو کرتے مگر اس ملاقات کا ایک خاص پہلو یہ ہوتا تھا کہ کسی تیسرے شخص کو اس گفتگو میں شریک نہ کرتے تھے۔ آپؒ کا یہ طرز عمل دیکھ کر ایک شاگرد نے برسر مجلس یہ اعتراز کیا" آپؒ خود تو جابر جعفی سے ملاقاتوں کو روا رکھتے ہیں اور ہمیں اس راہ پر جانے سے روکتے ہیں ،آخر اس کی وجہ کیا ہے"؟ جواب میں حضرت ابوحنیفہؒ نے فرمایا! ''میں جس کام کو تمہارے حق میں بہتر سمجھتا ہوں اس کو اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں، اور جو چیز تمہارے لئے ضرر رساں ہوتی ہے اس سے تمہیں باز رکھتا ہوں۔ تم جابر جعفی کو نہیں جانتے وہ کون ہے؟ خبردار اس کے قریب بھی نہ جانا، اگر تم نے میری ہدایت پر عمل نہیں کیا تو ضرور کسی فتنہ میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ اپنی ساحرانہ عقل کے ذریعے تمہیں گمراہ نہ کر دے، وہ بڑا ہی فریب کار ہے"۔

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوحنیفہؒ کو عقل و ہوش کی کیسی دولت عظیم سے سرفراز کیا تھا۔ آپ کی یہ خاص عادت تھی کہ آپ ہر اہل کمال سے ملتے اس کی باتیں سنتے، علم کے مظاہرے دیکھتے، اور جو چیز اسلام کے دائرے میں رہتے ہوئے مفید ہوتی اسے حاصل کر لیتے۔ خیر و شر میں تمیز اور سود و زیاں میں فرق کرنے کی یہ صلاحیت کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔ تحقیق و جستجو کی ہی وہ چنگاری تھی کہ جس نے آپ کو ہر اس دروازے پر کاسہ سوال لے کر پہنچا دیا، جہاں سے امید ہوتی کہ دینے والا خالی ہاتھ نہ لوٹائے گا۔ یہی وہ جذبہ بے اختیار تھا کہ جس نے حضرت ابوحنیفہؒ کو چار ہزار علمائے اکرام کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا منفرد اعزاز بخشا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ آپؒ کے مشہور تلامذہ (شاگرد) میں قاضی ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ، امام حسن بن زیادؒ، وغیرہ شامل ہیں۔

قاضی ابو یوسفؒ فرماتے ہیں، ''ہمارے استاد امام ابوحنیفہؒ روزانہ ایک قرآن پاک مکمل فرماتے تھے۔ میں نے چالیس سال تک انہیں عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے''۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں، ''مجھے بیس سال سے زائد مدت تک امام ابوحنیفہؒ کی خدمت اور فیض صحبت کی سعادت حاصل رہی ہے۔ میں نے امام صاحب سے زیادہ لوگوں کا خیر خواہ، ان کا ہمدرد اور عامتہ الناس پر شفقت کرنے والا نہیں دیکھا۔ دن کا اکثر حصہ تعلیم و تدریس اور اشاعت علم میں گزرتا، دینی مسائل کا جواب دیتے۔ نئے پیش آمد مسائل میں لوگوں کی راہنمائی فرماتے۔ جب مجلس برخاست ہوتی تو لوگوں کی عیادت کرتے، فقراء سے ہمدردی اور لوگوں کی حاجت برداری میں مشغول ہو جاتے۔ حتیٰ کہ اسی حالت میں رات ہو جاتی تو آپ عبادت کے لئے فارغ ہو جاتے''۔

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں، ''امام ابوحنیفہؒ نے حضرت انسؓ کو کئی مرتبہ خواب میں دیکھا اور ان سے احادیث سنیں۔ اس طرح گویا امام ابوحنیفہؒ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے ایک واسطے سے شاگرد ہیں اور تابعی بھی''۔

شیخ بوعلیؒ بن عثمان کا بیان ہے کہ ایک بار میں حضرت بلالؓ کی قبر کے نزدیک سویا ہوا تھا، حضور پاک خاتم النبیین ﷺ باب شیبہؓ سے ایک معمر شخص کو آغوش میں لئے ہوئے تشریف لائے اور مجھے حیرت زدہ دیکھ کر فرمایا، ''یہ مسلمانوں کا امام اور تمہارے ملک کا باشندہ ابوحنیفہؒ ہے''۔ (کشف المحجوب)

حضرت یحییٰ معاذ رازیؒ نے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ سے خواب میں عرض کیا! یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میں آپ خاتم النبیین ﷺ کو کس جگہ تلاش کروں؟ رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''ابوحنیفہؒ کے علم کے قریب''۔ تمام فقہی مکاتب کے آئمہ مثلاً امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔

مصر، شام، فلسطین، ترکی، انڈونیشیا، حجاز مقدس، افغانستان، بنگلہ دیش، پاکستان اور ہندوستان، افریقہ کے مسلم اور غیر مسلم ممالک میں غرض کہ مسلم آبادیوں میں جہاں بھی جائیں ہر جگہ ہر مقام پر ہم امام شافعیؒ کے اس ارشاد گرامی کو پائیں گے، ''فقہ میں لوگ امام ابوحنیفہؒ کے محتاج ہیں''۔

امام شافعیؒ امام ابوحنیفہؒ کا احترام اس حد تک کرتے تھے کہا ایک مرتبہ جب وہ امام ابوحنیفہؒ کی قبر اطہر پر حاضر ہوئے تو نماز میں رفع یدین نہیں کیا۔آپؒ کے شاگردوں نے عرض کیا،''حضور آپ رفع یدین بھول گئے'' آپؒ نے جواب دیا''بھولا نہیں قبر والے نے دین کی اتنی خدمت کی ہے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ ان کے پاس آ کر میں اپنی فقہ پر عمل کروں''۔

وصال مبارک:۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا وصال مبارک 150ھ میں ہوا۔حضرت امام ابوحنیفہؒ کی موت کا سبب یہ ہوا کہ خلیفہ منصور نے آپ کو عہدہ قضاء کی پیش کش کی ،اور یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ تمام قاضی آپؒ کے ماتحت ہوں گے۔آپؒ کے انکار پر خلیفہ نے قسم کھائی کہ اگر آپؒ نے یہ عہدہ قبول نہ کیا تو آپؒ کو زندان کے حوالے کر دیا جائے گا۔اس پر آپؒ نے بھی قسم کھائی کہ اس عہدہ کو کبھی بھی قبول نہ کروں گا۔ اس پر خلیفہ منصور نے علم اور عمل کے اس سورج کو اندھیرے کی زنجیریں پہنا کر زندان کے حوالے کر دیا۔قید خانے میں بھی آپؒ کا درس جاری رہا۔جب حضرت امام ابوحنیفہؒ کسی طرح بھی اس عہدے کے لئے راضی نہ ہوئے تو خلیفہ نے انجام کار اپنا نامہ اعمال سیاہ کر ڈالا۔یہ راز خلیفہ منصور اور اس کے خادم کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ امام صاحب کو زہر دیا جا چکا ہے۔جس رات آپؒ کو زہر دیا گیا اسی رات حضرت مقاتل بن سلیمانؒ نے ایک خواب دیکھا،حضرت مقاتلؒ اپنا خواب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''میں نے دیکھا کہ میں ایک مقام پر تنہا کھڑا ہوں۔میری نظروں کے سامنے بغداد کی بلند ترین عمارت ہے۔ناگہاں آسمان پر ایک تیز روشنی ہوئی،پھر وہ روشنی آہستہ آہستہ سمٹنی شروع ہوئی یہاں تک کہ وہ ایک نورانی پیکر میں تبدیل ہوگئی۔میں نے اس سفید پوش ہستی کو ایک اچٹتی ہوئی نگاہ سے دیکھا،وہ ایک نورانی پیکر تھا۔وہ چند لمحوں کے لئے مینارے پر ساکت کھڑا رہا،پھر اس نے بغداد کی طرف نظر ڈالی،ناگہاں سفید پوش کے جسم کو حرکت ہوئی،اس نے اپنا دایاں بازو فضاء میں بلند کیا''اہل زمین ہلاک ہو گئے''۔

آواز کیا تھی صور فیل کا گمان ہوتا تھا۔میری روح لرزنے لگی۔مجھے یوں لگا کہ جیسے میرے جسم کے ساتھ ساتھ بغداد کے در و دیوار بھی کانپ رہے ہیں۔سفید پوش کے ہونٹوں کو دوبارہ جنبش ہوئی،''ہلاک ہو گئے اہل زمین۔ہلاک ہو گئے اہل زمین''۔لفظوں کی گونج بہت دیر تک رہی،مگر سفید پوش کا نورانی جسم تیزی سے بلند ہوا اور فلک کی لامحدود وسعتوں میں گم ہو گیا۔نیند سے بیدار ہو کر حضرت مقاتلؒ رات بھر نہ سو سکے۔اُدھر جیسے ہی زہر کا اثر محسوس ہوا امام ابوحنیفہؒ سجدے میں چلے گئے،اپنے رب کی تسبیح کی اور کہا''اے اللہ! تیرا بندہ نعمان حاضر ہے''۔

صبح فجر کی نماز پڑھانے کے بعد حضرت مقاتلؒ نے اپنا خواب لوگوں کو سنایا ہی تھا کہ باہر سے زبردست قسم کے شور کی آواز آئی اور کسی نے زور سے پکار کر کہا ''رات امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ انتقال فرما گئے''۔

لوگوں میں کہرام مچ گیا۔قاضی بغداد نے آپؒ کو غسل دیا۔حضرت حسن بن عمارہؒ نے آپؒ کی نماز جنازہ پڑھائی۔پہلی مرتبہ 50 ہزار آدمی نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔چھ مرتبہ آپ کی نماز جنازہ پڑھائی گئی۔آخیری مرتبہ آپؒ کے بیٹے حضرت حمادؒ نے آپؒ کی نماز جنازہ پڑھائی۔عصر کے بعد آپؒ کو سپرد خاک کیا گیا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے وصیت فرمائی تھی کہ آپؒ کو خیزران نامی قبرستان میں دفن کیا جائے۔آپؒ کے خیال کے مطابق وہ جگہ مغضوب نہیں تھی،چنانچہ آپؒ کی وصیت کے مطابق خیزران کے مشرقی جانب آپؒ کی قبر مبارک تیار کی گئی۔مورخ خطیب نے لکھا ہے کہ دفن کے بعد بھی 20 دن تک لوگ آپؒ کی نماز جنازہ پڑھتے رہے۔آپؒ کی تدفین کے بعد تین دن تک یہ آواز سنی گئی۔ ''فقہ جاتی رہی،اب تمہارے لئے فقہ نہیں رہی،خدا سے ڈرو،نعمان فوت ہو گیا،اب کون ہے جو راتوں کو عبادت کرے گا،اس وقت جب کہ اندھیرا چھا جائے گا؟''

قاضی شہر حسن بن عمارہؒ آپؒ کو غسل دیتے وقت کہتے تھے''اللہ کی قسم! تم سب سے بڑے فقیہی تھے،بڑے عابد و زاہد تھے،تم میں ساری خوبیاں جمع تھیں،تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کر دیا کہ وہ کبھی بھی تمہارے مرتبے کو نہ پہنچ پائیں گے''

آپؒ کی وفات کے بعد مکہ میں ابن جریجؒ نے فرمایا تھا''آج کوفہ میں اندھیرا ہو گیا ہے''اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مبارکؒ آپؒ کی قبر پر حاضر ہوئے اور رو کر کہا'' ابوحنیفہؒ تم پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں،ابراہیم بن نخعیؒ اس دنیا سے رخصت ہوئے اپنا جانشین چھوڑ گئے تھے،افسوس تم نے ساری دنیا میں اپنا کوئی جانشین نہیں چھوڑا''-------- خاک میں کیا صورتیں تھیں جو پنہاں ہو گئیں

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مقام:۔

1- نوفل بن حیانؒ بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب کے بعد میں نے خواب میں دیکھا ہے،کہ قیامت قائم ہے اور لوگ حساب کتاب میں مشغول ہیں۔

حوض کوثر پر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کھڑے ہیں اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے اطراف میں بہت سے بزرگ کھڑے ہوئے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ لوگوں سے کہہ رہے ہیں "میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی اجازت کے بغیر کسی کو پانی نہیں دے سکتا"۔ پھر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اس کو پانی دے دو" چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے مجھے ایک گلاس پانی دے دیا۔ سیراب ہو کر پانی پینے کے باوجود بھی پانی میں ذرا برابر بھی کمی نہیں آئی۔ پھر میں نے امام صاحبؒ سے ان تمام بزرگوں کے نام دریافت کئے، آپؒ نے فرمایا، "دائیں جانب حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور بائیں جانب حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں" اس طرح آپؒ نے سترہ افراد کے نام بتائے جن کو میں انگلیوں کی پوروں پر شمار کرتا رہا۔ اور بیداری کے بعد میری انگلیوں کے سترہ پورے بندھے ہوئے تھے"۔

2۔ مشہور شاعر ابوجعفر مسعود نے آپؒ کی قبر پر ایک شعر پڑھا۔

ترجمہ: ''تم دیکھتے نہیں علم کس طرح ابتر ہو رہا تھا، پھر اس قبر والے نے اسے ترتیب دیا''

3۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے "اس وقت تمام بغداد میں مشہد (قبر مبارک) ابوحنیفہؒ کے علاوہ کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں پر مسافروں کو کھانا ملتا ہے"۔

4۔ ایران کا شہنشاہ سلطان ناصرالدین قاجار اپنے سفر کے حالات لکھتے ہوئے ایک مقام پر تحریر کرتا ہے۔ ''میں نے امام اعظمؒ کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور نذر چڑھائی۔

علم کی شان دیکھو، جس کی بدولت کوفہ کے ایک تاجر نے یہ رُتبہ حاصل کیا کہ بارہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی ان کے مزار پر بڑے بڑے شہنشاہوں کے سر جھکتے ہیں"۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ

ولایت بادشاہی علم اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں؟ فقط اِک نقطہ ایماں کی تفسیریں

****

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام مالکؒ بن انس اصبحی 95ھ بمطابق 712ء مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت امام مالک کے مورث اعلیٰ کا تعلق یمن کے قبیلے ذواصبح سے تھا۔ آپؒ والد اور والدہ کی طرف سے عربی النسل تھے۔ آپؒ کے پردادا حضرت ابوعامرؓ یمن سے مدینہ تشریف لائے۔ مشہور ہے کہ ابوعامرؓ ایک جلیل القدر صحابی تھے اور غزوہ بدر کے علاوہ رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے تھے۔ آپؒ کے والد محترم حضرت انسؒ مشہور خادم رسول خاتم النبیین ﷺ ہیں اور اسی نسبت سے حضرت امام مالکؒ کو یہ شرف حاصل ہے کہ چاروں فقہائے کرام میں صرف آپؒ کا سلسلہ نسب ایک صحابی تک پہنچا ہے۔

امام مالکؒ حسب ونسب دونوں کے اعتبار سے ایک معزز عرب تھے۔ آپؒ کے پردادا ابوعامرؓ بہت بڑے عالم تھے۔ اس لیے گھر میں تعلیم وتربیت کا چرچا عام تھا۔ حضرت امامؒ کی والدہ خود بھی آپؒ کو تعلیم کی ترغیب دلاتی تھیں۔ اس وقت مشہور محدث حضرت ربیعہ بن عبدالرحمنؒ علم وفضل میں یکتائے روزگار تھے۔ حضرت ربیعہؒ کے درس میں امام حسن بصریؒ، امام شعبیؒ اور امام اوزاعیؒ اور یحییٰ انصاریؒ جیسے بزرگ شامل ہوتے تھے۔، امام صاحب کی والدہ محترمہ حضرت ربیعہؒ کی شخصیت سے بہت متاثر تھیں۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا حضرت ربیعہؒ کے زیر سایہ تربیت حاصل کرے۔ اس لیے جب امام صاحبؒ قرآن پاک حفظ کر چکے تو آپؒ کی والدہ آپؒ کو حضرت ربیعہؒ کے پاس علم حاصل کرنے کے لیے لائیں۔ امام صاحبؒ نے ایک نظر میں پہچان لیا کہ ان کی درس گاہ میں آنے والا یہ بچہ کون ہے؟ امام صاحبؒ جو بھی پڑھتے فوراً حفظ کر لیتے۔ آپؒ کی شدت طلب کا یہ حال تھا کہ آپؒ مختصر سی مدت میں ساری دنیا کا علم سیکھ لینا چاہتے تھے۔ انہی دنوں ایک عجیب واقعہ ہوا جس نے امام صاحبؒ کی دنیا ہی بدل ڈالی۔ امام صاحبؒ اپنے والد اور بھائی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت انسؒ نے اپنے دونوں بیٹوں سے ایک سوال پوچھا۔ امام مالکؒ نے بہت سوچ سمجھ کر جواب دیا لیکن وہ غلط تھا ان کے بھائی نے جو جواب دیا وہ ٹھیک تھا۔ حضرت انسؒ نے امام مالکؒ سے کہا "تم مختلف لوگوں کے پاس مارے مارے پھرتے ہو اس لیے عاجز رہے۔ اگر کسی ایک کے ہو جاتے تو صحیح جواب دیتے"۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ سن کر غصہ آ گیا میں گھر سے نکلا اور سیدھا ابن ہرمزؒ کے پاس چلا گیا۔

ابن ہرمزؒ اس وقت کے بہت بڑے امام تھے۔ انہیں امام مالکؒ سے ایک خاص انسیت تھی۔ آپؒ ان پر بہت شفقت فرماتے اور بہت شفقت کے ساتھ امام صاحب کو علم حدیث کے رموز ونکات سمجھاتے۔ ایک بار امام صاحب نے آپؒ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ابن ہرمزؒ نے اپنی باندی سے کہا ''دیکھو مالک ہوگا''۔ باندی نے آ کر کہا ''جی ہاں وہی سرخ رنگ والا لڑکا ہے''۔ ابن ہرمزؒ نے باندی کی طرف دیکھ کر فرمایا ''وہ لوگوں میں بڑا عالم ہے''۔ یہ بات ابن ہرمزؒ نے اس وقت فرمائی جب آپؒ جوان نہیں ہوئے تھے۔ پھر جب تک ابن ہرمزؒ زندہ رہے امام صاحب کہیں اور نہیں گئے۔ ابن ہرمزؒ کی موت کے بعد حضرت نافعؒ امام مالک کے مرکز نظر رہے۔

حضرت نافعؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے غلام تھے۔ حضرت نافعؒ کو یہ شرف حاصل رہا کہ انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے علم حدیث سیکھا۔ حضرت نافعؒ تابعین میں سب سے زیادہ حضرت فاروق اعظمؓ کے فتوؤں کے متعلق جاننے والے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے انہیں فقہ سکھائی تھی۔ حضرت نافعؒ نے طویل عمر پائی تھی۔ حضرت امام مالکؒ کے زمانہ طالب علمی میں یہ بہت معمر تھے۔ یہ آخری زمانے میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے۔ حضرت امام مالکؒ حضرت نافعؒ کے پیچھے پیچھے ایسے چلتے تھے جیسے غلام جا رہا ہو۔ حضرت نافعؒ کے بعد امام مالک نے حضرت شہابؒ کی شاگردی اختیار کی حضرت ابن شہابؒ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے نانا کے سلسلے سے قریشی ہیں۔ آپؒ حدیث کے زبردست عالم تھے۔ مشہور فقیہی ابولیث بن سعدؒ کہتے ہیں کہ میں نے ساری دنیا میں ابن شہابؒ زہری سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ ابن شہابؒ کی مجلس درس میں امام مالکؒ کے استاد ربیعہؒ بھی درس میں شریک تھے۔ ابن شہابؒ نے اس نشست میں چالیس احادیث بیان فرمائیں۔ دوسرے دن ابن شہابؒ نے تمام طالب علموں کو مخاطب کر کے فرمایا ''کتاب دیکھو تا کہ میں حدیث بیان کروں اور جو کچھ میں نے بیان کیا تھا وہ تم نے دیکھ لیا"؟ حضرت ربیعہؒ نے جواباً عرض کیا ''یہاں ایک ایسا شخص موجود ہے جو آپؒ کے فرمودات کو حرف بہ حرف زبانی سنا دے گا'' ''وہ کون ہے "؟ حضرت ابن شہابؒ نے حیرت سے پوچھا'' ''مالک بن انس'' حضرت ربیعہؒ نے جواب دیا۔ حضرت ابن شہابؒ نے مالک کی طرف دیکھا اور ایک نوعمر طالب علم کی اس غیر معمولی صلاحیت پر حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ''سناؤ''۔ حضرت امام مالکؒ نے تمام احادیث اس قدر روانی کے ساتھ سنا دیں کہ کسی مقام پر بھی زبان میں لغزش تک نہ آئی، حضرت ابن

شہابؒ نے حیرت سے سب کچھ سنا اور پھر فرمایا کہ ''میں سمجھتا تھا کہ میرے سوا کسی کو بھی یہ احادیث زبانی یاد نہیں ہیں''۔

امام مالکؒ نے حضرت یحییٰ بن سعید انصاریؒ سے بھی علم حاصل کیا۔ ایک نشست میں حضرت ابن شہابؒ، حضرت ربیعہؒ اور حضرت امام مالکؒ حاضر تھے۔ حضرت ابن شہابؒ نے ایک مسئلہ پوچھا۔ حضرت ربیعہؒ نے جواب دیا، حضرت ابن شہابؒ نے حضرت امام مالکؒ سے پوچھا "تمہارا جواب کیا ہے"؟ امام مالکؒ نے جواب دیا ''استاد محترم جواب دے چکے ہیں وہ کافی ہے''۔ ابن شہابؒ نے کہا "میں بھی تمہارا استاد ہوں جب تک تم جواب نہ دو گے اس وقت تک محفل سے نہیں اٹھو گے"۔ امام صاحب کچھ دیر خاموش رہے پھر اس طرح جواب دیا کہ نظریں زمین پر گڑھی ہوئیں تھیں۔ ان کا جواب امام ربیعہؒ کے جواب کے خلاف تھا لیکن امام ربیعہؒ فوراً بول اٹھے ''میری رائے چھوڑ کر مالک کا قول اختیار کرو''۔ یہاں تک کہ ابن شہاب بھی امام مالکؒ کی رائے کو اپنی رائے پر ترجیح دیتے تھے۔

تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ لوگوں نے علم حاصل کرنے کے لیے دور دراز کے سفر اختیار کیے۔ لیکن امام مالکؒ تنہا انسان ہیں جو حجاز مقدس سے باہر نہیں گئے۔ جب تک آپؒ کی والدہ گرامی زندہ رہیں آپؒ نے دنیا کی طرف ایک لمحے کے لیے بھی مڑ کر نہیں دیکھا لیکن والدہ محترمہ کے انتقال کے بعد آپؒ نے کپڑے کی خرید و فرخت کا کام شروع کیا۔ امام صاحب نے اپنی مجلس درس کے لیے مسجد نبوی خاتم النبیین ﷺ کا انتخاب کیا۔ رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ کے بعد خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ کا عمل آپؒ کے لیے حجت کا درجہ رکھتا تھا۔

حدیث بیان کرنے سے پہلے غسل کرتے، عمدہ کپڑے پہنتے، خوشبو لگاتے اور جب تک حدیث بیان کرتے خوشبوئیں آتی رہتیں۔ اگر کوئی آداب محفل سے نا آشنا شخص درس حدیث کے وقت اونچے لہجے میں بات کرتا تو امام مالکؒ اسے حکم دیتے کہ اپنی آواز پست کرلو۔ صرف سانسوں کو جاری رکھو اور پھر قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرماتے: (سورہ الحجرات، آیت نمبر 2)

ترجمہ: ''اے ایمان والو اپنی آوازوں کو نبی خاتم النبیین ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو۔ ورنہ تمہیں خبر بھی نہ ہوگی اور تمہارے اعمال صالح برباد ہوجائیں گے''

آپؒ نے وہ وقت بھی گزارا جب آپؒ کے گھر میں کھانے کو کچھ نہ ہوتا تھا اور آپؒ بھوکے رہ کر حدیث کا درس دیتے رہتے تھے اور گھر والوں کو بھی صبر کی تلقین فرماتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے ''جو تمام مخلوق کا کفیل ہے وہی مالک بن انس کی بیوی بچوں کا بھی دستگیر ہے''۔

رفتہ رفتہ یہ بات مشہور ہوتی جارہی تھی کہ مسند علم پر ایک سرخ چہرے والا نوجوان جلوہ افروز ہے۔ جہاں دیدہ اور عمر رسیدہ افراد کو اس بات پر یقین نہیں آتا تھا کہ ایک نوعمر نوجوان فقہی بھی انسانی مسائل کا حل پیش کرسکتا ہے۔ عقل کے حساب سے ان کی یہ دلیل نہایت مضبوط تھی۔ مگر وہ خدا کے انداز تقسیم کو بھلا بیٹھے تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شیر خوارگی کی حالت میں نبوت کی کھلی نشانی عطا کرسکتا ہے۔ اسے یہ قدرت بھی حاصل تھی کہ وہ امام مالکؒ کو نوعمری میں مسند درس پر بیٹھا کر سارے عالم کو ان کے سامنے خم کردے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب خلیفہ منصور خاندان بنو امیہ کو عبرت ناک سزائیں دینے کے بعد خاندان سادات پر مظالم ڈھا رہا تھا۔ جب تک امام صاحبؒ حکومت کے سلسلے میں خاموش رہے اس وقت تک منصور آپؒ کو محترم سمجھتا رہا۔ امام صاحب ''جبری طلاق'' کو نہیں مانتے تھے۔ یہی ''جبری طلاق'' کا مسئلہ آخر کار ''جبری خلافت'' کے وقار کا مسئلہ بن گیا۔ اتفاق سے اسی دوران خاندان سادات کے ایک معزز فرد عبداللہ (نفس ذکیہ) نے منصور کے جبر و تشدد سے تنگ آکر حق کا پرچم بلند کیا۔ آل فاطمہؓ کا یہ بلند حوصلہ فرزند میدان کارساز میں بڑی شجاعت کے ساتھ لڑا۔ مگر فنون جنگ سے ناواقفیت کی وجہ سے شکست خوردہ حالت میں شہید ہوگیا۔

مشہور مؤرخ طبری کا بیان ہے کہ لوگ امام صاحبؒ سے خلافت عباسیہ کا شکوہ کرتے ہوئے کہتے تھے ''ہمارے گلے میں منصور کی بیعت کا طوق ہے'' جواباً امام صاحب نے فرمایا کہ تم سے جبراً بیعت لی گئی ہے اور امام گھر میں بیٹھے رہے۔ منصور مذہب کی نگاہ میں بنیادی طور پر مجرم تھا۔ اس لیے وہ نہیں چاہتا تھا کہ امام اس مسئلے میں کچھ بولیں۔ امام مالکؒ فطرتاً ایک حق پرست مرد تھے۔ آپؒ نے منصور کے منع کرنے کے باجود خاموشی اختیار نہیں کی اور پھر اسی مقام سے آپؒ کے خلاف بھیانک سازش کا آغاز ہوا۔ یہ حقیقت ہے کہ منصور نے اپنے چچازاد بھائی جعفر بن سلیمان کو مدینے کا حاکم بنا کر بھیجا۔ مگر درپردہ اس کی حیثیت ایک جاسوس کی سی تھی۔ اس نے آپؒ کے دربار میں آکر ''جبری طلاق'' کے بارے میں پوچھا۔ آپؒ نے نہایت دیانت داری اور بے باکی سے فرمایا ''میرے نزدیک جبری طلاق طلاق نہیں ہے'' اس پر جعفر بن سلیمان نے آپؒ کو کوڑے لگوائے آپؒ کے ہاتھ اس قدر کھنچوائے کہ کندھوں سے جوڑ اتر گئے۔ اس کے بعد آپؒ کا منہ کالا کر کے آپؒ کو ایک خچر پر سوار کروا کر شہر کا چکر لگوایا۔ امام مالکؒ کے ساتھ یہ ذلت آمیز سلوک خلیفہ منصور کی مرضی سے کیا گیا تھا۔ امام صاحبؒ نے اس ہجوم کے سامنے جو انہیں دیکھنے کے لیے اکٹھا ہوا تھا ان کو مخاطب کر کے فرمایا:

''جو مجھے جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے وہ جان لیں کہ میں مالک بن انسؒ ہوں'' یہ سن کر لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ بحر حال اس المناک واقعہ کے بعد جب آپؒ کے زخم بھر گئے تو آپؒ نے اسی شان سے دوبارہ درس دینا شروع کر دیا۔ اسی سال خلیفہ منصور حج کے لیے آیا۔ خلیفہ نے معذرت کی اور کہا کہ ''خدا کی قسم آپؒ کے ساتھ جو کچھ ہوا میں نے اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ میں اس بات سے بھی بے خبر ہوں کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ مجھے اہل حرم میں آپؒ کا سب سے زیادہ لحاظ ہے۔ خدا کی قسم میں نے جعفر بن سلیمان کے لیے حکم جاری کر دیا ہے کہ اسے عراق تک گدھے پر لایا جائے۔ میں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اسے سخت ذلت کے ساتھ قید خانے میں رکھا جائے۔ جعفر نے جس قدر تکلیف آپؒ کو دی میں اسے دگنی سزا دوں گا''۔

امام مالکؒ نے خلیفہ کی معذرت کو غور سے سنا اور پھر باوقار انداز میں منصور سے فرمایا:

''امیر المومنین میں نے اس واقعے کو فراموش کر دیا ہے میں نے جعفر بن سلیمان کو بھی رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے خاندان سے تعلق رکھنے کے باعث معاف کر دیا ہے، اللہ آپ کو بھی معاف کر دے''۔

منصور نے امامؒ کے سامنے کتنی ہی عیاری سے کام لیا ہو۔ مگر دوران گفتگو اس مرد جلیل کی ہیبت اپنے دل پر محسوس کرتا رہا اور بار بار قسمیں کھا کر اپنے احساس ندامت کو چھپاتا رہا تھا۔ یہی امامؒ کی فتح تھی۔ آخر کار حاسدین رسوا ہوئے اور امام مالکؒ کی آزمائش کا زمانہ سلامتی سے گزر گیا۔ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ سے علم سیکھنے کے لیے حاضر ہوئے تو حضرت امام مالکؒ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر انہیں گلے سے لگایا اور اپنے شاگردوں میں شامل کر لیا۔ اپنی تعلیم مکمل کر کے امام شافعیؒ واپس چلے گئے۔ حضرت امام مالکؒ نے ''حصول علم'' اور ''تقسیم علم'' کے لیے جو انداز اختیار کیا تھا۔ اس کی مثال دنیا کی کسی تاریخ میں نہیں ملتی۔

خلیفہ ہارون رشید کو حضرت امامؒ سے بے حد محبت تھی۔ ایک بار اس نے امام صاحبؒ سے درخواست کی تھی کہ بغداد تشریف لا کر درس حدیث دیں مگر آپؒ نے انکار کر دیا تھا۔ آخر کار خلیفہ اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ مدینے آیا اور بچوں کو امام صاحب کی شاگردی میں چھوڑ دیا۔ پھر خلیفہ ہارون رشید نے کہا کہ آپ خود حدیث کی قرأت فرمائیں۔ امام مالکؒ نے جواباً کہا کہ میں نے کبھی طالب حدیث کے سامنے قرأت نہیں کی۔ دستور مجلس یہی ہے کہ شاگرد قرأت کرتے ہیں۔ آئیں آپ بھی سنیں۔ دوسری درخواست مسترد ہونے کے بعد ہارون رشید نے عرض کیا ''آپؒ مجھے تنہائی میں درس حدیث دیں'' خلیفہ کی اس خواہش پر امام صاحبؒ نے فرمایا ''یہ تنگ نظری ہے کہ ایک شخص سورج کی روشنی سے تنہا فائدہ حاصل کرے اور مخلوق خدا کو دھوپ سے محروم کر دے'' ہارون رشید لاجواب ہو گیا'' اور پھر اس نے دیگر حاضرین کے ساتھ ہی حدیث کی سماعت کی۔ جیسے ہی ''معن بن عیسیٰ'' قرأت کے لیے تیار ہوئے۔ حضرت امام مالکؒ نے خلیفہ سے فرمایا ''اس شہر مقدس میں اہل علم کا دستور ہے کہ وہ علم کی تواضع کرتے ہیں"۔ ہارون رشید آپؒ کی بات کا مفہوم سمجھ گیا اور پھر حدیث سننے کے لیے باقی تمام لوگوں کے ہمراہ بیٹھ گیا۔

یہاں تک کہ حدیث کی مجلس ختم ہوگئی۔ پھر حاضرین نے ہارون رشید جیسے باجبروت خلیفہ کو اس طرح جاتے ہوئے دیکھا کہ وہ بے حد خوش و خرم تھا۔ امام مالکؒ کی علمیت اور روحانیت کی بنیاد عشق رسول خاتم النبیین ﷺ تھی۔ یہی عشق مصطفی خاتم النبیین ﷺ ان کی نماز کا امام تھا۔

نگاہ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قُرآں، وہی فُرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

یہی وہ جذبہ بے اختیار تھا جس نے حضرت امام مالکؒ کو ساری دنیا سے بے نیاز کر دیا تھا۔ منصور کا بیٹا خلیفہ مہدی حضرت امام مالکؒ سے بہت زیادہ عقیدت رکھتا تھا۔ ایک بار خلیفہ مہدی مدینہ آئے تو امام صاحب سے ملاقات کرنے ان کے گھر گئے اور کچھ نصیحت کرنے کو کہا جواباً امام نے فرمایا:

''میں تجھے خدا سے، روز محشر سے، اور پرسش اعمال سے ڈراتا ہوں۔ جسے خوف خدا نہیں وہ ہلاکت سے بہت قریب ہے۔ میری دوسری نصیحت یہ ہے کہ دنیا میں جو شخص حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے پڑوسیوں سے مہربانی سے پیش آئے گا وہ آخرت میں معزز و محترم ٹھہرے گا۔ مجھ تک یہ ہدایت پہنچی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ مدینہ میری ہجرت کی جگہ ہے۔ یہیں میری قبر بنے گی۔ یہیں سے مجھے قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔ اس کے باشندے میرے پڑوسی ہیں۔ میری اُمت کے لوگوں پر یہ حق ہے کہ وہ میرے پڑوسیوں کی حفاظت کریں۔ میں ان کا شفیع بھی ہوں اور گواہ بھی''۔

حضرت امام مالکؒ کی یہ نصیحت سن کر مہدی آبدیدہ ہو گیا۔ پھر اس نے اہل مدینہ پر لطف و کرم کی ایسی بارش کی کہ مہدی کا یہ عمل ایک تاریخی حیثیت اختیار کر گیا اس کے بعد عباسی خلیفہ نے اظہار عقیدت کے لیے اس شہر مدینہ کا طواف کیا۔ دوران طواف وہ باآواز بلند سے کہتا جاتا تھا ''خدا کی قسم اگر امام مجھ پر شفقت نہ فرماتے تو میں

زندگی کی اتنی بڑی سعادت سے محروم رہ جاتا۔ اب میں ہمیشہ رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ کے پڑوسیوں کا خیال رکھوں گا''۔ اسی خلیفہ مہدی نے ایک بار اپنے مصاحب خاص ربیع کے ہاتھ امام مالکؒ کو تین ہزار اشرفیاں ارسال کیں۔ ربیع کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے پھر کہا ''اے امامؒ امیر المومنین اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ آپؒ ان کے ہمراہ بغداد تشریف لے چلیں۔ یہ سن کر امام مالکؒ کچھ دیر خاموش رہے اور پھر فرمایا ''تم نے میرے آقا کا فرمان مقدس سنا ہے'' ربیع نے نفی میں سر ہلایا۔ حضرت امام مالکؒ نے ربیع کے سامنے وہ حدیث مبارکہ بیان کر دی جس کا مفہوم یہ ہے کہ

''مدینہ ان کے حق میں بہتر ہے اگر وہ اس بات کو سمجھیں''۔

پھر فرمایا "اگر میں ایک دن بھی آقا کا روضہ اقدس نہ دیکھوں تو میری جان پر بن آتی ہے۔ امام کے الفاظ میں وہ جلال تھا کہ ربیع کانپنے لگے۔ پھر امام مالک نے فرمایا ''میں نور کے اس حصار سے نکل کر کہاں جا سکتا ہوں میری تو دنیا ہی تاریک ہو جائے گی''۔

امام صاحبؒ کے لہجے میں بڑا اسوز تھا۔ یہ کہہ کر امام صاحب نے مہدی کی بھیجی ہوئی اشرفیوں کی تھیلی اٹھائی اور ربیع کے ہاتھ پر رکھ دی اور کہا ''امیر المومنین سے کہنا کہ مالک بن انس خاک مدینہ کے ایک ذرے کے بدلے میں ساری دنیا کی دولت بھی قبول نہیں کرے گا''۔

ربیع امام کا یہ رویہ دیکھ کر بولے ''امام صاحبؒ امیر المومنین کا یہ مقصد ہرگز نہ تھا وہ تو بس ایک خواہش تھی کہ اس طرح آپؒ کی موجودگی اہل بغداد کے لیے باعث برکت ہوگی"۔ آپؒ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ امیر کو حسن نیت کا صلہ دے''۔

اس طرح ایک مرتبہ مشہور بزرگ یحییٰ بن خلفؒ فرماتے ہیں ''میں ایک دن حضرت امام مالکؒ بن انس کی خدمت میں حاضر تھا۔ درس حدیث ختم ہوا اور مجلس فقہ آراستہ ہوئی۔ لوگ مختلف شرعی مسائل دریافت کرتے رہے اور امام بہت محبت سے جواب دیتے رہے۔ اچانک ایک شخص درمیان میں سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر کہنے لگا "امام قرآن کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے یہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق'' حضرت امام مالکؒ بہت تحمل مزاج آدمی تھے لیکن اس آدمی کی بات پر ایک دم طیش میں آ گئے اور فرمایا ''اس شخص کو قتل کر ڈالو اللہ کی قسم اس بات سے بڑے فتنے پیدا ہوں گے'' وہ شخص آپؒ کا جواب سن کر چلا گیا اور حاضرین بھی اس وقت آپ کے قہر اور نفرت میں ڈوبے ہوئے الفاظ کی اہمیت کو نہ سمجھے۔

حضرت امام مالکؒ کی وفات کے اڑتیس سال کے بعد فتنہ خلق قرآن نے سر اٹھایا اور معتصم کے زمانے میں متزلہ کی یہ تحریک اپنے عروج کو پہنچ گئی۔ اہل سنت کی ایک بڑی جماعت مغضوب ہوئی۔ امام احمد بن حنبلؒ نے بھی بہت اذیتیں اٹھائیں۔ اس وقت ماضی کے جو لوگ زندہ تھے انہیں امام مالکؒ کے الفاظ یاد آ گئے کہ یہ بات فتنہ کا باعث ہوگی۔ امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ سے عمر میں تیرہ سال چھوٹے تھے۔ مگر امام اعظم، امام مالکؒ کے سامنے باادب بیٹھا کرتے تھے۔ امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے۔'' مجھ پر سوائے مالک بن انسؒ کے کسی کا رعب طاری نہیں ہوتا''۔ امام مالکؒ ظاہری اعتبار سے بھی ایک جاذب نظر شخصیت تھے۔ آپؒ کا قد دراز تھا اور رنگت نہایت سرخ و سفید، اونچی پیشانی بلند ناک، آنکھیں بڑی اور مسحور کن، ہزاروں انسانوں کی محفل میں بھی الگ نظر آ سکتے تھے۔

آپؒ خلیفہ وقت کے تحائف اور نذرانے قبول کر لیا کرتے تھے۔ کبھی امام مالکؒ کا وہ وقت تھا کہ جب آپؒ کی معصوم بیٹی کے لیے روٹی تک میسر نہ تھی پھر اللہ تعالیٰ نے آپؒ پر کشائش کے دروازے کھول دیئے تو اس کا اثر نہ چہرے پر آیا اور نہ دل پر۔ آپؒ لوگوں میں دل کھول کر رقم خرچ کیا کرتے تھے۔ زمانہ بھی کتنا عجیب ہے کبھی لوگ یہ اعتراض کرتے تھے کہ آپؒ کے پاس کچھ نہیں۔ آپؒ کسی سے کچھ طلب کیوں نہیں کرتے؟۔ اور اب آسودہ حالی میں یہ اعتراض کہ کیسی شاہانہ زندگی بسر کرتے ہیں؟ پھر امام شافعیؒ کو کسی نے بتایا "امام مالکؒ تو بہت دولت مند ہو گئے ہیں"۔ امام شافعیؒ مسجد میں گئے اور دیکھا کہ لوہے کی ایک کرسی رکھی ہے اور کرسی پر مصر کا ایک قیمتی تکیہ ہے اور تکیے پر لا الہ الا اللہ تحریر تھا۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اتنے میں امام مالک آ گئے۔ انہوں نے محبت سے مجھے گلے سے لگایا اور پھر میں نے ان کی اقتداء میں نماز مغرب ادا کی۔ پھر امام مالک مجھے اپنے گھر لے گئے۔ پرانے گھر کی جگہ ایک محل نما عمارت تھی۔ میں نے اسے دیکھ کر رونا شروع کر دیا۔ آپؒ نے کہا ''محمد تم روتے کیوں ہو کہیں تم یہ تو نہیں سمجھ رہے کہ میں نے دنیا کے بدلے میں آخرت فروخت کر دی ہے"۔ میں نے جواب دیا ''جی ہاں میرے دل میں اسی قسم کا اندیشہ پیدا ہوا تھا''۔ امام مالکؒ نے فرمایا ''تمہارا دل مطمئن رہے، تمہاری آنکھیں ٹھنڈی رہیں یہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو یہ سب ہدیہ ہے۔ خراساں سے مصر سے دنیا کے دور دور کے علاقوں سے تحائف پر تحائف چلے آ رہے ہیں اور تمہیں معلوم ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ہدیہ قبول فرمایا کرتے تھے اور صدقہ رد کرتے تھے۔ میرے پاس اس وقت خراساں اور مصر کے بے شمار بہترین لباس موجود ہیں۔ 300 غلام موجود ہیں، بہترین گھوڑے ہیں اور اب یہ سب کچھ میری طرف سے تمہیں ہدیہ۔ صندوق میں پانچ ہزار دینار رکھے

ہیں اس میں سے سالانہ زکوٰۃ نکالتا ہوں اس میں سے بھی آدھی تمہاری"۔

یہ سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ دولت کی کثرت کے باوجود امام صاحب کا تقویٰ برقرار رہے۔ پھر میں اس حال میں وہاں سے روانہ ہوا کہ مکہ معظّمہ اپنے مکان تک جاتے جاتے میں نے راہِ حق میں سب کچھ خیرات کر دیا۔ اب میرے پاس ایک خچر اور پچاس دینار کے سوا کچھ نہ تھا۔ میری اس سخاوت کی خبر دور تک پھیل گئی۔ امام مالکؒ نے بھی یہ خبر سنی تو مجھے پیغام بھیجا محمد کمی نہ کرنا۔ جو کچھ بھی ملتا رہے گا میں تمہیں بھیجتا رہوں گا۔ امام مالکؒ ہر سال امام شافعیؒ کو گیارہ ہزار دینار پابندی سے بھیجا کرتے تھے اور میں ہر شے سے بے نیاز ہو کر اللہ کی دی ہوئی دولت اس کے بندوں پر خرچ کرتا رہا۔ کچھ دن گزرنے نہ پائے تھے کہ میں مقروض ہو جاتا تھا لیکن امام مالکؒ مجھے وہ سب کچھ بھیج دیا کرتے تھے جو انہوں نے مجھے مدینے میں دیا تھا یہ سلسلہ گیارہ سال تک جاری رہا پھر امام مالکؒ کا انتقال ہو گیا اور حجاز کی سرزمین مجھ پر تنگ ہو گئی۔ یہ اس مردِ جلیل کا بیان ہے جو اسلامی فقہ کا تیسرا بڑا امام ہے۔ اس واقعے کی تفصیل پڑھ کر ایک عام نظر رکھنے والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ مالک بن انسؒ نے اپنی آسودہ حال زندگی کس طرح بسر کی۔ جس کا ذکر پیدائش سے سو سال پہلے حدیث رسول خاتم النبیین ﷺ میں آیا۔ ''عنقریب لوگ علم کی طلب میں سفر کر کے اونٹوں کے جگر پگھلا دیں گے پھر بھی انہیں عالم مدینہ سے بہتر کوئی عالم نہ مل سکے گا''۔

حضرت سفیان ثوریؒ اور حضرت عبدالرزاقؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک عالم مدینہ سے مراد امام مالکؒ ہیں۔ جن کے بارے میں امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فرمایا'' مدینے میں علم بکھرا پڑا ہے اگر کوئی اس کو سمیٹ سکتا ہے تو یہی شخص (امام مالکؒ) سمیٹ لے گا"۔ پھر فرمایا "میں نے امام مالک سے زیادہ صحیح جواب دینے والا اور کوئی نہیں دیکھا''۔ جن کی عظمت پر سفیان بن عینیہؒ (Uyaynah) نے فرمایا ''امام مالک کے سامنے ہماری حقیقت ہی کیا ہے ہم لوگ تو ان کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں''۔

جس کے تقدس کا امام احمد بن حنبلؒ نے یوں ظاہر کیا۔ ''جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ امام مالکؒ سے بغض رکھتا ہے تو سمجھ لو کہ یہ بدعتی ہے''۔

جس کے لیے حماد بن سلمہؒ نے فرمایا ''اگر مجھ سے کہا جائے کہ امت محمدی خاتم النبیین ﷺ میں سے میں حصول علم کے لیے کسی ایک شخص کا انتخاب کر لوں تو میں اس کام کے لیے امام مالکؒ سے زیادہ کسی کو موزوں خیال نہیں کرتا''۔ جن کی شان میں عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ امام حدیث تھے اور امام اوزاعیؒ امام سنت مگر امام مالکؒ دونوں کے امام تھے، جسے ابن شہابؒ نے ''علم کا محافظ'' کہہ کر صدا دی، جسے حافظ ذہبیؒ نے ''امام العلم'' اور سید الحافظ کہہ کر پکارا۔ جسے عبداللہ بن عمرؓ نے ''مسائل کا مشکل کشا'' کہا جو ماضی اور حال میں سب کے نزدیک امام الکبیر یا ٹھہرا۔ اس پر اعتراض کرتے ہو کہ وہ قیمتی لباس کیوں پہنتا تھا؟ عمدہ خوشبوئیں کیوں استعمال کرتا تھا؟ خلیفۂ وقت کے تحفے کیوں قبول کرتا تھا؟ تم اس کا مقام جانتے ہو کہ وہ کون تھا؟ یہ وہ مرد بزرگ ہے جس کی ایک رات بھی ایسی نہیں گزری جب اس نے آپ خاتم النبیین ﷺ کی زیارت نہ کی ہو۔ کیا یہ شرف اس کی قبولیت پر آخری دلیل نہیں جس کو دربار رسالت میں یہ مقام حاصل ہو تم اس کی ظاہری شان پر اعتراض کرتے ہو کہ قیمتی لباس کیوں پہنا؟ اور عمدہ غذا کیوں کھائی؟ خلیفہ مہدی اور ہارون رشید کے لیے یہی شرف کافی ہے کہ امام مالکؒ نے ان کی نذر قبول فرمائی۔ شاید وہ اپنے اس عمل سے بخشے جائیں۔

پھر اچانک نظامِ درس میں ایک بڑا انقلاب آ گیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ ان کے امام نے مسجد میں آنا چھوڑ دیا۔ عقیدت مندوں کے ہجوم میں شدید اضطراب پھیل گیا۔ امام صاحب سے سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں۔ جسمانی نقاہت گھر سے نکلنے نہیں دیتی۔ اس فطری مجبوری کے باوجود درس کا سلسلہ جاری رہا۔ طالب علم آپؒ کے گھر پر حاضر ہو جاتے اگرچہ آفتاب میں وہ اگلی سی حدت باقی نہیں رہی تھی لیکن روشنی کا سفر پھر بھی جاری تھا۔ اسی طرح کئی سال گزر گئے۔ امام مالکؒ صرف جمعہ کے دن مسجد میں تشریف لاتے۔

حسد کرنے والوں کو اب بھی قرار نہیں تھا کہنے والے کہتے ''ایسی بھی کیا کمزوری کہ آدمی مسجد نبوی خاتم النبیین ﷺ کو چھوڑ کر گھر بیٹھ جائے'' دل آزاری کی یہ باتیں امام صاحبؒ کے کانوں تک بھی پہنچ جاتیں تھیں مگر صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو جاتے کہ ''لوگوں کو کیا معلوم کہ ہر شخص اپنی مجبوریاں بیان کرنے پر قادر نہیں''۔

یہاں تک کہ یہ ناتوانی آپؒ کو مسند درس سے اٹھا کر بستر علالت پر لے آئی۔ شاگردوں اور عقیدت مندوں نے تیمارداری کا حق ادا کر دیا۔ علالت کی خبر دور دور تک پھیل گئی۔ مدینہ اور دوسرے شہروں کے بڑے بڑے علماء آخری لمحات میں امام مالکؒ کے پاس کھڑے تھے۔ اس وقت امام کے گرد ایک سو تیس فقہی اور عالم اداس کھڑے تھے۔ مشہور بزرگ یحییٰ بن یحییٰ کا بیان ہے کہ ''میری خواہش تھی کہ الوداعی ساعتوں میں امام مجھے ایک نظر دیکھ لیں پھر یہی نگاہ کرم آخرت میں میرے لیے وسیلہ بن جائے''۔ اچانک امام نے آنکھیں کھولیں۔ تمام عزیز و اقارب اور شاگردانِ خاص کو اپنے قریب طلب کیا لوگ سمجھے کہ امام اب کوئی وصیت کریں گے۔ امام نے اپنے

اطراف میں جمع لوگوں کو دیکھا اور پھر نحیف مگر باوقار آواز میں فرمایا ''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے کبھی ہنسایا کبھی رلایا۔ اس کے حکم سے زندہ رہا اور اس کی مرضی سے آج جان دے رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آج میں تم لوگوں سے رخصت ہو کر اپنے رب کے حضور چلا جاؤں گا۔ اگر میرا آخری وقت نہ ہوتا تو میں ہرگز تم پر یہ راز ظاہر نہ کرتا کہ میں کئی سال سے پیشاب نکل جانے کے مرض میں مبتلا ہوں۔ مجھے کسی طرح بھی گوارہ نہ تھا کہ وضو کے بغیر اپنے آقا کی مسجد میں قدم رکھوں اور مجھے اس بات سے بھی شرم آتی تھی کہ لوگوں کو اپنی بیماری سے آگاہ کر کے اپنے اللہ کی شکایت کروں یہ کہہ کر آپؒ نے اپنی آنکھیں بند کر لیں''۔ امام صاحب اب آہستہ آہستہ کہہ رہے تھے۔ ''اے جہانوں کے پالنے والے یہ تیرا عظیم احسان ہے کہ تونے اپنے گناہ گار بندے مالک بن انسؒ کو خاک مدینہ سے اٹھایا اور خاک مدینہ میں ملا دیا''۔ پھر لب مقدس کی جنبش ختم ہو گئی۔

علم اور تقویٰ کا سورج اس سمندر میں اتر گیا جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ صبر ایوب علیہ السلام بھی عشق تھا، صبر حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی عشق تھا اور صبر مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی عشق تھا۔ مگر حسب مراتب عشق کے انداز بدلتے رہے ہیں۔

عشق کی چوٹ تو لگتی ہے دلوں پہ یکساں
ظرف کے فرق سے آواز بدل جاتی ہے

اہل دل کی تو اس وقت حالت ہی غیر تھی۔ اتنا روئے کہ دامن بھیگ گئے اور اشکوں کا رنگ پیازی ہو گیا۔ پھر کسی نے امام مالکؒ کے جنازے پر قول رسول خاتم النبیین ﷺ کی تلاوت کی'' **عنقریب لوگ علم کی طلب میں سفر کر کے اونٹوں کے جگر پگھلا دیں گے پھر بھی انہیں عالم مدینہ سے بہتر کوئی عالم نہ مل سکے گا''۔**

حدیث رسول خاتم النبیین ﷺ سن کر اماموں کے سر جھک گئے۔ فقیہوں کی گردنیں خم ہو گئیں اور عالموں نے اپنی گردنیں نیچی کر لیں۔ بے شک امام مدینہ امام مالکؒ ہی تھے۔ انتقال کے وقت امام صاحب کی عمر 86 سال تھی۔ آپؒ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

صاحب ''موطا'' کو موت آ گئی مگر ''موطا'' کا ایک ایک حرف قیامت تک زندہ رہے گا۔ یہ حدیث کی وہ عظیم اور جلیل کتاب ہے جسے قرآن کریم کے بعد دوسرا درجہ حاصل ہے۔ امام صاحب سے اس کی تصنیف کے وقت کہا گیا کہ اس طرز کی اور کتابیں بھی لکھی جا رہی ہیں۔ آپؒ اس قدر تکلیف کیوں اٹھاتے رہے ہیں۔ آپؒ نے فرمایا تھا ''بہت جلد لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کا کام محض اللہ کے لیے ہے''۔ آخر کئی سال کی شدید محنت کے بعد امام صاحب ''موطا'' کی تصنیف سے فارغ ہو گئے۔ پھر آپؒ نے اپنا خلوص ثابت کرنے کے لیے مسودے کے تمام اوراق پانی میں ڈال دیئے اور فرمایا کہ ''اگر ان اوراق میں ایک بھی نم ہو جائے تو مجھے اس کی حاجت نہیں'' یہ قدرت کی طرف سے امام مالکؒ کے خلوص کا صلہ تھا کہ پانی میں ڈالنے کے باوجود ایک بھی ورق نہیں بھیگا۔ اور ساری دنیا پر یہ حقیقت روشن ہو گئی کہ امام کا ذہن اور قلم محض اللہ ہی کے لیے تھا۔

تمام محدثین میں تنہا امام مالکؒ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپؒ نے صرف بلند پایہ علماء سے حدیث روایت کی ہیں۔ اس سے زیادہ اور کیا احتیاط ہو گی کہ خادم رسول خاتم النبیین ﷺ ہوتے ہوئے بھی امام صاحبؒ نے اپنے والد محترم حضرت انسؓ سے کسی روایت کو موطا میں جگہ نہیں دی۔ یہ بہت ہی عجیب بات ہے اگر اس کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

عشق سراپاء حضور، علم سراپا حجاب
علم ہے پیدا سوال، عشق ہے پنہاں جواب
عشق سراپاء یقین، اور یقین فتح باب
علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے ام الکتاب

****

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

محمد بن ادریس شافعی قریشی رحمۃ اللہ علیہ 150ھ بمطابق 767ء مقام غزہ میں پیدا ہوئے۔ امام صاحبؒ کا نام محمد اور والد کا نام ادریس تھا۔ شافع آپؒ کے پردادا تھے۔ شافع نے عالم جوانی میں آپ خاتم النبیین ﷺ سے ملاقات کی۔ عبد مناف تک پہنچ کر آپؒ کا سلسلہ نسب پیغمبر اسلام خاتم النبیین ﷺ سے مل جاتا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ ماہ رجب 150ھ کی اس رات کے آخری حصہ میں پیدا ہوئے جس رات کی ابتدائی ساعتوں میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔ بعض عارفوں نے امام اعظم کے رخصت اور امام شافعی کی آمد پر اس طرح اظہار خیال کیا ہے۔

''خدائے کریم عقل وفراست کے باب کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا نہیں چاہتا تھا۔ جب کاتب ازل نے ابوحنیفہؒ کے نام پر خطِ تنسیخ پھیرا تو دوسرے ورق پر امام شافعیؒ کا اسم گرامی تحریر کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ماہ رجب کی ایک ہی رات میں تاریخ اسلام کے دو بڑے واقعات رونما ہوئے''۔

تعارف:- آپؒ بحر شریعت، طریقت کے شناور اور رموز حقیقت کے شناسا تھے۔ فراست اور ذکاوت میں ممتاز اور "تفقہ فی الدین" میں یکتائے روزگار تھے۔ آپؒ نے امام مالکؒ بن انس سے علم حاصل کیا۔

علمی مرتبہ:- آپؒ نے تیرہ سال کی عمر میں محراب حرم کے نیچے کھڑے ہو کر اعلان کر دیا تھا" جو کچھ پوچھنا ہے مجھ سے پوچھ لو"۔ آپؒ نے پندرہ سال کی عمر میں فتویٰ دینا شروع کر دیا تھا۔ پھر ایک دن بچے کی تقریر سننے کے لیے فقیہوں اور محدثوں کے قلندر حضرت سفیان ثوریؒ بھی تشریف لائے۔ ان کو آتا دیکھ کر ہجوم میں ہلچل مچ گئی۔ لوگوں نے امام کے لیے راستہ بنا دیا۔ حضرت سفیان ثوریؒ آگے بڑھتے چلے گئے۔ آپؒ اس جگہ پر پہنچ گئے جہاں قریش کا وہ عظیم بچہ علم کے منبر پر کھڑا ہو کر تقریر کر رہا تھا۔ فرزند قریش کی زبان سے فصاحت و بلاغت کا آبشار جاری تھا۔ لہجے کے گداز سے لوگوں کے دل پگھلے جاتے تھے۔ حضرت سفیان ثوریؒ نے کھڑے ہو کر یہ سب کچھ سنا۔ آخر حضرت سفیان ثوریؒ نے بے قرار ہو کر فرمایا'' **خدا کی قسم اگر انسانی عقل کا وزن کیا جائے تو نصف دنیا کی عقل پر اس بچے کی عقل بھاری ہے**''۔ امام شافعیؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام محمد شیبانیؒ کے شاگرد ہوئے۔ امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے۔

ترجمہ:'' خدا کی قسم میں امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام محمد شیبانیؒ کی تالیف کے مطالعہ سے فقیہی بن گیا ہوں''۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ آپؒ کا بہت احترام کیا کرتے تھے اور جب کسی نے اعتراض کیا کہ آپؒ جیسے اہل علم کے لیے ایک کم عمر شخص کی مدارت کرنا مناسب نہیں ہے تو آپؒ نے جواب دیا'' میرے پاس جس قدر علم ہے اس کے معنی ومطالب سے وہ مجھ سے زیادہ باخبر ہے اور اسی کی خدمت سے مجھے حدیث کے حقائق معلوم ہوئے ہیں۔ اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو ہم علم کے دروازے پر ہی کھڑے رہ جاتے اور فقہ کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند رہ جاتا۔ وہ اس دور میں اسلام کا سب سے بڑا محسن ہے وہ فقہ، معانی اور علوم لغت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے اس قول کے مطابق کہ ہر صدی کی ابتداء میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگا کہ اہل علم اس سے دین کا علم حاصل کریں گے اور اس صدی کی ابتداء امام شافعیؒ سے ہوتی ہے''۔

حضرت بلال خواصؒ کا قول ہے" میں نے حضرت خضرؑ سے پوچھا" امام شافعیؒ کے متعلق آپؑ کی رائے کیا ہے"؟ تو انہوں نے جواب دیا" **ان کا شمار'' اوتاد'' میں ہوتا ہے**"۔ ابتدائی دور میں آپؒ مخلوق سے کنارہ کش ہو کر ذکر الٰہی میں مشغول رہتے اور حضرت سلیم راعیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیوض باطنی سے فیض یاب ہوتے۔ آہستہ آہستہ آپؒ نے عروج کمال تک رسائی حاصل کر لی اور اپنے دور کے تمام فقہا کو پیچھے چھوڑ دیا۔ عبداللہ انصاریؒ کا قول ہے کہ'' گو میں شافعیؒ مسلک سے متعلق نہیں ہوں لیکن امام صاحب کے بلند مراتب کی وجہ سے ان کے عقیدت مندوں میں سے ہوں''۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ خواب میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا دیدار کیا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' اے لڑکے کون ہو''؟ میں نے کہا'' آپ خاتم النبیین ﷺ کی امت کا ایک فرد ہوں'' پھر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے مجھے اپنے نزدیک بلایا اور اپنا لعاب دہن میرے منہ میں ڈال دیا اور فرمایا کہ'' جا اللہ تجھے برکت عطا فرمائے، پھر اسی شب خواب میں حضرت علیؓ نے اپنی انگلی میں سے اپنی انگشتری نکال کر میری انگلی میں ڈال دی''۔

حاضر دماغی:- آپؒ کی والدہ بہت بزرگ خاتون تھیں۔لوگ ان کے پاس امانتیں رکھوا کر جایا کرتے تھے،ایک مرتبہ دوآدمی کپڑوں سے بھرا ہوا بکس آپؒ کے پاس امانت کے طور پر رکھوا گئے۔پھر کچھ عرصے کے بعد ایک شخص آکر وہ بکس لے گیا پھر کچھ عرصے کے بعد دوسرے شخص نے آکر بکس طلب کیا تو والدہ نے فرمایا" تمہارا ساتھی وہ بکس لے گیا ہے"۔اب وہ شخص بضد تھا کہ آپ نے وہ بکس اسے کیوں دیا؟ جب ہم دونوں نے آپ کے پاس بکس رکھوایا تھا۔آپ کی والدہ پریشان ہوئیں۔عین اسی وقت امام شافعیؒ گھر آ گئے۔معاملہ معلوم کیا اور پھر اس شخص سے کہا" اے شخص تم دونوں نے وہ بکس رکھوایا تھا،یعنی وہ دونوں کی امانت تھی جاؤ اپنے دوسرے ساتھی کو بلالاؤ تاکہ تمہارا بکس تمہیں دیا جا سکے۔کیونکہ بکس رکھواتے وقت دونوں موجود تھے۔اس لیے لیتے وقت بھی دونوں کی موجودگی ضروری ہے"-یہ جواب سن کر وہ شخص ششدر رہ گیا۔

جس وقت آپؒ امام مالکؒ کے پاس پہنچے تو آپؒ کی عمر سترہ سال تھی۔امام مالکؒ سے فیض لینا آپؒ کا مقصد تھا۔چنانچہ آپؒ ان کے دروازے پر اسی نیت سے جانا چاہتے تھے لیکن حاضر ہونے کی جرأت نہیں پا رہے تھے۔مجبوراً آپؒ والئی مکہ کے پاس تشریف لے گئے اور والئی مکہ امام شافعیؒ کے طرز گفتگو اور انداز بیان سے بہت متاثر ہوا۔اس نے حضرت امام مالکؒ اور والئی مدینہ کے نام سفارشی خطوط لکھے پھر امام صاحب کو یقین دلایا کہ اب راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔امام شافعیؒ ان سفارش ناموں کو لے کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔امام شافعیؒ نے بڑے پرجوش انداز میں مدینہ کے والی کو دونوں خطوط دیئے۔مگر جیسے جیسے حاکم مکہ کی تحریر پڑھی جاتی رہی۔والئی مدینہ کا چہرہ اداس ہوتا چلا گیا پھر انہوں نے بڑے اداس لہجے میں امام شافعیؒ سے کہا''**نوجوان مدینہ سے مکہ تک گھسٹتے ہوئے جانا میرے لیے آسان ہے لیکن امام مالکؒ کا مکان میری پہنچ سے بہت دور ہے**"۔امام شافعی والئی مدینہ کے جواب پر حیران رہ گئے بولے" آپ کی اقامت گاہ سے امام مالکؒ کا مکان چند قدم کے فاصلے پر ہے پھر یہ مجبوری"-والئی مدینہ نے کہا''نوجوان تم ان باتوں کو نہیں سمجھ پاؤ گے''۔پھر والئی مدینہ نے امام شافعیؒ کا شک دور کرتے ہوئے کہا''اگر دن بھر کے انتظار کے بعد بھی وہ مجھے شرف یابی بخش دیں تو میرے لیے یہی کافی ہے''۔"خدا آپ کو جزائے خیر دے اگر آپ توجہ دیں تو وہ یہاں آ سکتے ہیں"۔والئی مدینہ نے بڑی ہی حسرت سے کہا''یہ کہاں ممکن ہو سکتا ہے؟"

بالآخر عصر کے وقت والئی مدینہ امام شافعیؒ اور ان کا ایک دوست امام مالکؒ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے جب تینوں حضرات امام مالکؒ کے گھر پہنچے تو امام شافعیؒ کے دوست نے دستک دی۔امام مالکؒ کی سیاہ فام باندی باہر نکلی اور آنے کا سبب دریافت کیا۔والئی مدینہ نے کہا" اپنے آقا سے کہو میں شرف یابی چاہتا ہوں" ،باندی فوراً اندر چلی گئی اور کچھ ہی دیر کے بعد واپس آکر بولی" میرے مالک آپ کو سلام فرماتے ہیں اور کہتے ہیں" اگر کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہے تو پرچے پر لکھ دیجئے اور اگر حدیث کی سماعت کرنی ہے تو مجلس کا دن معلوم کر کے تشریف لے جایئے"۔والئی مدینہ یہ جواب سن کر گھبرا گئے۔بڑی ہمت سے کہا اپنے آقا سے کہو کہ''میرے پاس والئی مکہ کا ایک خط ہے اور اس میں آپؒ کے لیے ایک ضروری پیغام لایا ہوں''۔باندی اندر چلی گئی اور جب واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک کرسی تھی۔والی مدینہ ڈرتے ڈرتے کرسی پر بیٹھ گئے۔تھوڑی ہی دیر میں امام مالکؒ تشریف لے آئے۔والئی مدینہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اس کا پورا جسم لرز رہا تھا۔امام شافعیؒ نے امام مالکؒ کو دیکھا یہ ایک دراز قد بزرگ تھے اور اپنے بدن پر چادر لپیٹے ہوئے تھے۔والئی مدینہ نے امام مالکؒ کو والئی مکہ کا خط پیش کیا۔حضرت امام مالکؒ خط پڑھتے رہے اور جب ان سطور تک پہنچے کہ اس شخص (امام شافعیؒ) کے اقتصادی حالات خراب ہے آپؒ اسے تعلیم دیجئے۔تو نہایت بےزاری سے والئی مکہ کا خط زمین پر پھینک دیا۔اور شدید ناگواری کے عالم میں فرمایا''معاذ اللہ کیا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کا علم بھی اب سفارش سے حاصل کیا جائے گا"؟۔اب امام شافعیؒ اس جملے کا مفہوم سمجھ گئے تھے جو والئی مدینہ نے فرمایا تھا کہ''امام مالک کا مکان میری پہنچ سے بہت دور ہے''۔اس صورت حال کو دیکھ کر امام شافعیؒ فوراً آگے بڑھے اور دست بستہ عرض کیا کہ''میں خاندان مطلب کا ایک فرد ہوں-دنیا کے تمام وسائل سے محروم علم کا شوق مجھے آپ کے پاس لے آیا ہے''۔امام شافعیؒ کا لہجہ اس قدر اثر انگیز تھا کہ امام مالکؒ کچھ دیر تک ان کے چہرے کو غور سے دیکھتے رہے۔پھر امام مالکؒ اپنی جگہ سے اٹھے اور امام شافعیؒ کو اپنے گلے سے لگا لیا۔پھر فرمایا"تمہارا نام کیا ہے"؟امام شافعیؒ نے جواب دیا''محمد بن ادریس''۔پھر آپؒ نے امام شافعیؒ کو اپنے شاگردوں میں شامل کر لیا۔دوسرے دن امام مالکؒ نے دیکھا کہ محمد بن ادریس حدیث کے وقت متوجہ نہیں ہے۔جب انہوں نے امام شافعیؒ کو بلا کر کہا" ادب حدیث میں متوجہ ہونا شرط ہے" تو انہوں نے کہا" میں نے تمام احادیث زبانی یاد کر لی ہیں" اور ان کے کہنے پر تمام احادیث کی قرأت کی تو سب لوگ حیران رہ گئے۔پھر امام مالکؒ انہیں اپنے گھر لے آئے۔امام مالکؒ کے در و دیوار افلاس کی داستان سنا رہے تھے۔اس ناداری کی حالت میں کسی مہمان کو مستقل طور پر اپنے ہاں ٹھہرانا بڑی ہمت اور فراخدلی کی بات تھی۔سچ تو یہ ہے کہ صرف امام صاحبؒ ہی اس کریمانہ شان کا مظاہرہ کر سکتے تھے۔کھانے کے وقت امام صاحب نے خوان کھولا اس میں دو برتن تھے۔ایک میں دودھ اور دوسرے میں کھجوریں۔

امام صاحبؒ نے بسم اللہ کہی۔امام شافعیؒ نے بھی بسم اللہ کہا۔تھوڑی ہی دیر میں کھانا ختم ہوگیا۔امام مدینہ کو اس بات کا شدید احساس تھا کہ کھانا کم تھا۔اس لیے انہوں نے کہا ''محمد ایک مفلس شخص دوسرے مفلس کے لیے جو کچھ بھی پیش کرسکتا تھا وہ حاضر کر دیا''۔

امام شافعیؒ نے جواب دیا" آپؒ نے مجھ پر احسان فرمایا ہے"۔

یہ تھی بارگاہ امام مالکؒ میں حاضر ہونے کی مختصر داستان۔

اس کے بعد امام شافعیؒ مسلسل آٹھ ماہ تک امام مالک کے گھر میں ان کے ساتھ رہے اور درس لیتے رہے۔ **یہ امام مالکؒ ہی کا فیضان نظر تھا کہ ایک عاشق رسول خاتم النبیین ﷺ کے کاشانے سے برق جلال چمکی اور چند ساعتوں میں امام شافعیؒ کے دل و دماغ کو منور کر دیا۔اور پھر حدیث وفقہ کی کائنات پر محیط ہوگئی۔**

اسی زمانے میں مصر کی ایک جماعت حج کے بعد زیارت رسول خاتم النبیین ﷺ سے مشرف ہونے اور ''موطا'' کی سماعت کرنے کے لیے مدینہ منورہ آئی۔ جب یہ لوگ امام مالکؒ کی خدمت میں پہنچے اور درخواست گزار ہوئے تو امام مدینہ نے امام شافعیؒ کو اشارہ کیا۔فرزند قریش نے اجازت پاتے ہی اپنی پرُ سوز آواز میں اس طرح ''موطا'' کی قرأت شروع کی کہ آنکھیں بند تھیں اور بے قرار روح دربار رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ میں حاضر تھی۔ یہاں تک کہ جب ''موطا'' اختتام کو پہنچی تو مصری سامعین ایک نوخیز طالب علم کی قرأت اور قوت حافظہ پر حیران رہ گئے۔اس کے بعد اہل عراق سرور کونین خاتم النبیین ﷺ کی بارگاہ میں سلام کو حاضر ہوئے۔قبر مبارک اور منبر کے درمیان امام شافعیؒ کو ایک خوبصورت نوجوان نظر آیا۔جب عراقی نوجوان نے نماز ادا کی تو اس کا طریقہ عبادت بھی درست نظر آیا۔آخر آپؒ اس نوجوان کے قریب آ گئے اور پوچھا" تم عراق کے کس مقام کے رہنے والے ہو"؟" میرا قیام کوفہ میں ہے''۔نوجوان نے جواب دیا۔" کوفہ میں کتاب اللہ اور سنت رسول خاتم النبیین ﷺ کا عالم کون ہے"؟ امام شافعیؒ نے سوال کیا۔"امام ابو یوسفؒ اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ"۔عراقی نوجوان نے کہا" یہ دونوں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں"۔امام شافعیؒ کچھ دیر خاموش رہے پھر عراقی نوجوان سے دریافت کیا" تم اپنے وطن واپس کب جاؤ گے"؟ ''کل صبح سویرے''۔اس نے جواب دیا۔عراقی نوجوان کو اپنے سے کم عمر طالب علم کے سوالات پر حیرت ہو رہی تھی۔امام شافعیؒ نے اس نوجوان کا شکریہ ادا کیا اور گھر واپس آ گئے۔آپؒ کے چہرے پر فکر کی علامت صاف نظر آ رہی تھیں۔حضرت امام مالکؒ نے اس کی وجہ معلوم کی تو بتایا کہ میں آج اس مقام پر کھڑا ہوں جہاں پر زندگی تقسیم ہوجاتی ہے۔آپ میری راہنمائی فرمایئے کہ مکہ میں لوٹ جاؤں یا تحصیل علم کے لیے کوفہ چلا جاؤں۔والدہ سے بھی اجازت نہیں لی ہے۔امام مالکؒ اداس ہو گئے کچھ دیر خاموش رہے اور پھر فرمایا" کوفہ پہنچ کر والدہ سے اجازت لے لینا"۔" کوئی ذی ہوش ماں اپنے بیٹے پر علم کے دروازے بند نہیں کرے گی۔آپؒ بھی اجازت فرمایئے"۔امام شافعیؒ نے دبی دبی آواز میں کہا۔امام مالکؒ نے فرمایا''فرزند جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے تمہیں کوفہ جانے کی اجازت دے رہا ہے وہ اپنی ذات کے لیے تمہیں کیسے روک سکتا ہے"؟

امام شافعیؒ نے امام مدینہ کے ساتھ عشاء کی نماز ادا کی۔اپنے سفر کی تیاری کی۔امام مالکؒ نے راستے کا کھانا تیار کروا دیا تھا۔امام مالکؒ کے اس سلوک پر آپؒ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ان آنسوؤں میں غم فراق بھی شامل تھا۔امام شافعیؒ بہت اداس ہو رہے تھے۔امام مالکؒ نے آپؒ کی حالت دیکھی تو فرمایا''فرزند منزل علم کے مسافر راستے کے گرد وغبار سے متاثر نہیں ہوتے''۔پھر بلند آواز سے پکار کر کہا" کوفہ کے لیے کون اپنا اونٹ کرائے پر دیتا ہے"؟" یہ آپؒ کیا فرمارہے ہیں نہ میرے پاس دینار و درہم ہیں اور نہ آپؒ کے پاس"۔"اللہ نے اس کا بندوبست کر دیا ہے۔آج جب میں گھر گیا تو عبدالرحمن بن قاسم دروازے پر کھڑے تھے میں نے آنے کا سبب پوچھا تو فرمایا ایک ہدیہ لے کر حاضر ہوا ہوں اور ایک تھیلی میرے ہاتھ میں پکڑا دی اور میری خوشامد کی کہ انکار نہ کریئے گا۔اس نے مجھے مجبور کر دیا اور میں نے وہ تھیلی (نذر) قبول کر لی۔تھیلی میں سو دینار تھے میں نے پچاس اپنے اہل وعیال کے لیے چھوڑ دیئے ہیں اور پچاس تمہارے سفر کے لیے لے آیا ہوں"، امام ابھی بات کر رہے تھے کہ ساربان قریب پہنچ گیا۔ امام مالکؒ نے چار دینار ساربان کو دیئے اور باقی رقم امام شافعیؒ کے حوالے کر دی۔امام مالکؒ نے آپؒ کو گلے لگایا اور آبدیدہ ہوکر کہا"اچھا خدا حافظ"۔۔۔۔

یہ امام مالکؒ کے آخری الفاظ تھے۔راستے میں غبار اڑ رہا تھا لیکن جب بھی امام شافعیؒ نے مڑ کر دیکھا امام مالکؒ کی روشن آنکھوں کو نگران پایا۔یہاں تک کہ امام مدینہ اور فرزند قریش کے درمیان فاصلے حائل ہو گئے۔آخر حجاج کرام کا یہ قافلہ 24 دن میں کوفہ پہنچا۔تمام مسافر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے مگر یہاں پر امام شافعیؒ کا کوئی گھر نہیں تھا۔اس لیے آپؒ اللہ کے گھر میں یہ دعا پڑھتے ہوئے داخل ہوئے۔''اے اللہ مجھ پر اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دے''۔پھر آپؒ نے عصر کی نماز ادا کی اور مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ کر آنے جانے والوں کو دیکھتے رہے۔اتنے میں آپؒ نے ایک نوجوان کو نماز پڑھتے دیکھا جو ارکان نماز صحیح طور پر ادا نہیں کر رہا تھا۔جب وہ نوجوان نماز ادا کر چکا تو آپؒ نے اس سے کہا"میرے عزیز بھائی میں تم سے تمہاری نماز کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں"۔" تم میری نماز کے بارے میں مجھے کیا کہنا

چاہتے ہو۔ تمہیں دوسروں کی غلطیاں نکالنے کا حق کس نے دیا ہے" ؟" میرے علم نے جو مجھے خدا کی طرف سے بطورخاص بخشا گیا ہے"۔" تمہاری عمر تمہارے دعوٰی کا ساتھ نہیں دیتی"۔"دعوٰی کا تعلق عمر سے نہیں ہوتا"۔امام شافعیؒ نے آرام سے جواب دیا۔" شاید تم حجازی ہو" ؟" ہاں میں حجازی ہوں"۔" یہ خشکی اور سختی حجازیوں میں ہی پائی جاتی ہے"۔نوجوان نے کہا۔اتفاق سے مسجد کے دروازے پر ہی اس نوجوان کو امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ نظر آ گئے۔ فقہ کی ان جلیل القدر ہستیوں کو دیکھتے ہی نوجوان بے قابو ہو گیا۔" آپ حضرات برسوں سے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں کبھی آپؒ کو میری عبادت میں کوئی خامی نظر نہیں آئی اور یہ حجازی لڑکا میری نماز پر نکتہ چینی کر رہا ہے"۔امام محمدؒ نے عراقی نوجوان سے کہا" تم اس حجازی لڑکے سے سوال کرو کہ وہ نماز میں کس طرح داخل ہوتا"؟

امام شافعیؒ نے انتہائی صبر اور سکون سے جواب دیا''میں دو فرض اور ایک سنت کے ساتھ نماز میں داخل ہوتا ہوں''۔امام محمدؒ نے پھر کہا"اب اس حجازی لڑکے سے پوچھو کہ وہ دونوں فرض کونسے ہیں؟اور سنت کیا ہے" ؟ امام شافعیؒ نے جواب دیا''**میری نماز کا پہلا فرض نیت ہے، دوسرا تکبیر اور سنت دونوں ہاتھوں کو اٹھانا ہے**''۔عراقی نوجوان نے جب امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کو فرزند قریش کا جواب سنایا تو وہ دونوں بزرگ مسجد میں داخل ہوئے۔امام شافعیؒ پر ایک گہری نظر ڈالی اور دور جا کر صحن میں بیٹھ گئے، پھر عراقی نوجوان کو حکم دیا اس قریشی لڑکے سے کہو"مشائخ کے روبرو حاضر ہو"۔عراق کے جلیل القدر فقہا کا نام سن کر امام شافعیؒ فوراً سمجھ گئے کہ امتحان کا وقت آ گیا ہے۔

امام شافعیؒ نے کہا"لوگ علم کے پاس خود چل کر آتے ہیں علم خود کسی کی بارگاہ میں حاضر نہیں ہوتا۔اور مجھے ایسی کیا ضرورت پیش آئی ہے کہ میں تمہارے مشائخ سے ملاقات کروں"؟امام شافعیؒ کی آواز بلند تھی۔اس لیے امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ نے تمام باتیں سن لیں تھیں۔اس سے پہلے کہ عراقی نوجوان ان کے پاس آئے دونوں بزرگ یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ''اس نے سچ کہا ہے''۔امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ مسجد میں داخل ہوئے امام شافعیؒ کے نزدیک پہنچ گئے اور سلام کیا۔امام صاحب بھی کھڑے ہو گئے اور والہانہ انداز میں آئمہ کرام کا استقبال کیا، بیٹھ جاؤ لڑکے، امام ابو یوسفؒ نے فرزند قریش کو حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔جب دونوں بزرگ مسجد کے فرش پر بیٹھ گئے تو امام شافعیؒ نے بھی ان کی تقلید کی۔پھر ان میں باتیں شروع ہوئیں اور امام شافعیؒ سے جب انہوں نے پوچھا"امام مالکؒ کے پاس رہے ہو تو موطا بھی پڑھی ہوگی"۔آپؒ نے کہا"موطا کو حفظ کر چکا ہوں"۔تو ان بزرگوں کو یقین نہ آیا۔امام شافعیؒ نے کہا" کیسے یقین دلاؤ" تو انہوں نے کہا" تم مسائل کا حل موطا کی روشنی میں دو"۔اور پھر انہوں نے مسائل دریافت کرنے شروع کئے۔ جب یہ دونوں حضرت امام شافعیؒ کے جوابات کا مطالعہ کر چکے تو اپنے غلام سے فرمایا جو مسجد کے اندر ہی موجود تھا کہ اپنے آقا کو گھر لے جاؤ۔اس کے بعد امام شافعیؒ سے کہا"میرے گھر جاؤ اور بے تکلفی کے ساتھ وہاں قیام کرو"۔غلام نے ایک آراستہ خچر پر مجھے سوار کیا جبکہ میں اپنے لباس سے ہی بدحال لگ رہا تھا۔میں امام محمدؒ کے مکان میں آ گیا اور کچھ ہی دیر کے بعد امام محمدؒ بھی گھر تشریف لے آئے۔امام محمدؒ نے آ کر مجھے بیٹھنے کو کہا اور خود بھی بیٹھ گئے اور فرمانے لگے۔یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔میری آسودگی کو دیکھ کر دوست خوش ہوتے ہیں اور دشمن جل جاتے ہیں۔میں نے کہا"معاذ اللہ نہ میں آپؒ کے دشمنوں میں شامل ہوں اور نہ حسد کرنے والوں میں۔میں عراق والوں کی آسودہ حالی سے نہیں جلتا۔اہل حجاز کی غربت پر آنسو بہا رہا ہوں اور یہ عدم توازن کیوں ہے؟۔دیار حرم کے رہنے والے تشنہ لب کیوں؟اور یہاں نعمتوں کے دریا کیوں جاری ہیں"؟امام محمدؒ میری بے قراریوں کا مفہوم سمجھ گئے لیکن ان باتوں کا ان کے پاس جواب نہ تھا۔کھانے سے فارغ ہونے کے بعد امام محمدؒ نے امام شافعیؒ کو امام ابوحنیفہؒ کی مشہور تالیف" الکتاب الاوسط" دی اور اس طرح آپ شب و روز امام محمدؒ کے ساتھ گزارنے لگے۔کچھ عرصے کے بعد آپؒ نے امام محمدؒ سے جانے کی اجازت چاہی اور کوفہ سے رخصت ہوئے۔غالباً اس کے بعد آپؒ بصرہ گئے اور پھر بغداد۔خلیفہ ہارون رشید نے آپؒ کو قاضی کا عہدہ دینا چاہا مگر آپؒ نے جواب دیا''خدا کی قسم شریک سلطنت ہو کر صبح سے شام تک بھی مجھے قاضی بننا گوارہ نہیں''۔

یہ واقعہ امام شافعیؒ کو 21 سال کی عمر میں پیش آیا تھا۔اس کے بعد امام شافعیؒ پھر اپنے استاد امام مالکؒ کے پاس مدینے گئے۔امام شافعیؒ نے انتہائی غربت میں آنکھ کھولی تھی لیکن واپسی پر اس چھوٹی سی عمر میں امام شافعیؒ کو لاکھوں دینار و درہم بطور نذرانہ پیش کئے گئے۔امام شافعیؒ دولت کے اس ڈھیر کو زیادہ دیر اپنے پاس برداشت نہیں کیا کرتے تھے جو کچھ پاتے راہ خدا میں لٹا دیتے۔یہی ایک قلندر کی نشانی ہے۔

ستائیسویں دن امام شافعیؒ مدینہ پہنچے تو نماز عصر ہو چکی تھی۔آپؒ نے جلدی جلدی وضو کیا۔روضہ رسول خاتم النبیین ﷺ پر حاضری دی اور فرمایا''اسلام علیکم یا سید المرسلین''۔بدن پر لرزہ طاری تھا۔بے اختیار آنسو نکل پڑے۔بس آنسوؤں کی قطاریں تھیں اور ہونٹ جنبش کر رہے تھے۔یہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان راز و نیاز کی باتیں ہوتی ہیں۔

پھر امام شافعیؒ آہستہ آہستہ ادب سے چلتے ہوئے مسجد کے ایک گوشے میں گئے جہاں لوہے کی ایک کرسی دیکھی اور ایک خوشبو کا جھونکا آیا جس سے آپؒ کی روح

تک آشنا تھی۔ حضرت امام مالکؒ درس کے لیے تشریف لا رہے تھے۔ قیمتی لباس، پانچ سو عقیدت مندوں کا ہجوم، آراستہ لوہے کی کرسی، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ امام مالکؒ کرسی پر تشریف فرما ہوئے تو تمام طلباء بھی زمین پر بیٹھ گئے۔ امام مالکؒ نے مجلس میں سوال کرنے شروع کیے۔ تمام جوابات امام شافعیؒ ہی نے ٹھیک دیئے لیکن امام مالکؒ انہیں پہچانے نہیں۔ درس کے بعد امام مالکؒ نے اجنبی نوجوان کو اپنے قریب آنے کو کہا اور پھر کہا فرزند یہ تم ہو'' جی محمد بن ادریس مالک بن انس کا غلام''۔ یہ کہتے ہوئے آپؒ کا سر جھک گیا۔ نماز کے بعد امام مالکؒ حضرت شافعیؒ کو گھر لے آئے۔ گھر کی شان ہی الگ تھی۔ امام شافعیؒ پریشان سے ہوئے۔ امام مالکؒ نے ان کی پریشانی بھانپ لی اور کہا'' فرزند کیا تم یہ تو نہیں سوچ رہے کہ میں نے دنیا کے بدلے آخرت بیچ دی ہے''۔ امام شافعیؒ نے کہا میں اس لیے پریشان ہوں کہ مجھے لوگ بغداد میں کہا کرتے تھے " تمہارے استادِ گرامی اب امیر ہو چکے ہیں اس دولت کا مظاہرہ اب میں ہر طرف دیکھ رہا ہوں"۔ امام مالکؒ نے کہا" فرزند جو کچھ تم دیکھ رہے ہو یہ سب ہدیہ ہے۔ خراساں سے مصر سے دنیا کے دور دور کے علاقوں سے لوگ ہدیہ بھیج دیتے ہیں۔ یاد رکھو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ہدیہ قبول فرما لیا کرتے تھے، صدقہ رد کر دیا کرتے تھے۔ میری فاقہ کشی بھی اس کے لیے ہے اور آسودہ حالی بھی اس کے لیے ہے۔ اب یہ تمام ملبوسات اور زر تمہیں ہدیہ کرتا ہوں"۔ دوسرے دن فجر کی نماز کے بعد امام شافعیؒ نے دروازے پر خراسانی گھوڑے کھڑے دیکھے انہیں دیکھتے ہی امام شافعیؒ نے فرمایا'' ایسے خوبصورت جانور تو میں نے آج تک نہیں دیکھے''۔" یہ سب جانور بھی تمہاری نذر۔ محمد میرے پاس جو کچھ ہے وہ سب تمہارا ہے۔ کم از کم ایک گھوڑا تو اپنے لیے رہنے دیجئے۔ فرزند مجھے شرم آتی ہے کہ میں اپنی سواری سے اس زمین کو پامال کروں جس کے نیچے میرے آقا محوِ خواب ہیں''۔ اب وہ رونے لگے اور ساتھ ساتھ امام شافعیؒ بھی روتے رہے۔ امام شافعیؒ سوچ رہے تھے کہ آسائشوں کے ہجوم میں بھی وہی تقویٰ، وہی درد، وہی گداز، وہی محبت، آپؒ کے ذہن کے تمام خدشات دھل گئے۔

امام شافعیؒ تین دن تک امام مالکؒ کے مہمان رہے۔ جاتے ہوئے امام مالکؒ نے تمام متاع امام شافعیؒ کے حوالے کر دیا اور کہا کوئی بات نہیں لوگ اور ہدیے بھیج دیں گے۔ امام شافعیؒ نے مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے راستے ہی میں تمام مال لوگوں کو تقسیم کر دیا۔ مکہ میں داخل ہوتے ہی اپنی مادرِ محترمہ کے سینے سے لپٹ گئے۔ ان کی فیاضی کی خبریں امام مالکؒ کو ملتی رہیں اور آپؒ اس کی تعریف فرماتے رہے اور برابر گیارہ ہزار دینار پابندی سے ہر سال بھیجتے رہے اور یہ سلسلہ گیارہ سال رہا۔ اور پھر کسی نے ایک دن پکار کر کہا'' محمد تمہارے استاد امام مالکؒ اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں''۔ یہ اطلاع کیا تھی ایک چیخ تھی جس نے پورے صحرائے حجاز کو ہلا دیا تھا۔

اس کے بعد آپؒ والئی یمن کی درخواست پر یمن چلے گئے۔ والدہ ہی نے وہاں جانے پر مجبور کیا تھا۔ والئی یمن نے امام شافعیؒ کو بخران کا عامل مقرر کر دیا، ایک مختصر سی مدت میں امام نے اس دور کی تمام روایتوں کو بدل ڈالا۔ اس منصب کے قبول کرنے پر مختلف علماء اور فقہی لوگوں نے آپؒ کو خبردار کیا۔ امام شافعیؒ مسلسل نصیحتوں کے باوجود کسی قسم کی بے دلی کا شکار نہ ہوئے بلکہ اپنے اصلاحی اور علمی کاموں کی رفتار پہلے سے بھی تیز کر دی۔ اب لوگ والئی یمن کے بجائے امام شافعیؒ کے معتقد ہو گئے تو والئی یمن آپؒ کے خلاف ہو گیا۔ مصائب اور خوشامدی دست بستہ ختم ہو کر اضطراب کا سبب پوچھتے تو والئی یمن جواب میں کہتا'' اس قریش زادے نے میری نیندیں حرام کر دی ہیں وہ سمجھتا ہے کہ میں آدابِ حکمرانی سے واقف نہیں اس کے فیصلے میرے طرزِ حکومت کی نفی کرتے ہیں''۔ اسی اثناء میں آپؒ کی والدہ محترمہ کی علالت کی خبر آپؒ کو ملی اور آپؒ یمن کو خیر آباد کر کے مکہ معظّمہ کی طرف روانہ ہوئے تو والئی یمن نے ہارون رشید کو امام شافعیؒ کے خلاف ایک خط بھیجا اور پھر امام شافعیؒ کو گرفتار کر لیا گیا۔ ہارون رشید کے سامنے 10 افراد پیش کئے گئے تھے۔ 9 پر علوی تحریک کی سربراہی کا الزام تھا۔ دسویں امام شافعیؒ تھے ان کو والئی یمن نے ایک مسلح فوج سے زیادہ طاقت ور اور خوفناک قرار دیا تھا لیکن عین اس وقت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام محمدؒ داخل ہوئے اور انہوں نے گواہی دی کہ امام شافعیؒ بے قصور ہیں اور پھر بعد میں آنے والے وقت میں امام محمدؒ نے ہارون رشید کو ثابت کر دیا کہ آپؒ بے قصور تھے۔

پھر ایک اور واقعہ پیش آیا، خلیفہ ہارون رشید اور اس کی بیوی میں کسی بات پر تکرار ہو گئی تو زبیدہ نے کہا'' تم جہنمی ہو'' ہارون رشید نے کہا" اگر میں جہنمی ہوں تو تجھے تین طلاق ہیں"۔ کچھ دنوں کے بعد خلیفہ کو شرمندگی ہوئی۔ تمام علماء کو بلا کر مسئلہ دریافت کیا کہ کیا طلاق ہو گئی۔ تمام علماء نے کہا کہ طلاق ہو گئی ہے لیکن امام شافعیؒ نے خلیفہ ہارون رشید سے پوچھا امیر المومنین کیا کبھی ایسا واقعہ ہوا کہ آپ گناہ کرنے پر پوری قدرت رکھنے کے باوجود صرف خوفِ خداوندی سے گناہ سے رک گئے ہوں۔ ہارون رشید نے قسم کھا کر کہا ہاں ایسا کئی مرتبہ ہوا ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ پھر آپ جنتی ہیں۔ جب باقی علماء نے اس کی حجت طلب کی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ'' قصدِ گناہ کے بعد جو شخص خوفِ خدا کی وجہ سے اس گناہ سے رک گیا اس کا ٹھکانہ جنت ہے''۔ یہ سن کو تمام علماء قائل ہو گئے۔

ادب و احترام:- آپؒ سادات کا بے حد احترام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا کہ جب سیدوں کے کم سن بچے آتے تو آپؒ ادب کرتے ہوئے کھڑے ہو جاتے۔ کسی رئیس نے کچھ رقم اہلِ تقویٰ پر تقسیم کرنے کے لیے مکہ بھیجی۔ اس میں سے کچھ رقم تقسیم کرنے والے نے آپؒ کو پیش کی۔ آپؒ نے پوچھا یہ کس نے بھیجی ہے؟ لوگوں نے

کہا یہ اہل تقویٰ پر خرچ کرنے کے لیے آئی ہے۔ آپؒ نے فرمایا میں تو اہل تقویٰ نہیں ہوں۔ اس لیے یہ رقم مجھ پر حرام ہے۔ حاکم روم نے کچھ رقم راہبوں کے حوالے کی اور خلیفہ ہارون رشید سے کہا کہ اگر آپ کے دینی علماء مناظرے میں ہمارے راہبوں سے جیت جائیں تو یہ رقم ان کو دے دی جائے۔ چنانچہ خلیفہ نے تمام علماء کو جمع کرکے امام شافعیؒ سے مناظرے کے لیے کہا۔ آپؒ نے پانی پر اپنا مصلیٰ بچھا کر اس پر کھڑے ہوکر کہا یہاں پر آکر مجھ سے مناظرہ کریں۔ یہ دیکھ کر تمام راہب رقم چھوڑ کر چلے گئے۔ حاکم روم نے کہا ''یہ بہت اچھا ہوا اس لیے کہ اگر یہ شخص روم میں آجاتا تو پورا روم مسلمان ہوجاتا''۔

امام مالکؒ کے شاگردوں میں سے ایک شخص مصر میں رہتا تھا۔ جسے لوگ جوان کہہ کر پکارتے تھے۔ یہ اکثر امام شافعیؒ سے مناظرہ کرتا اور بدتمیزی کا مظاہرہ کرتا۔ ایک مرتبہ اس نے مناظرے میں آپؒ کو گالیاں دیں۔ لوگوں نے اسکی شکایت والئ مصر سے کی۔ والئ مصر کے سامنے امام شافعیؒ نے اسے معاف بھی کردیا لیکن والی مصر نے کہا کہ ''اگر میں اسے معاف کروں گا تو کم ظرفوں کے حوصلے بلند ہوجائیں گے اور پھر کسی اہل علم کی عزت محفوظ نہیں رہے گی''۔

اس کو کوڑے لگائے گئے اور اونٹ پر پورے شہر میں گھمایا گیا لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جوان کے حامیوں نے منصوبہ بندی کی اور ایک دن جبکہ امام شافعیؒ درس کی مجلس ختم کرکے جارہے تھے تو پورے گروہ نے آپؒ پر حملہ کرکے آپؒ کو شدید زخمی کردیا۔ خون بہہ جانے کی وجہ سے کمزوری حد سے بڑھ گئی۔ لوگوں نے رونا شروع کردیا۔ "تم لوگ کیوں رو رہے ہو"؟ لوگوں نے کہا" آپؒ کے بعد ہم لاوارث ہوجائیں گے"۔ امام شافعیؒ نے جواب دیا" جن کے وارث اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ ہوں وہ لاوارث نہیں ہوتے"۔ اس کے کچھ دیر کے بعد امام صاحب نے فرمایا" فلاں شخص سے کہہ دینا کہ مجھے غسل دے دے"۔ اس کے ساتھ ہی آپؒ نے کانپتے ہاتھوں سے ایک کاغذ پر کچھ تحریر کیا۔ پھر اسے لفافے میں بند کرکے ابویعقوب کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ جب وہ شخص آئے تو اسے میری یہ وصیت پہنچادینا۔ شاگردوں اور عقیدت مندوں نے وہ دن اس طرح گزارا کہ بار باران پر موت کا سا سکوت طاری ہوجاتا۔ پھر سورج غروب ہوگیا۔ خون بہت ضائع ہو چکا تھا۔ ابھی امام شافعیؒ ہوش میں تھے۔ آپؒ نے اشاروں سے مغرب کی نماز ادا کی پھر فرزند قریش کی حالت بگڑنے لگی۔ آپؒ نے فرمایا دنیا سے رخصت اور احباب سے جدائی کا وقت قریب آگیا ہے موت کا پیالہ پیش ہوا چاہتا ہے۔ محمد بن ادریس کے اعمال کا نتیجہ نکلنے والا ہے۔ کون جانے کہ میری روح جنت کی طرف روانہ ہوگی یا دوزخ کی طرف۔ اتنا کہہ کر آپؒ پر گریہ طاری ہوگیا۔ آپؒ حالت وجد میں بار بار یہ شعر پڑھ رہے تھے ''یقینا میرے گناہ بہت زیادہ ہیں لیکن تیری رحمت میرے گناہوں سے بہت زیادہ ہے''۔ پھر امام خدا کی اس رحمت میں ہمیشہ کے لیے گم ہوگئے ، وہ ماہ رجب 254ھ کی آخری رات تھی۔ اس وقت آپؒ کی عمر 54 برس تھی۔ انتقال کے بعد اس شخص کو تلاش کیا گیا جس کو امام نے غسل دینے کی وصیت کی تھی مگر وہ شخص مصر سے باہر کسی نامعلوم مقام پر گیا ہوا تھا۔ آخر مجبور ہوکر امام صاحب کی وصیت کے خلاف کسی اور شخص نے آپؒ کو غسل دیا۔

پھر ناصر الحدیث کو قبر میں اتار دیا گیا۔ کیسی عجیب موت تھی کہ حدیث ہی کی نصرت کے لیے آپؒ نے خونین قبا پہن لی پھر ایک دن اچانک وہ شخص مصر میں داخل ہوا۔ لوگوں نے اسے گھیر لیا اور امام صاحب کی وصیت اس کے گوش گزار کردی۔ وہ شخص مضطرب ہوکر رونے لگا۔ افسوس یہ کیسی بدنصیبی ہے کہ میں اس سعادت سے محروم رہا۔ پھر وہ چاک گریباں امام کے حلقہ درس میں پہنچا۔ ہر شخص پر ایک بار پھر رقت طاری ہوگئی۔ ابویعقوب نے ایک سربمہر لفافہ اس شخص کے حوالے کردیا۔ یہ امام شافعیؒ کا وصیت نامہ تھا۔ اجنبی نے لفافہ چاک کیا اور جلدی جلدی تحریر کو پڑھا۔ پھر بلند آواز سے کہا ''خدا کی قسم مجھے یقین تھا کہ امام اپنے خادم کو اس سعادت سے محروم نہیں کریں گے''۔ یہ کہہ کر اجنبی نے امام کا وصیت نامہ ابویعقوب کو واپس کردیا۔ تمام حاضرین مجلس اپنے امام کی آخری تحریر دیکھنے کے لیے ابویعقوب کے گرد جمع ہوگئے۔ امام نے اس شخص کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا ''میں ستر ہزار دینار کا مقروض ہوں۔ تم مجھے غسل دے دو''۔

غسل سے امام کی مراد ہی قرض کی ادائیگی تھی وہ مصر کا ایک امیر کبیر شخص تھا اور خود کو امام شافعیؒ کا خادم کہا کرتا تھا۔ وصیت نامہ پڑھ کر اجنبی اس محفل سے اٹھا پھر قرض ادا کرکے امام شافعیؒ کی قبر پر پہنچا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ شخص رو رو کہہ رہا تھا۔

''اے امام علم و فضل تو آپؒ پر ختم ہو ہی چکا لیکن سخاوت میں بھی یہ دنیا آپؒ کے بعد کوئی دوسرا تلاش نہ کرسکے گی''۔ (انا للہ و انا الیہ راجعون)

****

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

164ھ تا 241ھ بمطابق 780ء

امام ابوعبداللہ احمد بن حنبلؒ ماہ ربیع الاول 164ھ بغداد میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کے والد کا نام محمد بن حنبل تھا اور دادا کا نام حنبل بن بلال تھا۔ اکثر لوگ آپؒ کو حنبل کا بیٹا سمجھتے ہیں۔ لیکن حنبل آپؒ کے دادا کا نام تھا۔ نسبی اعتبار سے آپؒ خالص عرب تھے۔ آپؒ کے والد اور والدہ دونوں شیبانی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ شیبان بھی عدنانی قبیلے کا دوسرا نام ہے جو معدن بن عدن کے واسطے سے رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ تک پہنچ جاتا ہے۔

آپؒ ابھی عہد طفلی میں تھے کہ آپؒ کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ مادر مہربان بہت ہی شفقت سے پیش آتیں تھیں۔ بغداد میں چھوٹا سا ایک مکان اور اتنی زمین تھی جس سے قناعت کے ساتھ گزارہ ممکن تھا۔ اسی ماحول نے آپؒ کو صابر و شاکر بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

تعلیم و تربیت:۔ بغداد میں آپؒ نے سب سے پہلے اسلامی معاشرے کے رسم و رواج کے مطابق قرآن پاک حفظ کیا۔ ابتدائی تعلیم سے فارغ ہو کر حضرت امام علم حدیث کی طرف راغب ہو گئے۔ اسی ذیل میں آپؒ نے سب سے پہلے قاضی ابو یوسفؒ کی درس گاہ کا رخ کیا۔ قاضی ابو یوسفؒ، امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے۔ مگر یہ سلسلہ زیادہ دیر نہیں چلا اور آپ فقیہوں کے حلقے سے نکل کر محدثین کی مجالس میں آ گئے۔ حضرت امام علم فقہ کے منکر نہیں تھے لیکن طبیعت حدیث مبارکہ ہی سے تمام مسائل کا حل تلاش کرنے کا تقاضہ کر رہی تھی۔ اس طرح آپؒ قاضی ابو یوسفؒ کی مجلس سے نکل کر امام حدیث ہشیم بن بشیرؒ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپؒ نے حدیث کی طلب میں پانچ بار حجاز مقدس کا سفر کیا اور اتنے ہی حج بھی کئے۔

تحصیل علم:۔ امام صاحبؒ نے 16 سال کی عمر سے حدیث لکھنا شروع کی۔ اس سلسلے میں اسماعیل بن علیہ اور سفیان بن عیینہؒ کی مجالس سے فیض پایا۔ علم حدیث کی تکمیل کے بعد امام احمدؒ فقہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس سلسلے میں آپؒ نے امام شافعیؒ کی صحبت اختیار کی۔ شاید دوبارہ فقہ کی طرف آنے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول ان کی نگاہ سے گزرا ہو **"جو حدیث سیکھتا ہے اور فقہ نہیں جانتا اس کی مثال اس دواساز کی سی ہے جو دوائیاں تو جمع کرتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ کونسی دوا کس مرض کے کام آئے گی؟ یہاں تک کہ طبیب آتا ہے اور وہ دوائیوں کے استعمال کا طریقہ بتاتا ہے۔ اسی طرح طلب حدیث ہے جو حدیثیں یاد کر لیتا ہے مگر اس کی ماہیت سے ناواقف ہوتا ہے یہاں تک کہ فقیہ آتا ہے اور حقیقت کو ظاہر کرتا ہے"۔**

ایک موقعہ پر حضرت امام احمدؒ نے اپنے استاد امام شافعیؒ کے لیے اس طرح اظہار خیال کیا تھا "نبی پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے لیے اللہ تعالیٰ ہر صدی کے شروع میں ایک ایسا شخص پیدا کرے گا جو دین کے بگڑے ہوئے امور کو سلجھا دے گا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے اس قول کے مطابق حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اس صدی کے مجدد تھے اور میرا خیال ہے کہ امام شافعیؒ اس صدی کے مجدد ہیں"۔

یوں تو ہر مسلمان پیغمبر اسلام کا نام لیوا ہے مگر کچھ لوگ جانثاروں کی صف میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ حضرت امام احمدؒ کا اسم گرامی بھی ان ہی سرفروشان رسول خاتم النبیین ﷺ میں شامل ہے۔ جو آپ خاتم النبیین ﷺ کی ہر سنت کو زندہ کرنے کے لیے اپنے نفس کے ساتھ ساتھ شاہان وقت سے بھی جنگ کرتے رہے۔ حضرت امام احمدؒ کی قوت حافظہ بے مثال تھی۔ مگر پھر بھی حدیث کا ایک ایک حرف تحریر فرماتے۔ اور بعد میں کاتب کے املا کو خود بغور ملاحظہ فرماتے۔ ان کے بیٹے فرمایا کرتے تھے کہ "میں نے اپنے والد محترم کو کبھی بھی کتاب کے بغیر صرف یادداشت کی بنیاد پر حدیث بیان کرتے نہیں دیکھا"۔

عاجزو انکساری:۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی زندگی میں عشق رسول خاتم النبیین ﷺ کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ آپؒ چالیس سال کی عمر سے پہلے مسند حدیث پر جلوہ افروز نہیں ہوئے۔ امام صاحبؒ کے حلقہ درس میں تقریباً 5 ہزار افراد شریک ہوتے تھے اور اسی مجلس میں ہر فقیر لائق احترام اور ہر مفلس عزت دار تھا۔ حضرت امام احمدؒ کے ایک ساتھی بیان کرتے ہیں کہ

"میں نے آج تک ایسی کوئی مجلس نہیں دیکھی جہاں مفلوک الحال لوگوں کو اس قدر عزت دی جائے"۔ حضرت امام احمدؒ کے حلقہ درس کا نمایاں پہلو غیرت نفس اور وقار ذات تھا۔ آپؒ کا طرز تعلیم نہایت سادہ تھا۔ جس انسان نے شدید گرمی میں اپنا پسینہ بہا کر چند درہم مزدوری کی ہو اور پھر اپنے شکم کو خالی رکھ کر وہ رقم علم کے راستے میں خرچ کر دی ہو۔ اس کے تقویٰ کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے دوسرے صاحبزادے حضرت صالحؒ اصفہان کے قاضی تھے۔ایک بار آپؒ کے خادم نے حضرت صالحؒ کے آٹے سے خمیر لے کر آپؒ کی روٹی تیار کی۔جب امام احمدؒ وہ روٹی کھانے لگے تو خادم سے پوچھا" آج یہ روٹی اس قدر گداز کیوں ہے؟ میں نے ساری زندگی اس قدر نرم غذا استعمال نہیں کی"۔خادم نے ڈرتے ڈرتے کہا ''حضور میں نے اس خیال سے کہ آپؒ کو اپنے صاحبزادے کی چیز کے استعمال پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔تھوڑا سا خمیر لے کر آپؒ کے آٹے میں ملا دیا تھا۔خشک اور سخت روٹیاں کھاتے کھاتے آپؒ کو زمانہ گزر گیا ہے۔اب مجھ سے آپؒ کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی۔''۔حضرت امام احمدؒ نے انتہائی تحمل سے فرمایا ''اللہ تم کو جزائے خیر دے کہ تم مجھ جیسے فقیر کا اتنا خیال رکھتے ہو۔تمہارا جذبہ محبت اپنی جگہ مگر یہ روٹیاں میرے استعمال کے قابل نہیں۔جو شخص اصفہان کا قاضی رہ چکا ہو۔اس کے یہاں کا خمیر میرے حلق سے نیچے نہیں اتر سکتا اور اگر ایسا ہو گیا تو پھر جسم کے اندر بڑا فساد برپا ہو جائے گا۔یہ روٹیاں اٹھا کر رکھ دو اور کوئی بھوکا ادھر آئے تو اسے پیش کر دینا لیکن اسے بتا دینا کہ روٹیوں میں خمیر صالح کا ہے اور آٹا احمد بن حنبل کا ہے"۔

کئی دن گزر گئے کوئی سائل ہی نہ آیا، روٹیوں میں بدبو آنے لگی، خادم نے یہ صورت حال امام صاحبؒ کو بتا دی۔امام صاحبؒ نے فرمایا" دیکھا روز کوئی نہ کوئی سائل آتا ہے۔اب کئی دنوں سے کسی سائل کا گزر نہیں ہوا۔جب یہ روٹیاں کسی فقیر کے کھانے کے قابل نہیں تو احمد یہ روٹیاں کیسے کھا سکتا تھا"؟ یہ کہا اور حکم دیا کہ روٹیاں ''دجلہ'' میں ڈال آؤ اور پھر آپؒ نے کئی سال تک دجلہ کی مچھلی نہ کھائی۔محض اس خیال سے کہ وہ روٹیاں مچھلیوں کی خوراک بن گئی ہوں گی اور ان کی گوشت میں اس خمیر کا اثر آ گیا ہوگا۔یہ تقویٰ کی آخری منزل ہے جس پر حضرت امام احمد بن حنبلؒ جیسے عاشق رسول خاتم النبیین ﷺ اور جان نثار شریعت ہی گامزن ہو سکتے ہیں۔

توکل:- حضرت امام احمدؒ نے علم حدیث کی تکمیل کے سلسلے میں جو تکالیف برداشت کیں وہ قیامت تک کے لیے اہل طلب کا سرمایہ ہیں۔آپؒ امام سفیان بن عینیہؒ کو امام مالکؒ کا بدل سمجھتے تھے۔مگر ان کا مکہ معظّمہ میں سکونت پذیر ہونے کے باعث ان سے ملنا دشوار تھا۔اقتصادی بدحالی کی وجہ سے آپؒ نے پیدل حج پر جانے کا ارادہ فرمایا اور راستے میں آپؒ پر جو گزری اس کے تصور سے بھی عام انسان لرز جاتا ہے۔لیکن امام صاحبؒ مطمئن تھے کہ یہ سب کچھ اللہ کی راہ میں تھا۔قیام مکہ کے دوران آپؒ زیادہ وقت امام سفیانؒ کی صحبت میں گزارتے تھے۔ایک دن امام احمدؒ تشریف نہیں لائے تو امام سفیانؒ نے اپنے خادم کو خیریت معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔جب خادم امام صاحبؒ کے گھر پہنچا تو عجیب منظر دیکھا کہ امام صاحبؒ کے جسم پر چھوٹا سا کپڑا ہے جس سے ستر ڈھانپ رکھا ہے۔خادم نے حضرت سفیانؒ کا پیغام گوش گزار کیا۔جواباً امام صاحبؒ نے فرمایا بھائی میرے پاس کپڑوں کا ایک ہی جوڑا تھا۔جسے میں نے زیادہ میلا ہونے کے باعث آج ہی دھوبی کو دے دیا ہے وہ دھوبی دو دن میں آنے کا وعدہ کر گیا ہے۔میں نیا کپڑا نہیں خرید سکتا۔اب تم آ گئے ہو تو اللہ نے میری مشکل آسان کر دی۔خادم نے بڑے ادب سے کہا ''حضرت مجھ سے کچھ رقم لے کر اپنے لباس کا انتظام کر لیجئے۔امام احمدؒ نے خادم کا شکریہ ادا کیا۔اور پھر اسے ایک کتاب دیتے ہوئے فرمایا ''یہ میرے ہاتھ کی تحریر کردہ کتاب ہے اسے بازار میں جا کر فروخت کر دو اور جو رقم ملے اس سے دس گز ٹاٹ خرید لانا''۔خادم نے کتاب ہاتھ سے لے لی اور فرمایا ''اگر اجازت ہو تو (کتان) نسبتاً بہتر کپڑا خرید لوں''۔حضرت نے کہا" نہیں ٹاٹ کافی ہے"۔

خادم نے یہ تمام باتیں حضرت سفیانؒ کو جا کر سنا دیں۔حضرت سفیانؒ نے کہا" بہت غیور ہے کسی سے کچھ نہ لے گا"۔تب لوگ پریشان ہوئے اور آپؒ کے مکہ معظّمہ کے دوستوں نے آ کر کہا کہ ہمیں کچھ خدمت کا موقع دیں لیکن حضرت نے انکار کر دیا اور خادم سے کہا ''میں تمہیں معاف کرتا ہوں کہ تم نے بری نیت سے میرا راز فاش نہیں کیا۔اب جاؤ اور میرے لیے ٹاٹ خرید کر لے آؤ۔اگر میں باہر جانے کے قابل ہوتا تو تمہیں ہرگز تکلیف نہ دیتا"۔خادم نے معافی چاہی اور باہر چلا گیا۔اس کے بعد دوسرے لوگ بھی رخصت ہوئے۔دوسرے دن آپؒ وہی ٹاٹ کا لباس پہن کر امام سفیان بن عینیہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔جس نے اس طالب علم کو دیکھا لرز گیا۔جس کی نظر پڑی اداس ہو گیا۔یہاں تک کہ امام سفیانؒ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔حضرت حسن بن عبدالعزیز نے بھی کچھ رقم دینے کی کوشش کی لیکن اس کے باوجود کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ حضرت حسن بن عبدالعزیز کی محبت سے بہت خوش ہوئے اور ان کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا ''دو خشک روٹیاں جس کے شکم کی آگ بجھا دیتی ہوں اسے سونے کے نوالوں کی کیا ضرورت ہے۔ایک انسان جب ٹاٹ سے اپنا جسم ڈھانپ سکتا ہے تو پھر حریر یا دیبا کی تلاش عبث ہے''۔

مشہور امام حضرت اسحٰق بن راہویہؒ کا قول مبارک ہے کہ ''حضرت امام احمد بن حنبلؒ اس زمین پر اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان حجت کے طور پر موجود ہیں''۔ آپؒ کے استاد امام شافعیؒ کا ارشاد گرامی ہے ''میں بغداد سے نکلا تو میں نے اس شہر میں امام احمد بن حنبلؒ سے زیادہ فقیہہ اور متقی نہیں چھوڑا''۔حضرت داؤد سجستانیؒ کا بیان ہے کہ ''امام احمد بن حنبلؒ کی مجلس آخرت کی مجلس تھی۔آپ دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا سے دور تھے''۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو اپنی زندگی میں تین قسم کے لوگوں سے سابقہ پڑا۔پہلا طبقہ غریب عوام کا تھا۔آپؒ کی مجلس میں کوئی مفلوک الحال شخص شریک

ہوتا تو آپؒ اس طرح پیش آتے جیسے وہ دنیا کا مال دار ترین آدمی ہے۔ دوسرا طبقہ حکمرانوں، امیروں اور وزیروں کا تھا۔ آپؒ ان سے ملنا تو درکنار ان کی شکلیں دیکھنا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ تیسرا طبقہ اہل علم کا تھا جس سے امام احمد بن حنبلؒ کی محبت قابل دید تھی۔

علم دوستی:- حضرت امام احمد بن حنبلؒ کسی پر بھی تنقید کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک بار امام احمدؒ سے لوگوں نے سوال کیا، "جاہل قسم کے جو صوفیاء مسجدوں میں متوکل بن کر بیٹھ جاتے ہیں ان کے بارے میں آپؒ کا کیا خیال ہے "؟۔ جواباً امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ''ایسے لوگوں کو غنیمت جانو کیونکہ علم ہی کی وجہ سے انہوں نے توکل اختیار کیا ہے''۔ ایک شخص نے کہا ''یہ تو محض روٹیاں حاصل کرنے کا ایک بہانہ ہے''۔ آپؒ نے جواب دیا ''دنیا میں کوئی جماعت بھی روٹیوں سے بے نیاز نہیں ہے''۔ امام صاحبؒ نے آخری وقت تک اہل علم کا دفاع کیا۔ یہ انسانی حوصلہ مندی، روشن خیالی اور پاک دامنی کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا علمی کارنامہ یہ ہے کہ تحریر و تقریر کے ایک ایک حرف میں آپؒ کا اپنا لہو شامل ہے۔ دنیا کا ایک سخت جان مزدور اپنی روزی کمانے کے لیے جس قدر محنت کر سکتا ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے تحصیل علم کے راستے میں اس سے زیادہ مشقت اٹھائی۔ آپؒ نے اپنے علم کو خلیفہ وقت کی نوازشات اور امیروں کے عطیات سے محفوظ رکھا اور پھر جب علم کی آزمائشوں کا وقت آیا تو آپؒ نے ایسی استقامت کا مظاہرہ کیا کہ اہل ایمان کے سینوں میں شگاف پڑ گئے اور مادہ پرستوں کی عقلیں ٹھوکریں کھانے لگیں۔

آزمائشیں:- حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی آزمائش کا دور اس وقت شروع ہوا جب خلافت عباسیہ میں معتزلہ کی جماعت نے اللہ کی آخری کتاب کو الاعلان مخلوق کہنا شروع کر دیا۔ اسلامی تاریخ کا یہ اذیت ناک واقعہ ''فتنہ خلق قرآن'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ایک سیاسی تحریک تھی جس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ مذہبی معاملات میں نئی نئی موشگافیوں سے ملت اسلامیہ کو منتشر کر دیا جائے۔ بنوامیہ کے عہد میں جعد بن درہم پہلا شخص تھا جس نے کہا ''قرآن مخلوق ہے''۔ اسے خالد بن عبداللہ نے نماز کے بعد خطبہ دیا اور آخر میں کہا لوگو اپنی اپنی قربانی کے جانور ذبح کرو میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں آج جعد بن درہم کو ذبح کروں گا۔ یہ کہتا ہے قرآن مخلوق ہے یہ کہتا ہے حضرت موسیٰؑ نے اللہ سے باتیں نہیں کہیں۔ یہ کہتا ہے اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنا دوست نہیں بنایا۔ یہ جو کچھ کہتا ہے اللہ اس سے بے نیاز ہے اتنا کہہ کر خالد بن عبداللہ منبر سے اترا اور جعد بن درہم کو قتل کر دیا۔ جہم بن صفوان بھی اس قسم کی باتیں کیا کرتا تھا۔ وہ اللہ کی صفت کلام کا منکر تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اللہ بات چیت نہیں کر سکتا اس لیے قرآن مخلوق ہے۔ پھر معتزلہ کا دور شروع ہوا ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ نے جیسے اور چیزیں پیدا کیں ہیں۔ ایسے ہی قرآن مخلوق ہے۔ خلافت عباسیہ میں معتزلہ نے زیادہ زور پکڑ لیا اور نئے نئے نکتے پیدا کیے۔

خلیفہ ہارون رشید کا دور تھا۔ مصری علماء میں بشر بن غیاث کا یہی عقیدہ تھا، بشر کے استاد قاضی ابو یوسفؒ (جو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے) نے اسے اس مسلک سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن بشر بن غیاث نہ مانا، خلیفہ ہارون رشید کی دیگر کوتاہیاں اپنی جگہ مگر اس سلسلے میں اس نے معتزلہ کی ذرا سی بھی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ یہاں تک کہ بشر بن غیاث کی باتیں سن کر اس نے کہا ''اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے موقع دیا تو میں اپنے ہاتھوں سے اسے قتل کروں گا'' چنانچہ خلیفہ ہارون رشید کے زمانے میں بشر بن غیاث منہ چھپاتا پھرتا رہا۔ ہارون رشید کے بعد جب اس کے بیٹے مامون رشید کا دور شروع ہوا تو صورت حال یکسر بدل گئی اور معتزلہ اس پر چھا گئے۔ معتزلہ عقلی طور پر بحث کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔ مامون اپنے سطحی علم کی وجہ سے مناظروں کے دوران منطقی دلائل سے اس قدر متاثر ہوا کہ آخری سانس تک معتزلہ کے طلسم سے آزاد نہ ہو سکا۔ آہستہ آہستہ اس جماعت کے کچھ افراد منصب وزارت تک پہنچ گئے۔ جب معتزلہ کو اپنی طاقت کا صحیح اندازہ ہو گیا تو انہوں نے مامون کو اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ خلق قرآن کے عقیدے کا عام اعلان کرے اور مامون نے ایسا ہی کیا۔ مامون نے اسحاق بن ابراہیم کو حکم دیا کہ نہ ماننے والوں کو حاضر کرو۔ جن لوگوں نے اس عقیدے کو نہ مانا ان کو زنجیریں پہنا دی گئیں اور ان کو مامون کے دربار میں حاضری دینے کے لیے پیادہ روانہ کر دیا گیا۔ یہ چار افراد تھے ان میں امام احمد بن حنبلؒ، ابن نوحؒ، القوار یریؒ اور سجادہؒ شامل تھے۔ سپاہی انہیں کھینچ رہے تھے اور یہ اپنے رب کی حمد و ثنا میں مشغول تھے۔ رات ہوئی تو باری باری اسحاق بن ابراہیم نے سجادہ اور القوار یری کو بلایا اور ان کے انکار پر ان کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ یہ دونوں حضرات کوڑوں اور تشدد کو برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے اسحاق کی بات مان لی۔ ان کی بیڑیاں کھول دی گئیں۔ اسحاق بن ابراہیم مطمئن تھا کہ دونوں نے ان کے عقیدے کو مان لیا لیکن امام احمد بن حنبلؒ اور ابن نوحؒ نے کوڑوں اور تشدد کے باوجود کہا قرآن مخلوق نہیں ہے۔

صبح ہوئی تو امام احمد بن حنبلؒ اور ابن نوحؒ کو طرطوس کی طرف روانہ کر دیا گیا جہاں خلیفہ مامون رشید سکونت پذیر تھا۔ راستے بھر ظلم و ستم کے مظاہرے ہوتے رہے مگر یہ دونوں حضرات اپنے عقیدے پر قائم رہے۔ ابن نوحؒ جسمانی طور پر بہت کمزور تھے۔ مسلسل اذیتیں برداشت کرتے کرتے ان کی ہمت جواب دے گئی اور وہ راستے میں ہی انتقال کر گئے۔ جب ان کی لاش سے بیڑیاں اتاری گئیں تو امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ''ابن نوح تم پر اللہ اپنی رحمتیں نازل کرے اور ہمیں بھی تمہاری طرح

استقامت بخشی''۔ابن نوحؒ کی شہادت نے ان لوگوں پر گہرا اثر ڈالا جو خلیفہ کا حکم ماننے پر مجبور ہو گئے تھے۔اب احمد بن حنبلؒ کے سوا یہ طاقت کسی میں بھی نہ تھی کہ وہ اقتدار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے دل کی بات کہہ سکے۔امام احمد بن حنبلؒ کے بدن سے آہنی بیڑیاں لپٹی ہوئی تھیں کہ اچانک ایک دن راستے میں خلیفہ مامون رشید کے انتقال کی خبر ملی۔اسحاق بن ابراہیم کا چہرہ اتر گیا وہ اپنے آقا کو فتوحات مسلسل کی نوید سنانے سے محروم رہا۔خود مامون رشید کی لاش بھی اس چیز پر حسرت کر رہی تھی کہ وہ امام احمد بن حنبلؒ کا انکار اپنے سامنے نہ سن سکا۔لیکن مرتے وقت مامون رشید نے اپنے بھائی معتصم باللہ کے نام وصیت کرتے ہوئے لکھا''جو کچھ تو دیکھ رہا ہے اس سے نصیحت حاصل کر اور اپنے بھائی کے قریب ہو جا۔سختی کے ساتھ خلق قرآن کی دعوت دے اور احمد بن داؤد سے ہر حال میں اپنی وابستگی قائم رکھ''جب معتصم باللہ اپنی خلافت کی ابتدائی تقریبات سے فارغ ہوا تو اس نے احمد بن داؤد کے کہنے پر امام احمد بن حنبلؒ کی طرف توجہ کی۔اس نے امام احمد بن حنبلؒ کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔پھر آپؒ پر تازیانوں کی بارش کر دی گئی۔جب بھی جسم پر تازیانے پڑتے آپ بلند آواز سے قرآن پاک کی ایک آیت مقدسہ تلاوت فرماتے۔

ترجمہ:''ہم پر وہی مصیبت نازل ہو سکتی ہے جو اللہ نے ہمارے مقدر میں لکھ دی ہے''۔(سورہ توبہ، آیت نمبر 51)

بالآخر جب معتصم باللہ، احمد ابی داؤد اور معتزلہ مایوس ہو گئے تو ایک دن حضرت امام کو آزاد کر دیا۔آپؒ کو ایسی حالت میں گھر پہنچایا گیا کہ آپؒ زخموں سے لہولہان تھے۔ہڈیوں پر کوڑوں کے نشان نظر آرہے تھے۔پورا بدن شکستہ تھا مگر امام صاحبؒ کے ارادوں نے شکست نہیں کھائی۔بہت دنوں کے بعد آپؒ صحت مند ہوئے تو دوبارہ مجلس درس کو آراستہ فرمایا۔انسانی ہجوم آپؒ کے زخموں کو بوسہ دینا چاہتی تھی مگر آپؒ نے منع فرما دیا کہ اس طرح بت پرستی کا آغاز ہوتا ہے۔پھر معتصم باللہ کا انتقال بھی ہو گیا۔مامون رشید کے بعد یہ دوسرا جابر حکمران تھا۔یہ بھی اپنے جابرانہ قانون کے ساتھ زیرزمین دفن ہو گیا۔پھر واثق باللہ کا دور شروع ہوا۔یہ نسبتاً نرم طبیعت کا مالک تھا۔دوسرا یہ کہ اب لوگ''خلق قرآن'' کے سلسلے سے بیزار ہو چکے تھے اس نے سیاست سے کام لیا اور امام احمد حنبلؒ کو نظر بندی کی سزا سنائی گئی ان کو اپنے گھر میں ہی نظر بند کر دیا گیا حتیٰ کہ نماز کے لیے بھی باہر نہیں نکل سکتے تھے۔

واثق کے آخری زمانے میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ایک دن ایک گمنام سا شخص خلیفہ کے دربار میں حاضر ہوا۔احمد بن داؤد بھی موجود تھا۔اجنبی نے واثق سے کچھ کہنے کی اجازت لی اور پھر داؤد سے مخاطب ہوا''جس بات کی دعوت نہ رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ نے دی اور نہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، اور حضرت علیؓ نے، پھر تم کیوں لوگوں کو اس طرف بلاتے ہو"؟ ابوداؤد خاموش رہا۔اجنبی نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہ''اب دو ہی صورتیں باقی رہ جاتی ہیں یا تو یہ **حضرات قرآن کی حیثیت سے واقف نہیں تھے یا پھر انہیں قرآن کی حقیقت کا علم ہی نہیں تھا۔اگر تم یہ کہتے ہو کہ وہ لوگ واقف تھے لیکن اس معاملے میں سکوت اختیار کیا تو پھر تمہیں بھی خاموش رہنا چاہیے تھا اور اگر تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ وہ مسئلے سے آگاہ ہی نہیں تھے تو پھر اسلام کہاں باقی رہ جاتا ہے"**؟ خلیفہ واثق نے جب یہ بات سنی تو اپنی نشست سے اچھل پڑا اور بار بار یہ الفاظ دہرائے''میں نے اس شخص کو معاف کر دیا اور اب تک جو کچھ کرتا آیا تھا اس سے توبہ کر لی''۔اس طرح خلق قرآن کا مسئلہ ختم ہوا۔

واثق کے بعد خلیفہ متوکل کا دور آیا۔احمد بن ابی داؤد کو ذلت اور رسوائی کے ساتھ معزول کیا گیا۔آپ کی نظر بندی ختم کر دی گئی۔خلیفہ متوکل کو امام احمد بن حنبلؒ سے بڑی عقیدت تھی۔اس نے حضرت امامؒ کے سامنے سیم و زر کے انبار لگا دیئے لیکن آپؒ نے کچھ بھی قبول نہ کیا۔حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے آزمائش کے تین دور دیکھے۔

1۔ پہلا دور غربت وافلاس کا دور
2۔ دوسرا آزمائش کا
3۔ تیسرا دور شہرت وعقیدت کا

آپؒ ان تینوں ادوار سے سلامتی سے گزر گئے۔

ارشادات:- شرعی مسائل آپؒ خود بتاتے تھے لیکن مسائل طریقت کے سلسلے میں لوگوں کو حضرت بشر بن حافیؒ کے پاس بھیج دیتے تھے۔آپؒ اکثر فرمایا کرتے تھے" میں نے خوف خدا طلب کیا تو اتنا خوف عطا ہوا کہ مجھے عقل کے زائل ہونے کا گمان ہونے لگا"۔پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا" تجھے میرا اقرب صرف قرآن سے حاصل

ہو سکتا ہے"۔پھر فرمایا" **اعمال میں مشقتوں سے چھٹکارے کا نام اخلاص ہے۔اللہ پر اعتماد توکل ہے اور اپنے امور کو اللہ کے سپرد کر دینا رضا ہے"۔لوگوں نے**

محبت کا مفہوم پوچھا کہا" یہ بشر حافیؒ سے دریافت کرو"۔لوگوں نے کہا" زہد کیا ہے "؟ کہا'' عوام کا زہد اشیاء کو ترک کر دینا ہے اور خواص کا زہد حلال چیزوں میں زیادتی کی تمنا نہ کرنا ہے اور عارفین کا زہد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا"۔

وفات:- آپؒ آخری عمر میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے کوئی گھاٹی ملے تو میں اس میں چھپ جاؤں تاکہ میرا کوئی ذکر نہ کرے۔ میں شہرت کی آزمائش میں مبتلا کیا گیا ہوں۔اس سے بچنے کے لیے صبح شام موت کی آرزو کرتا رہتا ہوں۔سخت ترین جسمانی اذیتوں نے آپؒ کی صحت کو تباہ کر ڈالا تھا۔ یہاں تک کہ بستر مرگ پر دراز ہو گئے، کمزوری دن بدن بڑھتی جارہی تھی۔ایک ہمدرد نے آپؒ سے پوچھا'' جن لوگوں نے آپؒ کو اذیتیں دیں ان کے بارے میں آپؒ کا کیا خیال ہے''۔حضرت امام احمدؒ نے فرمایا ''ان لوگوں نے اپنے خیال کے مطابق مجھے گمراہ خیال کیا تھا اور تمام تکالیف خدا کی راہ میں دیں تھیں۔اس لیے میں قیامت کے دن ان سے مواخذہ نہ کروں گا''۔انتقال کے وقت جب صاحبزادے نے طبیعت معلوم کی تو فرمایا" اب سوال کا وقت نہیں ہے۔بس یہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ایمان پر خاتمہ فرمائے۔ کیونکہ ابلیس مجھ سے کہہ رہا ہے کہ تیرا ایمان ثابت لے جانا میرے لیے باعث ملال ہے"۔ یہ کہتے کہتے روح پرواز کر گئی۔کسی نے لوگوں کے کانوں میں کہا تمہارا محبوب دنیا سے رخصت ہو گیا۔خبر فضا میں منتشر ہو گئی۔ایسا لگا جیسے کچھ دیر کے لیے کائنات تھم گئی ہو۔ پھر لوگوں کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ گیا۔ایسی گریہ زاری تھی کہ پورا بغداد ماتم کدہ بن گیا۔مرنے والے نے اپنی زندگی میں رونے والوں کے آنسوؤں پر پابندی لگا رکھی تھی۔مگر انہیں روکنے والا کوئی نہ تھا لوگوں کی نگاہوں میں مامون، معتصم، واثق تمام جابروں کے زمانے گھوم گئے۔ پھر انسانی ہجوم میں کسی نے چیخ کر کہا" تیرے پاک جسم کو مشق ستم بنانے والے کہاں گئے "؟ کسی اور نے جواب دیا'' زیر زمین حشرات الارض ان کی ہڈیوں میں سوراخ کر رہے ہوں گے۔''لوگوں کے سروں کے علاوہ کچھ نظر نہ پڑتا تھا۔ یہ معرفت کے شہنشاہ کا جنازہ تھا'' اقلیم دل'' کا فرمانبردار اس طرح رخصت ہوتا ہے۔

انتشار سے بچنے کے لیے پورے شہر کو فوج کے سپرد کر دیا گیا تھا۔خلیفہ متوکل حیران و پریشان کھڑا انسانوں کے گزرتے ہوئے اس سمندر کو دیکھ رہا تھا۔ ہر شے اپنے محور سے ہٹ گئی تھی۔کاروبار حیات معطل ہو کر رہ گیا تھا۔آج دربار خلافت ویران پڑا تھا اور محلات شاہی کے بام و در سے ایک نامعلوم آواز ابھر رہی تھی۔

''شہنشاہ تو وہ ہے جسے قبر میں اتارا جارہا ہے''۔

اور پھر نور کے مجسمے کو حصار میں رکھ دیا گیا۔(انا للہ و انا الیہ راجعون)

****

مُصَنِّفہ کی تمام کُتُب

خاتم النبیین ﷺ مِحبُوبِ ربُّ العٰلمین	خاتم النبیین ﷺ مُحسنِ اِنسانیت (۱،۲)	مقصدِ حیات	عبدیّت کا سفر ابدیّت کے حصُول تک
تعلُّق مع اللہ	مُختصراً قُرآنِ پاک کے علُوم	راہِ نجات	فلاح
اہلِ بیت اور خاندانِ بنُو اُمَیّہ	ثواب و عتاب	تُو ہی مُجھے مِل جائے (جِلد۔۱)	تُو ہی مُجھے مِل جائے (جِلد۔۲)
مختصر تذکرہ صحابہ کرامؓ مختصر تذکرہ انبیاء کرامؑ	اولیاءکرامؒ	کتاب الصلوٰۃ وَ اوقاتُ الصّلوٰۃ	عشرہ مُبشرہؓ اور آئمہ اربعہؒ
حیاتِ طیّبہ	آگہی	اِسلام عالمگیر دِین	عقائد واِیمان
دِینِ اِسلام (بچّوں کے لئے)	کتابِ آگاہی (تصحیح العقائد)	تصَوُّف یا رُوحانیت (جِلد۔۱)	تصَوُّف یا رُوحانیت (جِلد۔۲)